

53129



ماثر ————— عظیم پبلشنگ ہاؤس خیبر بازار پشاور

مطبوعہ ————— اتحاد پریس بل روڈ لاہور

تعداد ————— ۱۰۰۰

قیمت ————— ۶ روپے ۵۰ پیسے

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	شمار
	پیش لفظ از جناب علامہ مولانا مولوی حافظ محمد اویس صاحب ایم۔ اے عربی (گولڈ میڈلسٹ) ایم۔ اے فارسی، فاضل ڈیپلوم، مولوی فاضل (میڈلسٹ) فتنی فاضل، ادیب فاضل۔ صدر شعبہ عربی (اسلامیات) پشاور یونیورسٹی۔ عرض حال از مصنف	
۱	حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب	۱
۱۶	حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انخون پنجو صاحب	۲
۲۵	حضرت انخوند درویش صاحب شکر ہاری	۳
۳۹	حضرت شیخ المشائخ شیخ رحیمکار صاحب المعروف کاکا صاحب	۴
۴۶	حضرت شیخ المشائخ حاجی محمد اسماعیل غوری	۵
۴۹	ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب فادری	۶
۶۴	حضرت شیخ پیکچی صاحب المعروف حضرت جی صاحب	۷

## (ب)

صفحہ	مضمون	شمار
۶۸	حافظ عبدالغفور صاحب نقشبندی	۸
۷۴	حضرت شیخ المحمّدین سید شاہ محمد غوث صاحب	۹
۹۲	حضرت غوثِ زمانِ میان محمد عمر صاحب نقشبندی	۱۰
۱۰۱	حضرت غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب پشاور	۱۱
۱۰۴	حضرت قطبِ وقت فضل احمد صاحب معصومی المعروف حضرت جوہا	۱۲
۱۱۳	حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف "آسیا والے میان صاحب"	۱۳
۱۲۲	حضرت علامہ حافظ محمد احسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب	۱۴
۱۲۸	حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب المتخلص بہ واعظ	۱۵
۱۳۹	حضرت آقا سید پیر جان صاحب	۱۶
۱۴۹	امام المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبدالغفور صاحب صوت	۱۷
۱۵۸	مولانا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاور	۱۸
۱۶۴	حضرت آغا میر جانی صاحب قلندر	۱۹
۱۶۷	شیخ النما حضرت میان نصیر احمد صاحب المعروف میان صاحب قصہ نعلانی	۲۰
۱۷۲	محمد شہداء عظیم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب	۲۱
۱۷۶	مولانا قاری حافظ میان محمد صاحب (بھانہ ماڑی)	۲۲
۱۸۰	سید ملک شاہ صاحب قادری نوشاہی	۲۳
۱۸۴	حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب چھوہروی (ہری پور ہزارہ)	۲۴
۱۹۸	حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی	۲۵

صفحہ	مضمون	شمار
۲۰۷	فخر المجاہدین شیخ المشائخ حضرت فضل احمد صاحب المعروف حاجی صاحب ترنگرنی	۲۶
۲۱۹	خواجہ عبدالرحمن صاحب نقشبندی بہادر کلی پشاور	۲۷
۲۲۶	حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب نقشبندی ساکن کوئٹہ محسن خان پشاور	۲۸
۲۳۱	جناب فقیر خدابخش صاحب نوشاہی	۲۹
۲۳۴	مفتی سرمد مولینا عبدالحکیم صاحب	۳۰
۲۳۹	حضرت میر آغا (آغو) جان صاحب کابلی	۳۱
۲۴۶	حضرت مولانا سید حبیب شاہ صاحب	۳۲
۲۵۲	حضرت شیخ الحدیث صاحب جزاؤہ حافظ علی احمد جان صاحب	۳۳
۲۵۸	حضرت مفتی اعظم علامہ دوران مولینا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی	۳۴
۲۶۷	حضرت قدوة السالکین سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی	۳۵
۲۷۲	حضرت مولینا سید فضل محمد انی صاحب بنوری	۳۶
۲۷۶	الحاج حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب قادری حقیقی	۳۷
۲۸۰	حضرت استاذ الاساتذہ سید محمد ایوب شاہ صاحب جعفری	۳۸
	ترجمہ	
۲۸۵	حضرت شیخ جنید پشاور	۳۹
۲۸۸	حضرت حاجی سید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی	۴۰

# ماخذ

- ۱- اسرار الطریقین : حضرت شاہ محمد غوث صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ
- ۲- اسرار التصوف : (قلمی)
- ۳- انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ : (قلمی) حکیم محمد حسن صاحب چولوی (قصور)
- ۴- بحر الجمان : سید غلام محبوب شاہ صاحب والی (ہزارہ)
- ۵- تذکرۃ الابرار والاشرار : حضرت اخوند درویش صاحب نگرہاری رحمۃ اللہ علیہ
- ۶- تاریخ پشاور : لارڈ میسنگر وغیرہ
- ۷- تاریخ کشمیر اعظمی : خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب کشمیری
- ۸- تاریخ کبیر کشمیر :
- ۹- تاریخ یوسف زلی پٹھان : جناب اللہ بخش صاحب یوسفی۔
- ۱۰- تاریخ اقوام کشمیر : جناب محمد دین صاحب فوق
- ۱۱- تازہ لواہی معارف : آقائے عبدالحمید جمیلی
- ۱۲- تحریرات قلمی : مؤرخ کشمیر جناب مفتی سعادت
- ۱۳- تحفۃ المرشد : مرزا نظام الدین نقشبندی کابلی
- ۱۴- تذکرۃ علمائے ہند : مولوی رحمان علی صاحب
- ۱۵- حالات حضرت جی صاحب پشاور والہ : جناب عبداللہ صاحب نقشبندی

- ۱۶- حدائق الحنفیہ : مولوی فقیر محمد صاحب جھلمی
- ۱۷- حدیقتہ الاولیاء : مفتی غلام سرور صاحب لاہوری
- ۱۸- خزینۃ الاصفیاء : مفتی غلام سرور صاحب لاہوری
- ۱۹- دبستان مذاہب : مؤید
- ۲۰- رسالہ کسب سلوک : (قلمی) حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۱- رسالہ خوارق عادات سید حسن بادشاہ صاحب (قلمی) حضرت سید غلام صاحب قادری
- ۲۲- "روحانی ترقی و ترقی" (قلمی پشتو) : عبدالعلیم صاحب اثر افغانی
- ۲۳- روزنامہ انجام پشاور
- ۲۴- سمرالامراء (قلمی) حضرت میاں محمد عمر صاحب نقشبندی چکنی رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۵- سفرنامہ مولینا غلام جیلانی صاحب (قلمی) از حضرت موصوف
- ۲۶- سیرت سید احمد شہید - از جناب غلام رسول صاحب ہر
- ۲۷- غوثیہ شریف : (قلمی) حضرت بہاؤ الدین متو کشمیری
- ۲۸- باب المعارف العلمیہ : فرست کتب اسلامیہ کالج پشاور
- ۲۹- آثار الامراء :
- ۳۰- ماہنامہ طور : اپریل ۱۹۳۶ء
- ۳۱- مجموعہ صلوة الرسول : حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب چھوہروی رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۲- مصباح السالکین : جناب خان پیر بخش خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
- ۳۳- مقامات قطبیہ و مقالات تہسیہ : میاں عبدالعلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۴- نئی تاریخ چیرال : مرزا محمد غفران مرحوم مصنفہ مرزا غلام مرتضیٰ (فردوس کش) مؤلفہ

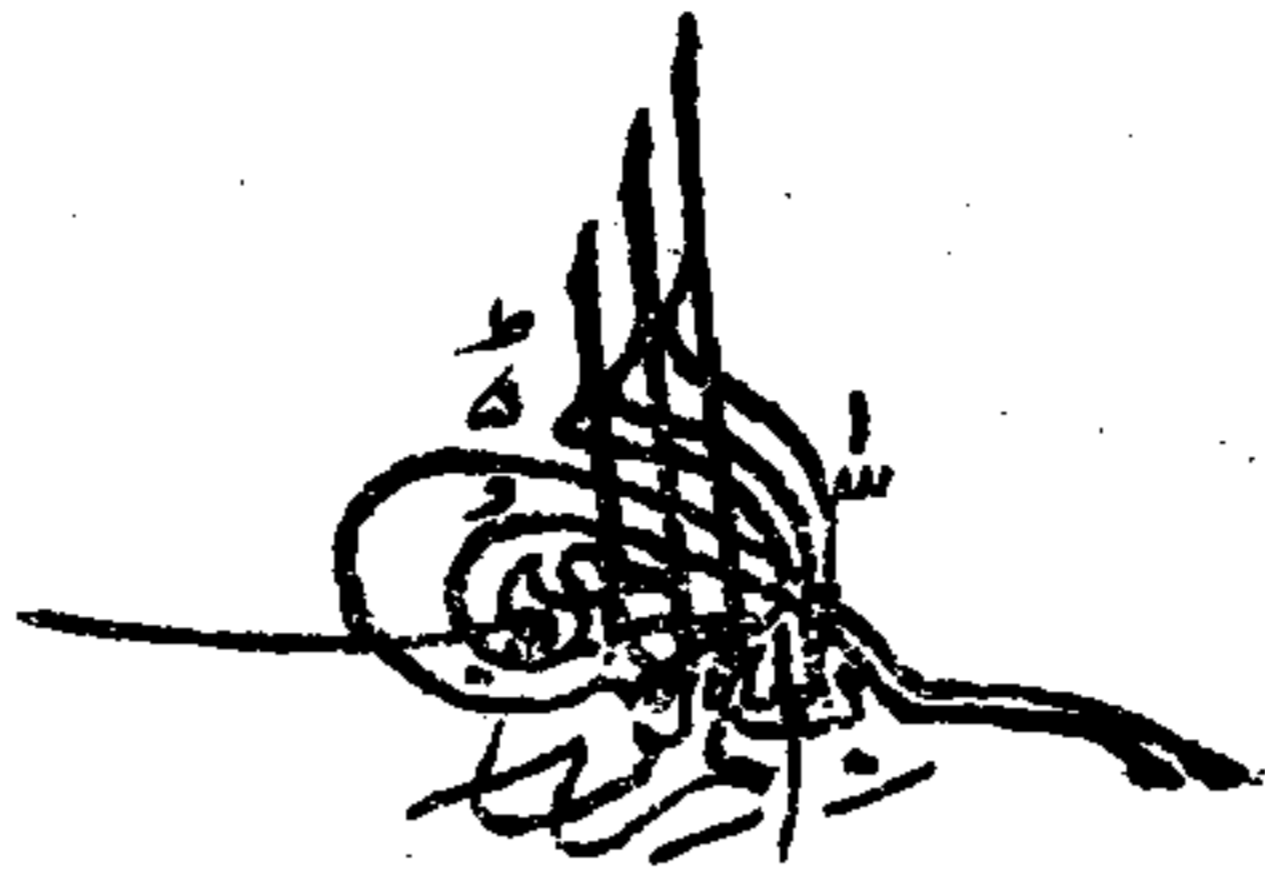
## مَعْنُون

یہ فقیر نے محمدان اس کوشش کو اپنے مرشد ارشد والد گرامی قد  
عزت آب سیدالساوات حافظ آقا سید محمد زمان شا  
صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام نامی سے معنون کرتا ہے  
فقیر محمد امیر قادسی

(سجادہ نشین)

یکہ توت پشاور

مرزی قعدہ ۱۳۸۳ھ



## پیش لفظ

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے، خدم و حشم ہوتے ہیں، فوج اور سپاہ ہوتی ہے اور قوت و اقتدار کے سارے سامان ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بسا اوقات ان کی حکومت لوگوں کی گرفتوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتی۔ ان کی سطوت و جبروت کے سامنے بظاہر لوگوں کی گردنیں جھکی ہوتی نظر آتی ہیں۔ مگر بہت کم ایسے خوش قسمت سلاطین ہوتے ہیں جن کی حکومت گرفتوں کی حدود سے آگے بڑھ کر دل کی مملکت تک پھیل جائے اور لوگ مخلوسیت سے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیں۔

اس کے مقابلے میں ہم ایک ایسے فقیر طبع کو جانتے ہیں جن کو ایک وقت کے کھانے کا سامان بھی بیٹھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے کھال میں سست اور گدڑی میں نگرہ لہتے ہیں۔ نہ نوکر نہ چاکر۔ نہ مال نہ منال۔ مگر دنیا کے بڑے بڑے اباب سطوت ان کے سامنے جانے سے گھبراتے ہیں۔ اور ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک لفظ اپنے حق میں نوشتہ تقدیر پھراتے ہیں۔ لوگ از خود ان تاجداران بے تاج اور



سلاطین و سلطنت کے سامنے پورے خستوع و خضوع کے ساتھ جھکتے ہیں۔ ان کے ہر حکم کو سر آنکھوں سے قبول کرتے ہیں اور ان کی ایک جنبش اور پیراپنی جان و مال کا متارح گزرا نہ پانچھا و درو بیتے ہیں۔ رُو حانی تاجداروں کا یہی سر بلند طبقہ ہے جن کا ذکر حافظ شیرازیؒ نے نعتِ رسول میں یوں کیا ہے۔

غلامِ نرگسِ مست تو تاجدارِ اند

خرابِ بادۂ لعل تو ہوشیارِ اند

صرف یہی نہیں کہ یہ غلامانِ تاجدار اور خرابانِ تیان ہوشیار جب تک زندہ رہتے ہیں تو لوگوں کے دلوں کو مُٹھی میں تھامے رکھتے ہیں اور ان کو حسبِ منشاء و مرضی جدر کو چاہتے ہیں اُدھر کو موڑتے ہیں۔ نہیں، بلکہ جب ان کی ابد تک زندہ رہنے والی پاک رُو میں جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہیں تو ان کی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے مضبوط ہاتھ قبر کے اندر سے دُنیا کے رہنے والوں پر حکمرانی کرنے لگتے ہیں، لوگ دُور دُور سے ان کے مزاروں پر آ کر حاضری دیتے ہیں اور شاہی درباروں سے بڑھ کر ادب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں معتقدین ان کے مزاروں کی خاک کو ہر آفت کا علاج اور ہر بیماری کا مداوا سمجھتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ہ

ہرگز نمیر و آنکہ دیش زندہ شد عشق

ثبت ست بر چریدۂ عالم و وام ما

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فقیر بے نوا کے پاس اس قدر سرو سامان کہاں سے آجاتا ہے کہ وہ سلاطین کی ہمسری کرنے لگتے ہیں۔ جو شخص بظاہر نہ کسی کو جاگیر

بخش سکتا ہے نہ ملازمت دلا سکتا ہے۔ نہ کسی کو کوئی مادی منفعت پہنچا سکتا ہے وہ کیونکر انہی بے پناہ طاقت کا مالک ہو جاتا ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے طاقتور اس کے سامنے مانہ پڑ جاتے ہیں؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی تحقیق و تفتیش میں ہمیں زیادہ سرگردانی کرنی پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دُنیا سے کٹ جاتے ہیں اور صرف "دُنیا والے" کے ساتھ لوگ ملتے ہیں۔ جو تمام قوتوں کا مرکز اور ساری طاقتوں کا میدان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس سعادت مند روح کو قوتِ حیات کا سرچشمہ مل گیا۔ اس کے پاس بے حساب طاقت اور بے انداز روشنی میدانِ اول سے مسلسل آتی رہے گی۔ وہ دُنیا کے رنج و غم سے آزاد رہے گا۔ اور ہر محنت و اجتہاد کو اپنے لئے باعثِ راحت سمجھے گا۔

الْاٰیٰتِ اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ  
لَا خَوْفَ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانَوْا یَتَّقُوْنَ ۝  
لہم البشری فی الحیاة الدنیا و فی الآخِرۃ -

یہی وہ بزرگوار ہیں جنہیں قرآن مجید نے "اولیاء اللہ" کا پسندیدہ خطاب عطا فرمایا ہے۔ آج ہمارے عزیز وطن پاکستان میں اسلام کی جتنی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے جتنے بھائی دین کے سرفروش جانناز نظر آتے ہیں یہ سب انہی بزرگوں کی کرامت ہے، اور انہی روحانی پیشواؤں کی انتھک کوششوں کا اثر ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہم!

وہ انسان کتنا خوش قسمت ہے جو اس نیک خرقہ کے ساتھ اپنی نسبت قائم کر لے۔ ان کی بارگاہ میں حاضری دیا کرے۔ ان کی جوئیاں سیدھی کیا کرے اور ان کے نور سے اپنے دل کے چراغ کو متور کرنے کی کوشش کیا کرے۔ یا کم زکم

ان کے سوانح کے مطالعہ میں مشغول رہے اور اسی طرح روحانی طور پر ان کی ہم نشینی کی سعادت حاصل کیا کرے۔ ہم جتنی دیر تک کسی بزرگ کے حالات پڑھتے ہیں اتنی دیر تک اس کی مصاحبت و مجالست سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمان میں نیک لوگوں کی کوشش رہی ہے کہ وہ آسان زبان میں بزرگوں کے سوانح عوام تک پہنچائیں اور ہمارے دوست سید محمد امیر شاہ صاحب نقادری کی کتاب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد اسی سلسلہ کی ایک اہم اور بیش قیمت کڑی ہے۔

اس کتاب میں سید صاحب نے ان اولیاء اور علماء کے حالات قلمبند کئے ہیں جنہوں نے واوئی پشاور میں اسلام کی علمی یا روحانی خدمت کی ہے اور اس علاقہ میں دین کی رفتار کو اپنی وسعت اور حالات کے مطابق تھوڑا بہت آگے بڑھایا ہے۔

پچھلے دو سو سال سے واوئی پشاور کے عظیم المرتبت باشندوں نے ان گنت دینی تحریکوں اور سیاسی انقلابات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی پشت پر ایسے اربابِ قلم موجود نہیں تھے جو ان کی قلمی تصویر تیار کر ان کو زندہ جاوید بنا دیتے۔ اس طرح بہت ساری بے مثال شخصیتیں سننے آئیں اور اپنا فریضہ ادا کر کے رخصت ہو گئیں۔ زمانہ آگے بڑھ گیا اور وہ چھپ رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان کے کارنامے تو موجود ہیں لیکن حالانہ ناپید ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے شمیم

تو نے وہ گنہگارے گرانما یہ کیا کئے

اکسی لئے ہمیں جہاں اور جس جگہ سے بھی کسی بزرگ

کے بارہ میں کوئی لکھا ہوا حرف ملے وہ ہمارے لئے ”آبِ حیات“ کے برابر ہے اور ہمیں حرزِ حیان بنا کر اسے محفوظ کر لینا چاہیے۔ تغافل کا وقت گزر چکا۔ اب قوم کے نشاۃ ثانیہ کا دور ہے اس لئے مولانا کی یہ خدمت ہر لحاظ سے قابلِ ستائش و تالیق ہزار آفرین ہے کہ انھوں نے مختلف کتب خانوں کو کنگال کر ڈالا اور ان میں سے ہمارے بھولے بسرے بندگوں کے کافی حالات جمع کئے۔ آپ کے پاس یہ کتاب ایسی حالت میں پہنچ رہی ہے کہ آپ اسے پڑھتے وقت مہذبان کی دلچسپیوں اور مسائل کی افادیت میں ایسے منہمک ہو جائیں گے کہ مصنف کو بھول جائیں گے اور اس کی محنت کی داو نہیں دے سکیں گے۔ سچی محنت کی نوا ہمیشہ اسی طرح بیدار کی صورت میں ملا کرتی ہے مصنف نے پہلے جگہ جگہ سے حالات اکٹھے کئے۔ پھر اپنی ہی تشنگی کو بجھانے کے لئے کلی گلی گھومے۔ پڑے بوڑھوں اور بڑی بوڑھیوں سے ملے اور جو کچھ ہاتھ لگا اسے آسان اور شستہ زبان میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک فاضل مصنف بس یہی کچھ کر سکتا ہے۔ اس مجموعہ میں دو قسم کے بزرگوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک وہ حضرات ہیں جن کے سوانح دوسری کتابوں میں مرتب ملتے ہیں۔ پیر بابا، انخوند و روپنہ۔ حضرت جی صاحب اور انخوند صاحب سموات اسی قسم کے بزرگ ہیں۔ دوسرے وہ حضرات ہیں جن کا تذکرہ دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ جیسے حافظ دراز، حافظ محمد عظیم مولینا غلام جیلانی، حاجی صاحب ترنگزی، اس دوسرے میدان میں فاضل مصنف نے جو محنت کی ہے اسے عہدِ قدیم میں تحقیق یا اجتہاد کہتے تھے اور آج کل اسے ریسرچ کے بارعہ نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میدان میں

(دل)

مولانا نے جو محنت کی ہے۔ وہ انہی کی جواں بہمت کا حصہ ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مصنف نے فرضی کرامات کی داستانیں نہیں  
چھیڑیں، بلکہ بزرگوں کے صحیح اور مستند حالات اور نئی خدمات کا نقشہ پیش کیا جس  
کے لئے وہ ہمارے ”مشکور“ ہیں۔

کتاب کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ مصنف جواں سال ہے۔ لیکن تحریر کا  
طرز پختہ ہے اور ہر کام جسے شوق اور خلوص سے کیا جائے اس میں یہ انداز موجود  
پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور قوم کے قلوب  
کو اس کتاب کی طرف مائل کر کے اسے نمنہ دوام عطا فرمائے۔ آمین

رکھنا حفظ محمد ادریس

ایم۔ اے۔ عربی (گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔ اے۔ فارسی

فاضل ڈابھیل

مولوی فاضل (میڈلسٹ)

منشی فاضل۔ ادیب فاضل

صدر شعبہ عربی

پشاور یونیورسٹی



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### عرض حال

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ (جلد اول) قارئین کے ہاتھوں میں ہے انشاء اللہ جلد دوم جو ضلع پشاور، ضلع مروان، ضلع ہزارہ، اور جلد سوم جو ضلع کراہٹ، ضلع بنوں اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علماء و مشائخ کے حالات پر مشتمل ہوگی بہت جلد شائع کر دی جائے گی۔

جلد چہارم موسوم بہ ”تذکرہ حفاظ قرآن مجید پشاور“ بفضلہ تعالیٰ مکمل ہو چکی ہے۔ اس میں سنہ ۱۳۸۳ھ تک یعنی ۱۳۸۳ھ تک کے حفاظ پشاور کا ذکر ہے۔

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ لکھتے وقت یہ خیال تھا کہ یہ ایک سہل کام ہے مگر جب لکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے بقول خواجہ شیرازیؒ کہ عشق آساں نمود اول وے افتا و مشکل ہا مگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اولیاء کرام کی روحانی برکات کی بدولت یہ مشکل کام مجھ جیسے بے بضاعت سے انجام پذیر ہوا۔ فاللہ اعلم بالصواب

”تذکرہ علماء و مشائخ سرحد“ نقضِ اول ہے صرف آخر نہیں، سرزمینِ سرحد وہ مقدس اور پیاری سرزمین ہے جس میں شریعت، طریقت، جہاد فی سبیل اللہ اور آزادی وطن کی جہد و جہاد کے وہ چشمے چھوٹے جن سے بزرگ پختہ پختہ و ہندوستان و ہندوستان سے تباہی و تباہی۔

انہی مشائخ کرام کے روحانی فیوض و برکات کی طفیل بزرگ پختہ پختہ و ہندوستان کی طریقت کی نورانی شمعیں فروزاں ہیں، اور انہی کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہاں اسلام اپنے تحقیقی رنگ روپ میں نظر آ رہا ہے۔

انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ آج جگہ جگہ ہدایت و معرفت کی خانقاہیں کھلی ہوئی ہیں، اور یہی وہ خانقاہیں و استقامت کے پیکر تھے جو سیم و زر اور دیگر دنیاوی وسائل سے تھی و مستانوں کے باوجود قرآن، حدیث، فقہ، سہوکی، طریقت، جہاد فی سبیل اللہ اور آزادی وطن کا علم بلند کرنے کے لئے آگے بڑھتے رہے۔

یہی وہ الاء العزم مجاہدین تھے جنہوں نے اپنی لڑائی، عالماتہ اور مجاہدانہ عہد پارلیوں سے ایک عالم کو سنبھالا۔ اور لڑائیوں کو گنتگان باویہ ضلالت کی صورت میں قائم کی طرقت راہ نمائی فرمائی، اور جب باہمی کفر، الحاد و لادقتہ اور بد عقیدگی کا یہلاب، پختہ نو دین اسلام کے ان مضبوط اور مستحکم قلعوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ یہی وہ بزرگ شخصیتیں تھیں جن کی گردنیں اللہ جل جلالہ اور حضور رحمة اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پیروی کے سوا کسی اور کے احکام کے آگے نہ جھکیں اور انہوں نے ہمیشہ کلمہ حق کو بلند رکھا۔

حضرت اولیاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے حالات تو اشارۃً بعض کتابوں  
 اور وہ بھی کرامات یا مکشوفات کے ضمن میں، مگر اکثر علماء اور مشائخ کے حالات  
 کے لئے انتہائی تلاش، جستجو اور کاوش کرنی پڑی، بالخصوص علماء کے  
 (جو ابھی تک صوبہ سرحد میں کسی نے لکھے ہی نہیں بلکہ اس طرف توجہ ہی نہیں  
 بالکل نایاب اور کم یاب تھے۔

۱۹۶۱ء میں "اباسین آرٹ سوسائٹی پشاور" نے "مذکرہ علماء و مشائخ سرحد"  
 نامہ کی بہترین کتاب قرار دے کر اول انعام بھی دیا۔ ذی اللہ فضل اللہ  
 میں یشاء۔

ان تمام حضرات کا جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل اور اشاعت میں ہاتھ  
 تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں، خصوصاً حضرت علامہ مولانا مولوی حافظ  
 صاحب صدر شعبہ عربی پشاور، کوئیوہ سٹی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں  
 نے انتہائی مصروفیات کے باوجود کتاب کو مطالعہ فرمایا اور پیش لفظ لکھ  
 مان مند فرمایا۔ نیز

لئے اطلاعات پشاور ڈائری پبلسٹی بورڈ نے حضرت پیر بابا صاحب  
 اور حضرت اخوند صاحب عوات کے مزار کے بلاک اور وزارت تعمیر نو  
 نے حضرت اخوند صاحب پنچو (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) کے مزار کا  
 نایت فرما کر کتاب کی خوب صورتی میں اضافہ کرنے کا موجب بنے۔



میں ان پرومکھ جات کے اس تعاون کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں

الحمد للہ کہ کتاب کاغذ کی ہوش رباگرانی کے باوجود چھپ کر قاریوں پہنچ چکی ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی یا کمی رہ گئی ہو تو درگزر فرمایا جائے۔ متعلق مجھے مطلع کیا جائے تاکہ آئندہ تصحیح کر دی جائے

العذر عندك كل من الناس مقبول  
سب درگاہ عالیہ فاوریہ سید حسن باوشاہ صاحب

(فقیر) محمد امیر شاہ قاوی

یکہ ٹوٹ پشاور

۱۱ روزی قصہ ۸۳ ۱۳

۲۶ مارچ ۱۹۶۴ء







مسجد حضرت پیر بابا علیہ الرحمة



## حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۸ھ تا ۹۹۱ھ

آپ کا نام نامی ابراہیم گرامی جناب سید علی القاب خواص بحر حقیقت، غوثِ خراساں پیر بابا، اور ترمذ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی پیدائش "قدس" میں ہوئی، آپ کے والد کا نام سید قنبر علی تھا۔ آپ کے جدِ بزرگوار "قدس" سے آکر ترمذ میں آباد ہوئے۔ آپ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے والد گرامی سید قنبر علی رحمۃ اللہ علیہ بوجہ زہد و ریاضت، مشائختت، تقویٰ اور دوح کے اپنی نظیر آپ تھے۔ سلسلہ مبارکہ چونکہ پدی تھا، اس لئے مخلوقاتِ خدا، عوام اور خواص میں آپ کی بہت عزت و توقیر تھی۔ اور آپ کو امیر کے نام سے پکارا جاتا، آپ کے جد، جناب امام المسلمین سید احمد نور صاحب سجاوہ، متبع شدت تھے "امر بالمعروف والنہی عن المنکر" کے کرنے میں کمال انہماک رکھتے تھے، دنیا کی طرف التفات نہ رکھتے، اپنی عبادت و زہد میں مصروف رہتے اور بقول حضرت انخون صاحب درویشہ "حضرت پیر بابا

صاحب ابتداء عمر میں مجذوب الحال تھے اس لئے آپ پر آپ کے دادا صاحب کی نظرِ کرم بہت زیادہ تھی۔ اور آپ اکثر فرماتے کہ ”یہ دیوانہ مجھے بہت پسند ہے“  
حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تربیت آپ کے دادا صاحب نے فرمائی۔

”فقیر را بخدمت حضور شرف ساختہ بودند و تحصیل علم تہذیبی می کردند تا آنکہ تحصیل شرح ملا را در ایام طفولیت از خدمت ایشاں دریافت“  
”اس فقیر کو اپنے حضور میں شرف فرما کر علم ظاہری سے آراستہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں رہ کر بچپن کی عمر میں ہی میں نے شرح ملا کو پڑھ لیا۔“ چونکہ آپ کا ماحول پاکیزگی اور زہد و عبادت کا ماحول تھا اس لئے اس کا اثر آپ کی زندگی پر ضرور ہونا تھا۔ لہذا آپ بچپن ہی سے زہد و تقویٰ کے حامل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اس علم ظاہری کے ساتھ ساتھ

”و طریقہ زہد و ریاضت در دل من استحکام یافت“

جس وقت آپ کے دادا جناب سید احمد نوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے حضرت پیر بابا صاحب کو قریب بلا کر قرآن پڑھنے کا ارشاد کیا۔ آپ نے (یعنی حضرت پیر بابا نے) تین مرتبہ سورۃ ”تبارک الذی“ تلاوت کی، اور مجھے فرمایا۔  
”اے فرزند ہر بسکتے و نعمتے کہ مراد بود، بعضی آرزو آبا و اجداد نسبتاً یافتہ بودم بعضی آن را از سلسلہ شریفیہ کبرویرا فرما۔ ہمہ را بتوبہ بخشیدم“  
یعنی اسے میرے بیٹے، جو برکت و نعمت مجھے حاصل تھی اگر وہ اپنے آبا و اجداد سے

لے تذکرۃ الابراہیم والاثر ارسا۔ لکھ ایضاً لکھ تذکرۃ الابراہیم والاثر ارسا۔

از روئے نسب کے حاصل تھی یا سلسلہ کبرویہ میں اجازت کے طور پر ان تمام نعمتوں اور برکتوں کو میں نے مجھے بخشا، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ

”افن سلسلہ کبرویہ فقیر از انجا است۔“

یہ سلسلہ کبرویہ ہمارے خاندان میں نسلاً بعد نسل جناب شیخ جمال الدین کبرئی سے چلا آیا ہے۔

اسی اثنا میں آپ کے دادا حضرت امام المسلمین سید احمد نور یوسف صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ۹۳۷ھ میں جب بابر کی وفات ہوئی تو ۹۳۷ھ ۱۳ جمادی الاول میں بمقام آگرہ ہمایوں تخت نشین ہوا۔ جب یہ ۹۴۲ھ میں واپس کابل آیا تو جناب پیر بابا صاحب کے والد کو بطور تبرک کے اپنے ہمراہ لے گیا۔

ہمایوں نے ہندوستان پر غلبہ حاصل کر لیا تو آپ کے والد نے آپ کو دوبار میں لے جانا چاہا۔ ایک دوبار آپ گئے بھی مگر اللہ جل جلالہ کو تو آپ کی ذات مقدس سے اپنے دین کا کام لینا تھا۔ مخلوق خدا کی ہدایت کا سبب اور ذریعہ بنانا تھا۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

”اما چہل رتب جلیل در شان من آن خواستہ کہ از دنیا و اہل آن مجتنب سازد“

یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے یہ چاہتے تھے کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے بچائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ جس طرح شاہانہ آداب تھے پورا نہ کرتے، اور آپ کو ایسی مجالس سے اتنی نفرت ہوتی کہ ایک بار ایسی مجلس سے واپس آتے ہی ان تمام پہناؤں کو اتار کر علماً و صلحاء کی طرف لوٹ پڑے، اور علم کی تکمیل کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ تکمیل علوم کر لی تکمیل

لہ ایضاً

علوم کے بعد روحانی فیوض و برکات کے حصول کے لئے آپ پانی پت میں حضرت شاہ شرف الدین قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے، اور فیض باطنی سے حضرت شرف الدین قلندر نے آپ کو نوازا۔ آپ فرماتے ہیں۔

”توجہ حضرت شیخ وردل من تاثیر پیدا آمد، جنبشی ہویدا“

اس تاثیر قلبی کی کیفیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ پانی پت سے نکل کر ایک نامعلوم گاؤں میں

عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔

چونکہ آپ اکیلے بغیر کسی کو اطلاع کئے گھر سے نکلے تھے لہذا آپ کے والد کو بہت ہی

پریشانی لاحق ہوئی اور بہت تلاش کے بعد آپ کو دریافت کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے

آپ کو پایا تھا، والد کی خدمت میں پیش کیا۔ والد نے بہت نصیحت فرمائی، مگر آپ پر

کچھ اثر نہ ہوا، اور والد سے اجازت لے کر اب بالکل گھر کو چھوڑ دیا، اور تلاش حق کے لئے

اللہ تعالیٰ کی معرفت جاننے والوں کے لئے نکلے حضرت پیر بابا صاحب آثار سفر میں

مانگ پور پہنچ کر حضرت امام المسلمین و اراث علوم انبیاء والمرسلین شیخ سیلونہ رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی صحبت میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

”تعلیم تحصیل بکتاب ہدایہ رسانیدم“۔

گویا آپ نے دیگر علوم کے علاوہ علم فقہ حنفی کی بھی تکمیل کر لی۔

تکمیل کے بعد آپ نے ان سے مرید ہونے کی درخواست کی، مگر حضرت شیخ سیلونہ

رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجمیر شریف بھیج دیا

جب آپ حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے حضرت پیر بابا صاحب

سے حسب و نسب اور دیگر کوائف دریافت کئے، اور آپ کو فرمایا کہ

”حصولِ طریقہ و وصولِ بے کیف جز بطولِ صحبتِ مُرشدِ کاملِ قشعرِ بجمولِ بپوند“  
 ”یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت قشعرِ مرشدِ کامل کی طویلِ صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی“  
 آپ نے نہایت ہی اخلاص و محبت کے ساتھ عرصہ و رازِ ہمک آپ کی صحبتِ بابرکت کو  
 حاصل کیا۔ پھر حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کو طریقہ چشتیہ  
 میں خلافت عطا فرما کر ماذوں فرمایا۔ صاحبِ اجازت ہونے کے بعد عوام و خواص آپ پر  
 ٹوٹ پڑے۔ آپ کے اولاد و اشغال میں فرق آنے لگا، آپ نے اپنے شیخ کی خدمت  
 میں عرض کیا کہ اس مصیبت اور بلا سے مجھے نجات دلائیے۔ جناب سالار رومی رحمۃ اللہ  
 علیہ نے حکم دیا کہ آپ کو ہستان کی طرف نکل جائیے۔ اور سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیجئے آپ  
 اجمیر شریف سے کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اتنا سفر میں آپ گجرات کے ایک گاؤں  
 پنڈواؤد میں جب پہنچے، اس گاؤں میں ایک شخص مسمیٰ کیا کس نے آپ کو دیکھتے ہی  
 تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ جس شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی ہے  
 اس کی بیان کردہ خواب کے مطابق لوگوں نے آپ کا وہی حلیہ مبارک پایا۔ لوگ آپ  
 کے معتقد ہو گئے اور کافی سے زیادہ بیعت ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ کو کہیں بھی جانے  
 نہ دیا چند سال آپ اس علاقہ میں سلسلہ کی اشاعت کرتے رہے۔ مخلوق کا اثر و ہام،  
 آپ کے اوقاتِ عبادت میں خلل انداز ہوا۔ آپ نے پھر یہیں سے واپس اجمیر شریف  
 جانے کا قصد کیا۔

واپسی پر دوبارہ راستے میں آپ کی ملاقات والد گرامی سے ہوئی۔ یہ ملاقات اس  
 وقت ہوئی جبکہ شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں نے کابل کا رخ کیا۔  
 اس لاؤ لشکر میں آپ کی ملاقات والد سے ہوئی۔ آپ کے والد جناب سید قنبر علی صاحب



نے جب آپ کو ایک عرصہ کے بعد دیکھا اور ایک دوسری کیفیت سے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”اما آہ تخرم و تاسف میکشید کہ من بر غلط رفتہ بودم“ جائی آباؤ اجداد را  
شما گرفتید، در دین و دنیا کار ہمیں است کہ تو گرفتی الحمد للہ کہ بدیں تہہ رسیدی“

یعنی افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں غلطی پر ہوں، آپ نے اپنے اجداد کے راستہ کو اختیار کیا اور دین و دنیا میں یہی کام ہے جو تم کر رہے ہو۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم اس مرتبہ کو پہنچے۔ چونکہ سیاست ملکیہ خراب تھی ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی کشمکش سے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ تھا۔ اس وجہ سے آپ چند دن ٹھہر کر پھر اجمیر شریف روانہ ہوئے۔ آپ کے پیرو مُرشد فوت ہو چکے تھے جب آپ اجمیر شریف پہنچے تو حضرت سالار دہلی کے فرزند جناب حسین صاحب (جو کہ صاحب سجادہ تھے) مراقبہ میں تھے۔ جب انہوں نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو حضرت پیر بابا صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا

”اے سید علی دریں زمان و ہمہ این اوان و ہم دین مراقبہ وہم دریں مشاہد حضرت  
پدر مشفق و پیر محقق را در یافتیم بعد از ملاقات فرمود، اے فرزند از من دو خرقہ  
ماندہ یکے را پارچہ پارچہ ساختہ در میان معتقدان قسمت ساز و خرقہ دوم را  
بپیش آئندہ این حال برسان کہ حق آن جانب است پس پیش آئندہ این  
حال شمارا یافتیم“

یعنی اے سید! مجھے ابھی اس مراقبہ میں حضرت قبلہ گاہ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دو

خرفے باقی ہیں، ایک کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر کے معتقدین میں بانٹ دو، اور دوسرا خرقہ اس کو دے دو جو ابھی آئے، پس آپ ہی اس کے لینے میں حق بجانب ہیں کہ آئے ہیں۔

چنانچہ وہ خرقہ آپ کو پہنا دیا گیا۔ چند دن قیام کے بعد حضرت حسین صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ چونکہ میرے والد محترم نے آپ کو کوہستان میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ لہذا آپ اپنے وطن کی طرف جا کر اس سلسلہ کی اشاعت کریں۔ اجمیر شریف سے روانہ ہو کر آپ براستہ پشاور و قندس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب پشاور پہنچے تو یہاں پر پٹھیرے۔ حاجی سیف اللہ خان صاحب اور ملک گدا جو گکپانی قبیلہ کے خوانین سے ایک خان تھا آپ سے ملے۔ آپ کی ملاقات سے یہ ہر دو ملک بہت متاثر ہوئے اور آپ کو موضع دوآبہ لے گئے۔ بہت ہی احترام و عزت کے ساتھ مہمان رکھا۔

آپ کے اخلاق حمیدہ، اور نیکی و بھلائی کی تعلیم سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ شریعت کی پابندی، سنت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی، کی تبلیغ شروع کر دی۔ مدرس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور بیعت ہوتے۔ طلباء درس پڑھتے اکثر پیر کے دن وعظ فرماتے، سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے، آپ کی شہرت عام ہو گئی۔ یوسف زئی علاقہ میں آپ کی تشریف آوری سے قبل دو بہت مشہور و معروف پیر تھے، جن کا نام پیر ولی، اور پیر طیب تھا یہ دونوں آزاد خیال پیر تھے، احکام الہی کی پابندی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بھی لحاظ نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات پیر ولی (استغفر اللہ) اپنے آپ کو خدا کہتا اور اس کو پیر و تصدیق کرتے، سر و سنتے بلکہ حلال سمجھ کر مجالس کا انعقاد کرتے وغیرہ وغیرہ۔

یہ پیر بھی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ پیر بھی قبیلہ سے متعلق تھا۔

آپ کا خیال تھا کہ دو آہ میں ایک سال قیام کے بعد اپنے وطن کو روانہ ہو جائیگا  
مگر جب ان ہر دو پیروں کی باتیں سنیں جو مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے اور شعائرِ اسلام  
سے بہکا رہے تھے تو

”توجہ بدلاں حدود بر خود فرض دیدم“

اس علاقہ میں تبلیغ کرنا اپنے اوپر ضروری اور لازمی سمجھا۔ آپ ان ہر دو پیروں کے  
ساتھ میٹن کے لئے علاقہ یوسف زئی کو روانہ ہوئے۔ اور سدوم (علاقہ سدوم موضع رستم سے  
شمال مشرق کی طرف موضع الی لنڈی میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ اب تک موجود ہے اور لوگوں  
نے اس مقام کو مبارک سمجھ کر محفوظ رکھا ہے۔ جس کو آج کل سدوم کہتے ہیں) کے مقام پر  
قیام کر کے تبلیغ شروع کر دی۔ ان لوگوں کی جو اس علاقہ میں آباد تھے کیا حالت تھی فرماتے ہیں۔

”اما مردم می یافتم سادہ دل، کہ در حقیقت ہمگی ایشان دین طلب و دین جوین  
و خدا طلب بودند، جوانان ایشان از پیران و دین استوارتر، زنان ایشان از  
مردان ہنوز و دین مؤکد تر اطفال ایشان و در حد طفولیت دین طالب و دین جوین  
و خادمان ایشان نیز از مخالفت و منہیاتِ شرعیہ گریزاں۔“

یعنی اس علاقے کے لوگوں کو میں نے انتہائی سادہ دل ہر وقت دین کی طلب و تلاش  
کرنے والے اور خدا طلب، جوان بڑھوں سے زیادہ دین میں استوار، عورتیں مردوں  
سے زیادہ دین پر مضبوط، بچے بچپن میں دین طلب کرنے والے اور تلاش کرنے والے اور  
ان کے ملازم بھی شریعت پر عامل پاتا ہوں۔ ان کی گمراہی و فسق کی وجہ یہ تھی فرماتے  
ہیں۔ ”ان میں قبولیت حق کی صلاحیت تو موجود تھی مگر اس علاقے کے لوگوں میں توحید  
تھا نہ مدسہ، نہ علم تھا اور نہ ہی علماء اتقیاء اس لئے شریعت سے بے بہرہ مشائخ اور

ایسے پیروں نے جو کہ مشائخ بھی نہیں رکھتے تھے، ان لوگوں کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو غلط راستہ پر ڈال دیا۔ آپ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت عطا فرمائی۔ لوگ ایسے نام نہاد پیروں سے اجتناب کرنے لگے۔ بدعت رسم و رواج کو چھوڑ کر شریعت اسلامیہ کے پابند ہونے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز باجماعت پڑھنے لگے ہیں، سنتِ مطہرہ پر عامل ہو رہے ہیں، سرود وغیرہ بُرے اعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور درس تدریس میں منہمک ہو گئے ہیں تو آپ نے ان دونوں پیروں سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ انہوں نے جو اپنا دین بنا رکھا ہے۔ اس پر بحث مباحثہ کیا جائے۔ آپ کے ساتھ علماء، طلباء اور اس علاقہ کے لوگ بھی تھے، ان سب کے ساتھ آپ پریطیب اور پیرولی کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب پریطیب نے آپ کے تشریف لانے کا سنا تو راتوں رات ہزارہ کو نکل گیا اور پیرولی نے بھی سامنے آنے سے اعراض کیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ پیران بے پیرِ ناحق پر ہیں لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے۔

چونکہ یہ آثار و قرائن سے اندازہ لگا کر غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے تو پریطیب نے سنا تھا کہ آپ نے مستقل طور پر قدس میں رہنا ہے، اپنے ضعیف الاعتقاد و پیروں میں یہ تشریح کر دی کہ

”سید علی را ازیں ولایت برواشتم و در قدس انداختمش“

یعنی (حضرت پیر بابا صاحب) سید علی کو میں نے اس وطن سے نکال کر قدس میں پھینک دیا ہے۔ دوستوں کے مشورہ سے اور اپنی مرضی سے۔ آپ ایک برس تک اس علاقہ میں تبلیغ فرماتے رہے تاکہ

”عوام زمانہ بگفتا پر پیڑ پیڑ کا فرزند شوندا“۔

علاقہ یوسف زئی کے ایک بڑے خان نے جس کا نام ملک دولت علی زئی تھا اور قبیلہ بارکشا زئی سے تعلق رکھتا تھا آپ کو اپنی ہمشیرہ بی بی مریم حبالہ عقد میں دے دی، اب آپ ایک شتم کے مستقل سکونت پذیر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزند اور لڑکیاں عطا فرمائیں۔ پھر آپ قندس تشریف لے گئے تو آپ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ والدہ زندہ تھیں، تمام حالات سے والدہ کو آگاہ کیا۔ انھوں نے آپ کو اجازت دی کہ آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی علاقے میں رہیں اور تبلیغ کرتے رہیں۔ واپس آکر آپ مقام یونیر میں مستقل قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق کوہستان فی علاقہ میں خانقاہ قائم کر کے سلسلہ کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ لنگر جاری کر دیا۔ درس تدریس کا انتظام کیا۔ بڑے بڑے علماء اور صلحاء آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ چشتیہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی تاریخ بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ آپ سے بیعت کر کے سات اخوند، اس سلسلہ میں ممتاز ہوئے، یعنی سات علامہ اور پندرہ عالم آپ کے مرید ہوئے۔ ان میں پشاور کے حضرت اخوند درویش بھی تھے۔

حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بایزید انصاری الملقب پیر روشن المعروف پیر تاریک بھی اسی طرح کا ایک بے پیر پیر پیدا ہوا، آپ نے اس کے مقابلہ

۱۰ بایزید ۱۰۲۵ء میں عبداللہ صاحب کے گھر جالندھر (یہ شہر پنجاب میں واقع ہے اور آج کل بھارتی پنجاب میں ہے) میں پیدا ہوا۔ صاحب دبستان مذاہب نے لکھا ہے کہ ”بہفت پشت شیخ سراج الدین انصاری“ یعنی ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین انصاری سے بایزید انصاری جا ملتا ہے۔ بایزید انصاری کسی کا

میں بھی علماء اور علماء کے وفود بھیجے، اور خود بھی اس کو دعوتِ مباحثہ دی۔ آپ فرماتے ہیں۔

”اُن ہنگام درمیانِ اولس تفرقہ افتاد“

لوگوں میں بہت ہی بے اتفاقی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ لوگ اس پیر بے پیر کی دعوت پر اس کے گرد بہت تعداد میں جمع ہو گئے۔ مگر آپ نے حضرت علامہ اجل انور

مرید نہیں تھا۔ چونکہ اس کے والد کی دو بیٹیاں تھیں، اس لئے یہ والد کی نظروں میں محبوب نہیں تھا۔

بڑا عقلمند ہوشیار، معاملہ فہم، اور نکتہ رس تھا۔ عقائد میں آزاد خیال تھا۔ اپنا فکر اور اپنا طریق عبادت رکھتا صاحبِ الہام ہونے کا دعویٰ رکھتا، توحید کے متعلق اپنے نظریات رکھتا تھا۔ اخلاق کو بھی اپنی تعلیم کی روشنی میں پروان چڑھواتا۔ اس کی اس خود سری کا نتیجہ نکلا کہ بقول صاحبِ دبستان مذاہب ”او خودی“ و انستی و مرد مرا بریاضت فرمودی، ”یعنی اپنے آپ کو نبی سمجھتا، اور لوگوں کو ریاضت کی تعلیم دیتا۔ اور لکھا ”ماز بگزار دے اما جتہ تعین را از میان برداشت، کہ فَا نِيْمَا تَوَلَّوْا فِشْرًا وَحَدَّ اللهُ“۔

یعنی ناد پڑھتا مگر قبلہ مبارک کے تعین کو ختم کر دیا۔ کیونکہ وہ کہتا کہ جہد بھی رُخ کرو اور اللہ تعالیٰ ہے۔ جنس کو ضروری نہ سمجھتا، سوائے اپنے ماننے والوں کے باقی تمام بنی نوع انسان کو نوع حیوان سمجھتا اسی لئے ان کے قتل اور ذبح کا حکم دیتا۔ وغیرہ وغیرہ (اللہ تعالیٰ ان ہذلیات سے محفوظ رکھے) عالم نہیں تھا مگر ایک کامل سیاسی اور منطقی دماغ رکھتا تھا۔ گفتگو میں کوئی بھی اس کے ہمسر نہیں ہوتا تھا۔ ابتداءً بحیثیت ایک پیر کے متعارف ہوا۔ کافی لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور اس پر پروانوں کی طرح قربان ہوتے۔ اپنی دولت اور مال بچے تک قربان کرتے، اس نے عالنامہ خیرالبیان، مقصود المؤمنین اور صراط التوحید نامی رسائل لکھے۔

صاحبِ دروینہ کی قیادت میں اس بے رہ و مذہب کی پوری پوری مخالفت کی اور پیر بے پیر کو مجبور کر دیا کہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ وہ تیراہ کی پہاڑیوں میں نکل گیا۔ اب اُس نے وہاں پیر پنا مرکز بنا کر سیاست کا رنگ اختیار کیا، اور حکومتِ مغلیہ کو بہت پریشان کیا۔

جن میں اپنے اہامات، مکشوفات اور اپنی تعلیمِ دنیا کے سامنے پیش کی۔ اس کے مُردین اس کو باقاعدہ اس علاقہ کا بے تاج بادشاہ سمجھتے، اگرچہ اس کی موجودگی میں یہ صرف اور صرف ایک مذہبی گروہ تھا۔ جس کا اپنا دین و آئین تھا۔ جب علماء اور مشائخ نے اس کی مخالفت کی اور اس کو ختم کرنے کے لئے بحث و مباحثہ اور جھگ تک نوبت پہنچی۔ اور علماء مشائخ نے اس کو پشاور کے علاقہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو یہ آفریدیوں کے دورِ وارانہ پہاڑی علاقوں میں چلا گیا۔

اب اس نے بجائے پشاور کے علاقہ کے اپنا رخ کابل کی طرف موڑ دیا۔ اس علاقہ کے علماء اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتے تھے۔ آخر ۹۹۲ھ میں انتقال کیا۔ اس کی عمر ۶۳ برس تھی۔ یعنی ۱۵۸۱ء میں مرا۔ یہاں بایزید نے سلطنتِ دہلی کو خوب پریشان رکھا، اور خوب لوٹ گھسٹ کی ساگر۔ یہ شخص مذہبی معتقدات میں رخنہ اندازی نہ کرتا تو مطالعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں یہ اپنی پادشاہت قائم کر لیتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس قسم کے سیاسی بیدار مغز لوگ خواہ مخواہ مذہب میں مداخلت کر کے اپنے آپ کو ختم کروا دیتے ہیں۔ علماء اور مشائخ مجبور ہوتے ہیں کہ جو شخص بھی چاہے جس مقصد کے پیش نظر اُٹھے۔ اگر مذہب سے ٹکراتا ہے یا مذہب میں رخنہ اندازی کرتا ہے تو پھر یہ حضرات مدافعت کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مدافعت نہ کرتے تو یقیناً آج مذہبِ اسلام اس علاقہ میں موجود نہ ہوتا۔ بلکہ اس کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔ میرے پشاور کے ایک بزرگ نے یوسف زئی پٹھان نامی کتاب لکھی ہے۔ اس

جناب سید علی ترمذی کا طریقہ مبارک تھا کہ عام لوگوں کو بیعت شریعت سے  
 مشرف فرماتے۔ اور علماء و فضلاء، اور صاحبانِ فراست کو بیعت طریقت سے  
 منور فرماتے، اس لئے کہ اس راہ میں جھلا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا  
 شریعت حقہ اسلامیہ پر عوام کا ثابت قدم رہنا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے

کتاب کے صفحہ ۲۵۲ سے لے کر صفحہ ۲۹۳ تک پھیلے ہوئے تبصرہ پر میں نے ایک لگ مضمون لکھا ہے  
 جس کا عنوان ہے۔ "بایزید کی تحریک پر تبصرہ"۔ صرف اصولاً ایک بات یہاں بیان کرتا ہوں جس کا تعلق  
 اس مضمون سے ہے اور وہ یہ ہے معاصر عزیز امتد بخش صاحب یوسفی پشاوری۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۶  
 پر لکھتے ہیں۔ "اب گویا ایک علاقہ میں یا ایک قوم میں دو سجادہ نشین دکھائی دے رہے ہیں۔ دونوں  
 اپنے اپنے مخصوص طریقہ سے تعلیم اسلام پیش کر رہے ہیں۔ صراط المستقیم کی طرف دعوت دے رہے  
 تھے، لیکن ان دونوں میں اتفاق نہ ہو سکا"

جیرانگی ہے کہ یہاں بایزید "سجادہ نشین" کس طرح بنا۔ صاحب سجادہ تو وہ ہوتا ہے جو حضرات  
 صوفیائے کرام رحمہم اللہ علیہم جمعین کے کسی ایک سلسلہ (قاوریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ)  
 سے منسلک ہو کر ان اورد و اعمال کی تکمیل کر کے اپنے شیخ کی طرف سے سند ارشاد لے کر صاحب  
 سجادہ ہو تو تب سجادہ نشین بنتا ہے۔ معلوم نہیں کہ جناب یوسفی صاحب نے بایزید انصاری کو کون سے  
 سلسلہ کا شیخ تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ میاں بایزید انصاری کسی سلسلہ میں منسلک نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو  
 غیب سے الہام سن کر مذہب میں رخنہ اندازی کر رہا تھا۔ یقیناً حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
 کا اس کے ساتھ اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا تھا۔ اتحاد و زندگی کے ساتھ ایک اللہ تعالیٰ کا ولی کس  
 طرح اتفاق و اتحاد کر سکتا ہے۔ اس دور میں جبکہ تحقیق حق ناپید ہے۔ یقیناً ایسی ہی غیر ذمہ دارانہ تحریریں



آپ دیہاتوں میں ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کے لئے اکثر دورے کیا کرتے، اور صرف اللہ جل جلالہ کی رضا کے لئے اہل بدعت اور گمراہوں سے بحث مباحثہ کرتے، اور بانگِ دہل اعلان فرماتے کہ ”ان سے بچو، ایسا نہ ہو کہ ہلاک کر دینے جاؤ“ آپ کی توجہ کاملہ اس حد کمال تک پہنچ چکی تھی کہ جو بھی طالبِ مولیٰ آتا آپ کی توجہ کی برکت سے قیداً سوا اللہ سے آزاد ہو جاتا۔ چند دنوں میں سیرِ باطنی مکمل کر کے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات حاصل کر لیتا۔ آپ اس شخص کو بہت پسند فرماتے جو تہذیبِ نفس، طلبِ علم اور طریقِ سلوک کو حاصل کرنے کیلئے آتا اور جو شخص دنیاوی مطالب لے کر حاضر ہوتا اس کے لئے بھی دعا فرماتے۔ مگر اس شخص سے خوش نہ ہوتے، حضرت اخوند درویش فرماتے ہیں کہ ”کسی وجہ سے کچھ عرصہ میں آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے عرض کیا کہ حضورِ خالی ہاتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہیں سمجھتا، آپ نے اعراض کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ لوگ جو اونٹ گائے اور گھوڑے لنگر میں پیش کرتے ہیں ان کو میں دوست یا مرید نہیں خیال کرتا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں، مگر ہاں میرے دوست اور مرید وہ ہیں جو مجھ سے

سامنے آئیں گی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

باقی رہا اس کی صراطِ مستقیم اور اسلام کی دعوت، تو میرا خیال ہے کہ جناب یوسفی صاحب نے بلستان

مذہب ۲۴۷ سے لے کر ۲۵۱ کے آخر تک کا مطالعہ نہیں کیا۔

روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور میرے اسوال پر نظر رکھتے ہیں۔  
 آپ کی طبیعت مبارکہ میں اتنی سخاوت تھی کہ کوئی سائل بھی آپ کے دروازے  
 خالی نہیں لوٹتا، مسافروں کو زوارہ مہیا کرتے۔ بیماریوں کی عیادت کے ساتھ مالی امداد  
 بھی کرتے۔ آپ کا لنگر ہر وقت جاری رہتا، اور ان گنت لوگ آکر روٹی اور کپڑا حاصل  
 کرتے، علم اور عقو کو تو آپ کی ذات والا صفات پر ناز تھا۔ آپ کی ذات مبارکہ  
 ان تمام اخلاق حمیدہ سے متصف تھی جو ایک کامل و مکمل انسان کے لئے زیب ہیں،  
 آپ کے مکشوفات، کرامات، خوارق عادات لائق تہنیت ہیں اور جو شخص مقام  
 غوثیت پر فائز ہو اس کے لئے ان باتوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اپنے وقت پر اللہ  
 کے حکم سے سب تصرف اسی شخص کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا سے اس  
 ہستی کے سامنے غیب و شہود کے پردے اٹھ جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
 الہام القا کے ذریعہ مامور ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، خواص بجز تحقیقت، غوث وقت، سید علی ترمذی  
 المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ بمقام بنیر (کوہستان) سلسلہ عالیہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور  
 کبرویہ کو کمال عروج پر پہنچا کر ۹۹۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آج تک آپ کی مزار پر آلو  
 سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر دینی، دنیوی اور روحانی برکات حاصل کرتے ہیں۔  
 آپ کی اولاد بکثرت ہے۔ تقریباً ہر علاقہ میں ملتی ہے۔

صاحبان کشف فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قبر شریف میں اس وقت بھی باذن اللہ  
 و بظہیل سید پاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرماتے ہیں۔

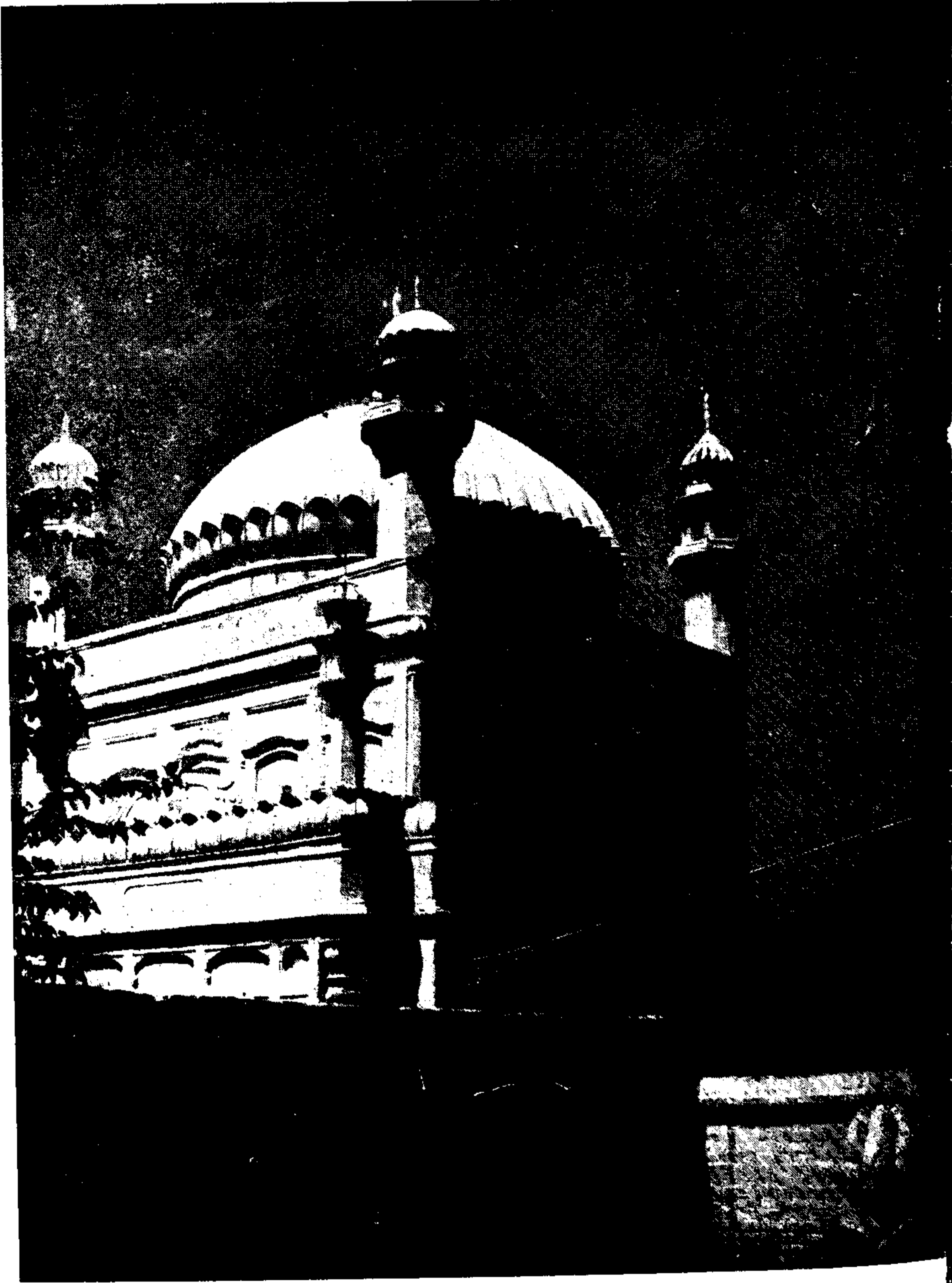
## حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انھوں پنجم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۴۵ھ تا ۱۰۴۰ھ

آپ کا نام نامی واسم گرامی سید عبدالوہاب ہے۔ اور والد گرامی کا نام سید غازی بابا ہے۔ آپ انھوں پنجم بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو کتب تاریخ و سیر میں شیخ پنجم سنبھلی لکھتے ہیں۔ نیز آپ بھی اپنی نسبت سنبھلی سے کرتے، آپ کے جد بزرگوار وہاں سے ہی آئے تھے، اسی لئے آئین اکبری میں شیخ ابوالفضل نے (جو کہ جلال الدین اکبر کا وزیر تھا) آپ کو شیخ پنجم سنبھلی لکھا ہے۔ پنجم آپ کو اس لئے کہا گیا کہ جب پیروان پیر تاریکی (جس کا نام بازید انصاری اور لقب پیر روشن دین تھا) کو آپ نے ارشاد و ہدایت شروع کی تو چونکہ وہ احکام شریعت اسلامیہ پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ استہزار کیا کرتے تھے اس لئے آپ نے ان کو سب سے پہلے پانچ بنار اسلام سے تعلیم دینا شروع کیا۔ انھوں نے بوجہ مخالفت از روئے تحقیر کے آپ کو پنجم بابا کہنا شروع کر دیا۔ جب

۱۔ انھوں، انھوں کا مرخم ہے۔ یعنی آخری حرف گرایا گیا ہے انھوں تو رانی لفظ ہے اور متحجر عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بلند پایہ مدرس تھے اور سینکڑوں علماء آپ کے شاگرد تھے اس لئے آپ کو انھوں کے لقب سے پکارا گیا۔

۲۔ بروایت شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب وندانی ساکن اکبر پورہ مرحوم :



مزار اخوند پنجو بابا عليه الرحمة

آپ کی خدمت میں یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میرا لقب ”پانچ بنا۔ اسلام“ ہو اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ قیامت تک میرا یہی لقب ہو، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

آپ کے بزرگوار عرب سے آکر ہندوستان میں بمقام سنبھل آباد ہوئے جب سلطنتِ لودھیہ کو زوال ہوا تو آپ کے والدِ محترم جناب سید غازی بابا صاحب براستہ چھبہ ہزارہ ہوتے ہوئے علاقہ یوسف زئی میں بمقام ترکہ قیام کیا۔ جناب سید غازی بابا صاحب نہایت ہی پرہیزگار اور زاہد تھے۔ مذکورہ گاؤں میں قناعت اور عزت کے ساتھ وقت بسر کرتے، جناب صالح محمد صاحب المعروف ”ولیوانہ بابا“ کی خالہ سے شادی کی، اور اکبر بادشاہ کے زمانہ میں پشاور شہر میں آکر سکونت پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار قلعہ بالا حصار کے نیچے وائرس گراؤنڈ میں دختروں کی گھٹی چھاؤں میں موجود ہے۔

۱۹۲۵ء میں جناب حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف انجنیو بابا موضع ”اکائے“ علاقہ یوسف زئی میں پیدا ہوئے۔ آپ علمِ لدنی رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی ظاہری طور پر آپ نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی۔ موضع چوہاگچر میں ان دنوں ایک بڑے عالم دین قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر علوم متداولہ کو پڑھا۔ اس کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے، اور کافی عرصہ مختلف علمائے پڑھتے رہے۔ ان ایام میں آپ زیادہ عرصہ روہیل کھنڈ میں مقیم رہے تحصیل علم کے بعد واپس صوبہ سرحد لوٹے۔ ۱۹۹۰ء میں بعمر ۴۵ سال اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ موضع اکبر پورہ میں مستقل قیام اختیار کیا، اور مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

حضرت علامہ شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوانی تحفۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ تقریباً تین سو علماء و مشاہیر وقت نے آپ سے علوم ظاہری میں دستار فضیلت یعنی سند حاصل کی، آپ نے کافی عرصہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق اور اخلاق کا درس دیا، اور انتہائی جان فشانی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت شریعت مطہرہ میں منہمک رہے۔

اکبر پورہ ان دنوں داؤد زنی قوم کا مرکز تھا۔ اس گاؤں میں چالیس محلے تھے، ہر ایک محلے میں ایک حجرہ تھا، ہر ایک محلے کے لوگ چمکس اور بھنگ پی کر رباب لئے ہوئے دن رات ان حجروں میں مست رہتے۔ اور گاتے بجاتے، دین اسلام سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یادِ الہی سے قطعاً بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابل ذکر مسجد نہ تھی۔ اس تمام علاقہ کے لوگ پیر روشن المعروف پیر تاریکی کے خلیفہ "مہرست" کے مریہ اور پیرو تھے۔

جناب انعمان پنجو صاحب نے تمام کاموں سے پہلے یہ کام کیا کہ وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی، نماز جمعہ کا قیام کیا۔ امر بالمعروف کے لئے مختلف علاقوں میں جماعتوں کو بھیجا، اور اس بے خبر قوم کو جو فسق و فجور میں مبتلا تھی و عظ و نصیحت کرنا شروع کر دیا۔ عوام کے لئے آپ نے ابتداءً پانچ بنائے اسلام سے کام شروع کیا۔ طلباء کے لئے درس و تدریس کا انتظام کیا۔ سلوک و معرفت کے حصول کے لئے جو صاحبان طلب آئے ان کے لئے الگ انتظام کیا۔ آپ کی اس خدمت دین کا اتنا شہرہ ہوا کہ لوگ دور دور سے آنے لگے۔ اور حسب توفیق علوم حاصل کرنے لگے۔ نیز وہ علماء جو کہ ہندوستان اور دوسرے علماء سے سند فراغت حاصل کر لیتے تھے۔ وہ تبرکاً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی تکمیل کی سند لیتے۔

۱۹۹۳ء میں جناب میر ابو الفتح صاحب قنیاچی (جو کہ شیخ المشائخ جلال الدین صاحب  
تھانگیری کے خلیفہ تھے) پشاور شہر سے ہوتے ہوئے اکبر پور و تشریف لائے اور آپ نے  
طریقہ عالیہ چشتیہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت میر ابو الفتح صاحب قنیاچی رحمۃ اللہ علیہ  
نے آپ کو خلافت سے نوازا، اور علم توحید باطنی سے مالا مال کر دیا۔ بیعت ہونے کے  
بعد آپ اب اوراد و وظائف سے فارغ اوقات و بیات کی تعلیم میں صرف کرتے  
اور باقی اوقات عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، مجاہدہ و مراقبہ، میں گزارتے۔ بیعت  
ہونے کے بعد صائم اللہ صر اور قائم اللیل ہو گئے۔ ذکر و فکر سے بسا اوقات آپ پر محویت کا  
عالم بھی طاری ہوتا جس وقت آپ پر مسکری حالت ہوتی تو خادم آپ کو بازوؤں سے پکڑ  
کر "یا حق یا حق" کہہ کر اٹھاتے تو آپ اٹھ کر نماز پڑھ لیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر  
بے ہوش ہو جاتے اور ماسواۃ اللہ سے بے خبر ہو جاتے۔

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک "ذکر" میں مصروف رہتے  
و پھر تک "جلس دم" اور دیگر اوراد کرتے، نماز ظہر کے بعد قیلولہ کرتے، قیلولہ کرنے کے بعد  
علوم متداولہ کی کتابیں پڑھتے۔ عصر سے مغرب تک "صلوۃ الوسطی" میں مشغول رہتے۔  
مغرب کے بعد قرآن حکیم کا درس فرماتے۔ عشاء کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں  
مشغول ہوتے۔ گویا آپ کا تمام وقت یا والہی، اطاعتِ خدا اور شوقِ علی جلالہ صلی اللہ  
علیہ وسلم اور مخلوقِ خدا کی خدمت میں گزرتا۔

آپ پر "عشق الہی" کا اتنا غلبہ تھا کہ چہرہ انور سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے بیعت  
سر دیوں کے ولوں میں آپ صرف ایک ٹمبل کا کڑنا پہنتے۔ آپ کے مقررین سے ایک  
صاحب "جناب میاں علی بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انتہائی سر دیوں کے ایام میں

میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ایک بار ایک کڑتہ اور ایک عمامہ پہنے ہوئے تھے دیکھتے دیکھتے آپ پر عشقِ الہی کا غلبہ ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک اور چہرہ نور سے پسینہ بہنا شروع ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ گھر سے اسی عالم میں نکلے، میں بھی آپ کے پیچھے ہویا۔ آپ کمال استغراق اور محویت کے ساتھ عشقِ الہی میں مست تھے۔ تمام رات زخمی چار باغ سے لے کر جبریت تک آتے جاتے جمالِ الہی اور عشقِ الہی میں مگن تھے جب صبح ہوئی تو نہایت اوب کے ساتھ میں نے عرض کیا کہ حضور رات کو عجب کیفیت تھی، آپ نے فرمایا۔ اے علی! یہ نکتہ یاد رکھ جو اسرارِ ربانی سے ہے، منصور نے محبتِ الہی کا جام چاہا اور ضبط نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ ”انا الحق“ کا دعویٰ کر دیا۔ مگر تم نے دیکھا کہ محبت کے جام پر جام آج مجھے عنایت کئے گئے۔ اور کتنے ہی خم خالی کر دیئے گئے۔ مگر ایک قطرہ بھی باہر نہ گرا۔“

چونکہ آپ کے رخِ نور پر وقتِ نوارِ الہی کی بارش بہتی اس لئے کوئی بھی جی بھر کر آپ کے چہرہ نور کو نہ دیکھ سکتا، اور جو بھی آپ کے رخِ اقدس کو ”توجہ“ اور ہمت سے دیکھ لیتا، تو عارفِ کامل ہو جاتا۔ اگر کسی بھی مشرک کی نظر آپ کے نورانی چہرہ پر پڑ جائی تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو آپ کا نام سننے ہی چھپ جاتے۔ ایک بار ہشتنگر سے ہندوؤں کی ایک برات اکبر پورہ آئی۔ اس برات سے تقریباً دس نوجوان آپ کی مسجد میں آکر آپ سے ملاقی ہوئے۔ آپ کا چہرہ دیکھ کر یہوش ہو گئے۔ اور ٹرپنے لگے، جب ان کو ہوش آیا تو مسلمان ہو گئے۔ اور آج تک اس شیخ کا گھر اکبر پورہ میں آباد ہے۔ گویا کہ آپ کی ذات والا صفات میں اتنی تاثیر اور اتنا

۱۰ یہاں اصطلاح میں جو غیر مسلم مسلمان ہو جاتے تو اس کو شیخ کے لقب سے پکارتے ہیں۔  
۲۰ تحفۃ الاولیاء از شمس العلماء



عزیز تھا کہ جو بھی اُس وقت آپ کے سامنے آتا وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جب آپ کے علم ظاہری و فیوضاتِ باطنی کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا، تو معاصرین اور مشائخ نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے بحث و مناظرہ کی ٹھانی اور اٹھے ہو کر فیصلہ کیا کہ آپ کی مسجد میں جا کر آپ سے مناظرہ کریں اور کسی قسم کی آپ کی تعظیم و تکریم نہ کریں۔ جب وہ آپ کی مسجد میں پہنچے تو اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے فرزند ارجمند جناب سید عثمان صاحب نے آپ کو ان کے آنے کی خبر دی۔ آپ تشریف لائے۔ ان علماء نے آپ کا رخ الٹ دیکھتے ہی فوراً قدمبوسی کی۔ اور یک بارگی لا الہ الا اللہ کا نعروں لگا کر بے ہوش ہو گئے، حتیٰ کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ جب ظہر کے نوافل سے فارغ ہوئے تو میاں علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اگر ان کی یہی حالت رہی تو شریعت اور علم کی بہت بے قدری ہوگی اور بے حرمتی۔ آپ نے ان پر توجہ کر کے ”الا للہ“ کا نعروں لگایا تو وہ سب ہوش میں آ گئے اور تائب ہو کر مُرد ہوئے۔

آپ میں اتنی سخاوت تھی کہ جو بھی آپ کے پاس حاجتمند آیا خالی نہیں لوٹا۔ آپ کے لنگر سے امیر و غریب سب کو برابر کھانا ملتا۔ مفلوک الحال اور غربا کی امداد کرنا آپ کا خاص وصف تھا۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ امیر و حکام سے تحفے قبول نہ فرماتے۔ بادشاہ مغلیہ کی طرف سے کئی بار لنگر کے مصارف کے لئے پیش کش کی گئی۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ اور اخون درویش رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پادشاہ انصاری الملقب پیر روشن اور اس کے پیروان کے خلاف تبلیغی اور عملی طور پر کام

پادشاہ انصاری کے حالات حضرت پیر بابا صاحب اور اخون درویش کے ضمن میں دیکھیے۔

کیا۔ چونکہ اس علاقہ میں اس کے متبعین بکثرت تھے، اس لئے آپ ان کی مخالفت کا پورا نشانہ تھے۔ مگر آپ نے ہمت استقلال اور کرامت کے ذریعہ اس علاقہ کو ان بے راہ روٹوں سے پاک کیا اور ان کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی نورانی منزلوں پر ڈال دیا۔ پھر بس، بھنگ اور اینون جیسے رسوائے زمانہ نشوں سے انھیں باز رکھا اور لٹا پٹا۔ چنگ و باب سے چھٹکارا دیا اور الہی میں مصروف کر دیا۔ بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں سے توبہ کروانے نیک اعمال و صاحب اخلاق جمیدہ بنایا۔ صاحب تحفۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ ۹۹۳ھ میں بایبدا نصاریٰ الملقب پیر روشن نے جب حکومتِ ممبئی کے خلاف شورش کی تو جلال الدین اکبر خود مقابلہ کے لئے آیا۔ اس سفر میں اکبر بادشاہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ بھور والی مسجد میں مقیم تھے۔ طالبِ دعا ہوا، آپ نے توجہ کاملہ کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اکبر کو فتح و ظفر سے نوازا اور تاریکیوں کو پرگندہ کیا۔ اس وقت اکبر نے آپ کی خدمت میں تحائف پیش کئے تو آپ نے کلی طور پر لینے سے انکار کر دیا۔ اکبر پورہ کے بالکل ساتھ دریائے بارہ بہتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں اس دریائے بارہ میں ایک عظیم سیلاب آیا۔ اس وقت پیر مسرت خلیفہ پیر روشن کا بہت بہت چرچا تھا اور اس کے متبعین اس کی نام نہاں کرامات اور کشفات کا ہر حجرہ میں بٹھ کر خوب پروپیگنڈا کرتے تھے۔ لوگ اس سیلاب سے عاجز آ کر پیر مسرت کے پاس روحانی مدد طلب کرنے کے لئے گئے تاکہ وہ کرامات کے ذریعہ گاؤں کو تباہی سے بچالے۔ اس نے اپنی بھنگ رگڑنے کا ”تکدہ“ ان لوگوں کو دیا اور کہا کہ جاؤ اور گاؤں کی طرف بند باندھ کر یہ میرا تکدہ کھڑا کرو، سیلاب کم ہو جائے گا، اور پانی گاؤں کی طرف نہیں آئے گا۔ ہزار ہا لوگ اس کی یہ کرامت دیکھنے کے

لئے جمع ہو گئے۔ کتک رکھا گیا مگر پانی نہ نکلا۔ اب پیر ہر مست خود آیا اور نہایت دلیری کے ساتھ بند پوکھڑا ہو گیا۔ مگر پانی کے ایک ہی دباؤ نے پیر کے ساتھ بند کو بہا دیا۔ پیر ہر مست غوطے پہ غوطہ کھانے لگا۔ اس کے فریادوں نے پیر ہر مست کو نکالا۔ عین اسی وقت حضرت انور پنجو بابا صاحب نے اپنا عصا حضرت میاں علی بابا کو دیا اور فرمایا اس عصا کو پانی میں کھڑا کر دو، انشاء اللہ خداوند تعالیٰ افضل و کرم کر دے گا۔ جب حضرت میاں علی بابا نے عصا پانی میں کھڑا کر دیا۔ تو فوراً بند بندھ گیا اور سیلاب کم ہو گیا۔ گاؤں تباہی سے بچ گیا۔ جب ان ہزار ہا لوگوں نے آپ کی یہ کھلی اور روشن کرامت دیکھی تو پیر روشن المعروف پیر تاریکی کے خلیفہ سے کلی طور پر برگشتہ ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں آکر طبقہ مرتدین میں شامل ہو گئے۔ تحریک روشنائی جو حکومت وقت کی لڑائیوں، قتل و غارت، مشائخ کرام کے بھٹ و مناظرے اور جدوجہد سے ختم نہ ہو سکی۔ اس علاقہ میں آپ کی صرف ایک کرامت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

آپ کی کرامت سے ایک زندہ کرامت یہ ہے کہ اس وقت آپ کی ایک مسجد اکبر پورہ میں موجود ہے جس کو ہزاروں ستیاج اور مولدخ، ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کے افراد دیکھنے آتے ہیں اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حاجی دریاحان (جن کا مزار موضع چمکنی تحصیل پشاور میں مزاج عوام و خواص ہے) نے ایک بار آپ سے سوال کیا کہ قیامت کے علامات کیا ہیں۔ آپ نے جواب دیا: میری مسجد کا محراب زمین میں جب غرق ہو جائے گا تو قیامت آجائے گی۔ اب یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ محراب مسجد آہستہ آہستہ بتدریج زمین میں دھنس رہا ہے، اور اس وقت تقریباً تھائی حصہ دھنس چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیب کی وفات شاہ بہان باوشاہ کے عہد میں بمبر ۹۵ سال سنہ ۱۰۲۰ھ میں ہوئی۔ اور  
 اس آفتاب علم ظاہری و باطنی، قطب الاقطاب، غوث وقت کو اکبر پورہ سے تقریباً  
 ایک میل بٹرک شاہی کی طرف پیرو خاک کیا گیا۔ ہزارہا لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے  
 ہیں اور بڑے بڑے مشائخ نے آپ سے فیض لیا اور اب بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔  
 آپ کی تجیز و تکفین میاں عثمان صاحب اخون ساک صاحب کا بگرامی ہمیاں  
 علی بابا صاحب، حضرت شیخ رحمکار المعروف حضرت کا کا صاحب اور شیخ عبد الغفور  
 صاحب المعروف چل گزی بابائے کی۔

# حضرت اخوند درویش صاحب حمہ علیہ السلام

۹۵۶ھ تا ۱۰۲۸ھ

آپ کا اسم گرامی درویش ، والد کا نام گدا ، دادا کا نام سعدی اور لقب رئیس الفضل ہے۔ آپ علاقہ شگرہ ہار ملحقہ کابل کے رہنے والے تھے۔

خواص میں آپ اخوند صاحب اور عوام میں اخون کے نام سے مشہور ہیں ، چونکہ آپ متبحر عالم تھے اور بہترین مدرس بھی اس لئے آپ کو اخون کے نام سے پکارا گیا۔ جب آپ کے دادا جناب سعدی کو شگرہ ہار میں شہید کر دیا گیا تو آپ کے والد جناب گدا مہندوں میں آکر آباد ہوئے۔ جناب درویش صاحب کی ابتدائی عمر کا بیشتر حصہ مہندوں ہی میں گزرا ، آپ کو ابتداء ہی سے طلب علم ، اتباع سنت اور ترک بدعت ، زہد و ریاضت کا شوق دامگیر تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ”معرفة الہی اور ہول قیامت و قبر کا جذبہ بچپن ہی سے مجھ پر اتنا غالب تھا کہ میں بسا اوقات روزانہ ہوتا

کہ ”اخون“ اخوند کا مخم ہے۔ یہ گورانی لفظ ہے جس کے معنی متبحر عالم کے ہیں۔ ہم اپنی اصطلاح میں اس کے معنی علامت کہہ سکتے ہیں۔ تخریم اس وقت ہوتی ہے جبکہ آخری حرف زبان پر ثقیل ہو۔ چونکہ یہاں بھی وال ہو کہ آخری حرف سے زبان پر ثقیل تھا، لہذا گرا دیا گیا اور ”اخوند“ سے ”اخون“ رہ گیا۔

اور نہ سمجھتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ والدہ صاحبہ میری بس کیفیت کو دیکھ کر مجھے ٹھہرے بھئی سید کر دیتیں۔ مگر ذوق و شوق الہی کی طالب بڑھتی ہی گئی۔

آپ سب سے پہلے اس وقت کے بہت بڑے عالم حضرت مصر احمد کی خدمت بابرکت میں بطور شاگرد پیش کیے گئے۔ حضرت مولانا مصر احمد صاحب جناب سید محمود صاحب بخاری ولی کامل کی اولاد سے تھے۔ انہوں نے درویشہ صاحب کو اپنے مکتب میں داخل کر کے اسباق میں مصروف کر دیا۔ پہلے سال میں قرآن مجید یاد کیا، چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے برس متوسط کتابیں پڑھ لیں، آپ کا قوتِ حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ آپ جو کتاب پڑھتے اذیر ہو جاتی۔

اس کے بعد مزید علم کے حصول کے لئے آپ مولانا جمال الدین ہندوستانی کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری سے آراستہ ہو گئے۔ آپ تقریباً سات برس ان کے پاس رہے۔

علوم متاثر اولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حصول معرفت میں کوشاں ہوئے۔ آپ خود فرماتے ہیں، روحانی بے قراری اور بے چینی بہت پریشان کرتی، اور حصول علم کے بعد بھی اطمینان قلب میسر نہ تھا۔ آپ نے اُس وقت کے ایک جامع شریعت و طریقت عالم جناب ملا سنجہ صاحب کی خدمت میں اپنی اس پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے بیسیوں شاگرد تھے اور آپ کے علم و فضل کا کافی شہرہ ہو چکا تھا۔ جناب ملا سنجہ صاحب، جناب انون صاحب کو لے کر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جابین حضرت غوث اعظم جناب سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب انون صاحب نے اپنے علم، زہد، ریاضت اور عبادت کا

تمام حال عرض کیا اور ساتھ ہی اپنی پریشانی کا بھی تذکرہ کیا۔ جناب پیر بابا صاحب نے متبسمانہ انداز میں فرمایا۔

”شیخ کامل افغان گشتہ“

یعنی افغانوں کے شیخ کامل بن گئے ہو۔ مگر ارشاد فرمایا

”اما خوب نرفتنہ پچہ اقدام نمودن بر ریاضت بے اذن شیخ فانی فی اللہ عاقبت

آومی را بصلوات اندر آرو زیرا کہ بتدی را باید کہ اول علم نہد و ریاضت برہیتی بجا آرد کہ از گفتار و کردار حضرت خیر امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم باد“

یعنی یہ طریقہ صحیح نہیں اس لئے کہ بغیر شیخ کامل کی اجازت کے نہد و ریاضت کا

انجام گرا ہی کے کھڑے میں گرنا ہوتا ہے۔ لہذا بتدی کو چاہیے کہ نہد و ریاضت اس

طریقے پر کرے جو طریقہ جناب سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بھی نصیحتیں

فرمائیں۔ اور اس کے بعد ان خون صاحب سے تجدید توبہ کروائی، اور نماز باجماعت ایام

بیض کے روزے۔ صلوٰۃ اوابین، اور دیگر واجبات و سنن پر مستقیم رہنے کی تاکید فرمائی۔

ان خون صاحب فرماتے ہیں۔

”اگرچہ در انواع این معاملات پیش ازین نیز مستقیم بودم۔ اما حضرت ایشان

از بہت سقوط این شرائط از ذمہ خویش فرمودند۔

تقریباً پانچ برس کے بعد حضرت علامہ مولوی حاجی محمد صاحب المشہور زنگی پاپینی

کو وسیلہ بنا کر جناب ان خون صاحب نے پھر درخواست پیش کی، اور عرض کیا۔ ”علم ظاہر

سے آراستہ ہوں، عبادت پر استقامت حاصل کر چکا ہوں، اب ذکر الہی کی تلقین کی

جائے۔ جناب پیر بابا صاحب نے آپ کی درخواست قبول کرتے ہوئے طریقہ عالیہ چشتیہ میں داخل کر کے ”ذکر الہی“ کی تلقین کی اور فرمایا۔ ”اس وقت کا انتظار کرو جب تمہارا قلب ذکر الہی سے معمور ہو جائے، تو تم مطمئن ہو جاؤ گے“ آپ کو ذکر الہی میں اتنا حضور حاصل ہو گیا کہ آپ کئی طور پر مطمئن ہو گئے، اور شیخ کامل کی توجہ سے بہت تھوڑے عرصہ میں مقامات جلیلیہ و عظیمہ آپ کو نصیب ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے آپ کو فرمایا کہ علوم متداولہ کی تمام کتابیں تم نے پڑھ لیں ہیں، تصوف کی بھی چند کتابیں پڑھو تا کہ طلباء تصوف کو بھی فائدہ پہنچا سکو، چنانچہ جام جہاں نما، دیوان الوارخواجہ قائم لمعات، لوائح اور دیگر تصوف کی کتابیں حضرت پیر بابا صاحب سے سبقتاً سنبھال لی ہیں۔ آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی اور اوراد و اشعار کو مکمل کیا، تو جناب پیر بابا صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ اب بلا دوامصاریں جاؤ۔ ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کرو۔ نیز مختلف ممالک کی سیاحت کرو۔

چنانچہ حضرت انھوں صاحب خود فرماتے ہیں

”پس بنا بر امر حضرت شیخ از وطن و مکان خویش پیوند بریدم و اطراف عالم رو نہاوم“

آپ نے ایک طویل سفر اختیار کیا، راستے میں تبلیغ اسلام، اشاعت سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مناسی بدعات و رسوم کرنے ہوئے ”قاشقار“ پہنچے۔ ان و شوار گزار پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے وارد ”کشمیر“ ہوئے۔ اور پھر واپس لوٹے، اثنائے سفر میں بھی آپ علماء، صلحاء اور فقراء سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں جناب فضیلت مآب حضرت ملا باسی صاحب کی خدمت میں رہ کر خوب فیض پایا۔ فرماتے ہیں



مولانا واضح نمونہ و دلیل گشتہ مارا بعد ان علوم حقیقی رسائید۔

جب واپس اپنے شیخ کی خدمت با برکت میں پہنچے تو حضرت پیر بابا صاحب نے ہر چہ سار سلاسل میں آپ کو ماذون اور معین فرمایا۔ (یعنی سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ کبرویہ اور شطاریہ میں) اور سلسلہ عالیہ منصورہ حلاجیہ میں اجازت مرحمت نہیں فرمائی فرماتے ہیں۔

”اما این فقیر بشرف این (یعنی منصورہ حلاجیہ) اذن مشرف نشدہ“

ماذون اور صاحب اجازت ہونے کے بعد آپ مسند آرائی شریعت و حقیقت ہو کر علم ظاہری و باطنی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت انخون صاحب کا دور فرض و بدعت اور الحاد و زندقہ کا دور تھا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آپ نے بھی سر دھڑکی بازی لگا کر اس الحاد و زندقہ کا مقابلہ کیا۔ اگر اس دور میں جبکہ ہر طرف مذہب سے آزادی کا رواج تھا اور خصوصاً اکبر جیسا دین اسلام سے برگشتہ بادشاہ تھا۔ اگر حضرت پیر بابا صاحب کی شخصیت اس غیر متدن اور وراقنادہ علاقہ میں تبلیغ نہ فرماتے تو اس وقت یہ اسلام جو اپنی صورت میں نظر آتا ہے کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ انخون صاحب خود فرماتے ہیں:

”اگر دوران حضرت شیخنا دیں حدود نبوی سے معلوم نیست کہ فردے از افراد

این مردم مسلمان ماندے“

آپ نے ان تمام جماعتوں، بے پیرویوں، بے عمل علماء و بدعتی مشائخ کے خلاف عملی قدم اٹھایا۔ ان لوگوں کی دین اسلام سے بے سروبی کو اسلام کے لئے ایک خطرہ عظیم سمجھ کر ایک مروجی کو اور مرد خدا کی طرح اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے شیخ کے ارشاد پر

عمل پیرا رہے۔ اور ان منکرین کے خلاف جہاد با القلم اور باللسان آسمی دم تک جاری رکھی۔

اُس وقت جن گمراہوں کے خلاف آپ نے قدم اٹھایا، بحث و مباحثہ کیا، ان میں سے مشہور ترین پیر پلو ان، بابا قلندر رافضی، پیر طیب غلجی، پیر ولی بڑی یا بھڑاچی، کیریدو، ملا رکن الدین، شیخ حسن تیراہی، خواجہ خضر افغانی، حاجی محمد، حاجی عمر غوری خیل، شیخ قاسم غوری خیل، بایزید انصاری الملقب پیر روشن المعروف پیر تاریک، پیر قاسم بیگ خیل۔ آپ نے ان میں سے دو فرقوں کے خلاف اپنے شیخ کی محبت میں اور ان کے انتقال کے بعد بہت کام کیا۔ آپ اتنے مشہور ہو گئے کہ جب بھی کوئی عقائد کا دعویٰ وار پیدا ہوتا تو اس علاقہ کے لوگ آپ کو بلا کر تمام علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے، اس شخص کے ساتھ آپ کی گفتگو کرتے، اگر وہ طریقہ اہل حق اہل سنت و جماعت پر ہوتا تو بہتر اور نہ اس کو وہ لوگ اپنے علاقہ سے نکال دیتے، فرماتے ہیں۔

افغاناں این ایام را نیز سندر بمایں بود چہ ہر گاہ کہ شیخ و عالم دران ایام در میان ایشان پیدا شدے تا از نظر حضرت شیخنا و امامنا و از نظر فقیرہ گذشتی ایشان اقوال و افعال اور قبول تمیکروے بل بعضی کہ خدایان اولس جمع شدہ ما و او نوو آئندہ را از بہر بحث و امتحان احوال بجا کر دندے تا کیفیت احوال معلوم شدے۔“

وہ فرقے جن کے خلاف آپ نے سختی سے قدم اٹھایا، ایک کا پیشوا میر قاسم تھا، یہ شخص رافضی تہرانی تھا۔ اور دوسرا بایزید انصاری الملقب پیر روشن المشہور پیر تاریک تھا۔

۱۰ حضرت انون صاحب کے استاد حضرت ملا صاحب پاپی نے اس کا نام پیر تاریک رکھا۔

انہوں صاحب نے تین بار اس شخص سے مناظرہ کیا۔ ہر بار اُس نے شکست کھائی  
آخر چوتھی بار فیصلہ کن مباحثہ کے لئے آپ گئے تو وہ سامنے نہ آیا۔

بقول آپ کے پیر تارکی شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی اصولوں کا منکر تھا۔ سنت  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک تھا۔ سرورِ سنت تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا ناچ کروانا تھا  
نیز اس شخص میں اتنی استدراجی قوت تھی کہ ہزاروں لوگ اس پر قربان ہوتے تھے۔ اس  
نے اپنے پیروں کی باقاعدہ تنظیم کی ہوئی تھی۔ وہ خود اور اُس کے خلفاء جن میں فصیح شاہ  
بھی تھے اس کے خیالات کی تبلیغ کرتے۔ اس نے خود بھی عربی، پشتو میں کتابیں لکھیں۔  
بہت ہی موقع شناس اور فہیم تھا۔ جب پیر بابا صاحب اور انہوں صاحب کی  
گوششوں سے اس کا مذہبی تقدس بے نقاب ہو گیا اور لوگ اس کی گمراہی سے واقف  
ہو گئے تو اُس نے یک دم مذہب کے لباس کو سیاست کے لباس میں تبدیل کر دیا۔  
اور نیم فوجی تنظیم اپنے معتقدین کی بنالی۔ یہ اس کا امام تھا۔ قافلوں کو ٹوٹنا۔ جاہیوں کو  
ٹوٹنا، بے گناہ مسلمانوں کو تاراج کرنا اس جماعت کا کام تھا۔ آخر وئی کی حکومت اس  
کی خود سری سے متاثر ہوئی۔ اور کافی عرصہ تک وئی حکومت کو انہوں نے پریشان رکھا۔  
اگرچہ مذہبی اعتبار سے حضرت پیر بابا صاحب اور انہوں صاحب کے بحث و مباحثہ  
اور مناظروں نے اس کو ختم کر دیا تھا۔ مگر سیاسی اعتبار سے مغلوں کے خلاف پٹھانوں  
کو لڑانے میں بہت مضبوط رہا۔ اگرچہ یہ پٹھان نہیں تھا، مگر پٹھانوں کا لیڈر ضرور بن گیا  
یہی اُس کی کمال دانشمندی اور ہوشیاری تھی۔

ایک اور شخص جس کا مقابلہ انہوں صاحب کو کرنا پڑا وہ میرٹ اسم تھا۔ علی الاعلان  
اصحابِ ثلاثہ پر تبرا کرتا۔ امامت کے بغیر نبوت کو بے کار سمجھتا۔ جبراً لوگوں سے اپنے

خیالات منواتا۔ شہباز قلندر کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرتا۔ آپ نے اس کے ساتھ بحث  
مباحثہ کر کے لاچار کر دیا۔ غرضیکہ ان کے پیچھے جا جا کر عقلی اور علمی لحاظ سے ان کے عقائد  
باطلہ کو عوام کے سامنے بے نقاب کر دیا۔ آخر آپ نے اپنی تمام تصانیف میں (جو غالباً  
بیس کے قریب ہیں اور جن میں سے پانچ تو چھپ چکی ہیں) ان لوگوں کے اعمال و افعال  
اور ان کے اسلامی اصولوں کے خلاف سرگرمیوں کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان  
کیا اور پھر مدلل طریقہ پر ان کا رد بھی کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: "ان  
ظاہری ریا و نمائش کو چھوڑو۔ یہ غیب دانی، غیب گوئی اور استدراجی قولوں سے لوگوں  
کو نہ بہکاؤ، بلکہ قرآن و سنت کے پیرو بن جاؤ، اور جناب حضرت شیخ الاسلام و ایمین  
سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب جیسے پیر کامل کے آگے زانوئے ادب طے کرو،  
تاکہ اسلام، قرآن اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ سکو۔ بدعتوں کو روک دو اور  
اور خلاف شرع محمدیہ طریقوں کو چھوڑ دو" یہ وہ تعلیم تھی جس کی طرف انہوں صاحب نے  
دعوت دی۔ اُس وقت کے نام نہاد پیر اور گندم نما جو فروش معلمین نے آپ کی پوری  
مخالفت کی اور ہر ممکن طریقہ پر آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ آپ  
کو "دشمنِ اہلبیت" کے نام سے پکارا، مگر آپ حق و راستی کا پیغام بغیر کسی خوف و حرج  
کے پہنچاتے رہے اور عقائدِ باطلہ کا مروانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ جناب انہوں صاحب  
باوجود انتھک مسلسل تبلیغ کرنے کے شب بیدار تھے۔ اپنے ویرا و وظائف کے اوقات  
میں خلل پڑنے نہ دیتے۔ خشیتِ الہی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ذکرِ الہی کرتے تو آنسوؤں  
سے ڈاڑھی تر بتر ہو جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی غالب تھی کہ آپ اکثر

درویشرفین ہی پڑھتے رہتے، اور آپیں بھر بھر کر روتے۔ آپ کے قصوف پر آپ کا علم غالب تھا۔ آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوا مگر کبھی بھی اپنی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ اس کی بھی وجہ تھی کہ فتنہ و فساد کا دور تھا۔ لوگوں میں علم کیابیاب تھا۔ جس شخص سے بھی کوئی عروق عادت دیکھ لیتے بس اس کی پرستش شروع کر دیتے، اسی لئے آپ نے ان امور کو بہت چھپایا۔ آپ کے مخالفین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کے منکر تھے۔ مگر یہ آپ پر سراسر الزام اور بہتان ہے۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد حضرت پیر بابا صاحب نے فرمایا کہ اب جبکہ آخری بار پیر روشن المعروف پیر تارک سے بحث ہو تو اس دفعہ کرامات کا اظہار کر کے اس کو خائب کر دوں گا۔ انشاء اللہ مگر وہ سامنے نہ آیا۔ اور آپ نے حضرت شیخ سیلونہ اور اپنے پیرو مرشد کی کتنی ہی کرامات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے۔ تذکرۃ الابرار ص ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

”اگرچہ اولیاء اللہ کشف و کرامات باشد اما دعویٰ فی باشد، چہ ایشان مامود بہ اختصار اند۔“

جناب انون صاحب نے بہت کتابیں لکھیں مگر محفوظ نہ رہ سکیں ضائع ہو گئیں یا ایسے لوگوں کے پاس ہیں جو کسی کو دکھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم بہت تھا، مطالع وسیع تھا اور علوم متداولہ کے ہر ایک فن پر آپ کی نظر تھی۔ عقائد باطلہ کے رویں آپ نہایت ہی متشدد ہو جاتے اور اسی تشدد کی وجہ سے بعض اوقات آپ اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اگر آپ کی طبیعت میں مخالفین کے خلاف انتہا پسندی نہ ہوتی تو یقیناً مخالف بھی آپ

کے علم و استقامت کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی کتابوں میں یہ نشاندہیاں ہیں۔

آپ کی تصانیف جو کہ شائع ہوئی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مذكورة الابواب والاشرار : یہ کتاب جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے، علماء متقیان،

اولیاء اللہ اور (بقول ان کے) اس وقت کے محدثین کے حالات پر مشتمل ہے، اس میں

پہلے تذکرہ میں جناب حضرت پیر بابا صاحب کا ذکر خیر ہے، دوسرے تذکرے میں افغان

قوم کی تاریخ، کہ اس قوم کی ابتداء کیا ہے۔ اور کس طرح مختلف ملکوں کے تخت ہوئی۔

ماہیت انساب کا بیان، اور اپنا اس قوم سے تعلق، اس کے بعد سلسلہ ہائے طریقت کا

ذکر، دوسرے تذکرہ میں ان تمام (بقول ان کے) اشقیاء اور ملحدین کا ذکر ہے جن کے ساتھ

آپ کے پیر و مرشد یا آپ نے بحث و مناظرہ کئے۔ یہ کتاب ۲۳۵ پر مشتمل ہے اور

آپ کے عاصم جزاؤہ مولینا عبدالکریم صاحب نے تصحیح کی ہے۔

۲۔ ارشاد الطالبین : یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہوئی ہے۔ اس

کتاب میں چار ابواب اور ایک خانہ کتاب ہے پہلے باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی

فصل توحید، دوسری ایمان، تیسری وضو اور چوتھی نماز کے بیان پر مشتمل ہے۔ دوسرے

باب میں بھی چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل توبہ، دوسری علامات پیر کامل، تیسری علم اور چوتھی

ذکر الہی کے بیان پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں کوئی فصل نہیں اور اس باب میں

سیر سلوک یعنی سیر من اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر مع اللہ کا بیان ہے، چوتھا باب پھر چار

فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں اخلاق حمیدہ، دوسری میں اخلاق ذمیرہ، تیسری صبر،

اور چوتھی فصل میں شکر کا بیان ہے۔ خانہ تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل علامات قیامت

دوسری کیفیت استخوان مخلوق، اور تیسری فصل میں مختلف مسائل ہیں۔

۳۔ ارشاد المریدین : آپ نے اس کتاب کی ضرورت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پیر اور مرید دونوں صحیح طریقہ طریقت اختیار کریں، ملاحظہ کی اطاعت نہ کریں۔ نیز مشائخ طریقت کا حصول کیسے ہو سکتا ہے اور وہ کیا ہے۔ آپ کتاب کے ویباچر میں لکھتے ہیں۔

”می خواہم کہ رسالہ جامع لطائف احوال و اسرار الاملا سازم بعبارات واضح و تاہم اہل سعادت و دیانت باشند و در یاد کہ طریقت حصول مشائخ چہ بودہ است و چہ گونہ است“

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات نکات اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں مریدوں کے استفادہ کرنے کا بیان ہے۔ اور پیران متقدمین کے اس طریقہ کا بیان ہے جس سے ہزاروں لوگ ناندہ اٹھاتے ہیں۔ نکتہ اول میں حصول طریقت کے لئے شریعت لفظی اہمیت کی حامل ہے، کا بیان ہے۔ نکتہ دوم میں وہ فوائد جو نکتہ اول سے مترتب ہوتے ہیں۔ نکتہ سوم، صفوی، شیخ، پیر، درویش اور مرید وغیرہ اسماء جواہل طریقت استعمال کرتے ہیں۔ ان کا استنباط کہاں سے ہوتا ہے اور ہوا ہے بیان کیا گیا ہے۔ نکتہ چہارم میں مرتبہ پیر کا حصول، اور اس کے شرائط کا بیان ہے۔ نکتہ پنجم ایمان لانے کا بیان ہے۔ نکتہ ششم میں بعض افکار متداولہ کا بیان ہے۔ نکتہ ہفتم نماز کے بیان میں ہے۔ خاتمہ دیگر متعلقات طریقت کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب علم تصوف میں ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اور خصوصاً اس کتاب کا مقدمہ مسائل توحید باری تعالیٰ میں اپنی نظر آپ ہے۔

۴۔ مخزن الاسلام : آپ کی یہ کتاب ادھوری رہی، مگر آپ کے فرزند احمد حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے اس کو مکمل کیا۔ صرف یہ کتاب پشتو زبان میں ہے۔

اور باقی تمام کتابیں فصیح و بلیغ فارسی زبان میں ہیں۔

مخزن الاسلام کے متعلق جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ  
 ”مخزن الاسلام کتاب بے است کہ اور مولانا بن زبان افغانی (پشتون) تالیف  
 نمونہ است۔ امانا تمام مانند و بعد ایشان مولانا عبدالکریم پیرشس آن کتاب  
 بہ تمام رسانید۔“

اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آپنجہ از تالیف مولانا است دروی حقائق و معارف تذکرات حکام شریعت  
 بسیار است، و آنچه از تالیف پیروی است در و اکثر حقائق و معارف  
 مذکور است۔“

نیز اسی کتاب مخزن الاسلام کی شرح کلمات الوافیات صاحب معارج الولاہیت  
 نے لکھی ہے۔

۵۔ قصیدۃ الامالی کی مترج فارسی زبان میں آپ نے لکھی۔ عقائد پر یہ کتاب عربی نظم  
 میں ہے اور آپ نے فارسی میں شرح نثر میں لکھی ہے۔

۶۔ شرح اسرار الحسینی : اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کی شرح فارسی میں لکھی ہے  
 آپ کی شخصیت پر مولانا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تبصرہ فرماتے ہیں کہ  
 ”جامع علوم ظاہر و باطن بود، و جمال ولایت نمودار و پروردہ تدریس و تعلیم  
 و ملائی پوشیدہ می داشت، و در دفع زنا و قہ و ملاحظہ و رخصت بسیار می کرد  
 و ہر جا کہ ملحدی یا رافضی شنیدے نزد او رسیدے۔ و با او تذکرہ کرے و او را



ملزم سامنے۔“

آپ کے ایک فرزند جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب بھی بہت مقہر عالم تھے اور حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ مکمل علوم اپنے والد انور صاحب سے کی۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے۔

”از محققان ابن طائفہ و عارفان ابن جماعتہ است، صاحب شریعت و طریقت و حقیقت بود۔“

یعنی صوفیائے کرام اور عارفان الہی کی جماعت کے آپ بھی ایک فرو تھے صاحب شریعت، طریقت اور حقیقت تھے۔ آپ کو اخوند کریم بھی کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء خلاصۃ البحر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

”در کتاب خلاصۃ البحر ”محقق افغانستان“ مخاطب است“

آپ محقق افغانستان کے نام سے لقب تھے۔ اپنے والد کی کتاب ”مخزن الاسلام“ کو مکمل کیا۔

حضرت اخوند درویش صاحب کا مزار پشاور سے مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مرجع عوام ہے۔ آپ کے مزار کے گرد میلوں میں پھیلا ہوا قبرستان بھی آپ کے نام سے موسوم ہے۔

اس وقت تک آپ کے مزار کے احاطہ میں کوئی عورت داخل نہیں ہوتی، باہر سے کھڑے ہو کر عورتیں فاتحہ پڑھتی ہیں۔ پشاور میں یہ بات عام طور پر موجود ہے کہ جو بیٹہ غنی یا کند فہن ہو، جس حافظ قرآن کو قرآن حفظ نہ ہوتا ہو وہ آپ کے مزار پر جا

تین یا پانچ یا سات جمعرات قرآن پڑھے، اللہ کے فضل سے اس کی زبان رواں ہو جاتی ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۴۸ھ میں ہوئی۔

اور آپ کے صاحبزادہ عبدالاکریم کی وفات ۱۰۷۲ھ میں ہوئی اور ان کا مزار علاقہ یوسف زئی میں ہے۔

# حضرت شیخ المشائخ شیخ رحمکار صاحب المعروف کا کاہنا

۹۸۳ھ تا ۱۰۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی رحمکار، والد کا اسم شریف شیخ بہادر المعروف ایک بابا صاحب،  
 دادا کا نام مست بابا صاحب اور پرواوا کا نام غالب بابا صاحب تھا۔ آپ تمام عمویہ  
 سرحد اور اکناف و اطراف میں کا کا صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا لقب  
 "شیخ المشائخ" تھا۔

شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکبر پوری اپنی کتاب تحفۃ الاولیاء  
 میں لکھتے ہیں کہ ایک رات ایک صاحب نے ایک خواب دیکھی کہ "میں نے چھوٹا بول کیا  
 اور اس کی جھاگ میرے سر سے اونچی ہو گئی" آپ نے محترم جناب انخون پنجو صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
 کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا -

۱۔ ایک بابا صاحب حضرت انخون پنجو صاحب اکبر پوری سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی صحبت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ کی مزار تحصیل نوشہرہ میں کا کا صاحب کی مزار سے چھ میل دور واقع ہے۔ بڑی بابرکت مزار ہے۔

۲۔ مست بابا صاحب، آپ کی مزار بھی تقریباً کا کا صاحب کے مزار سے سات میل دور ہے آپ کی زیارت مرجع نلاق ہے

۳۔ غالب بابا، آپ کی مزار چراٹ کے پہاڑ کے نیچے واقع ہے بڑا دشوار گزار علاقہ ہے، مگر لوگ زیارت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو ایک فرزند مرحمت فرمائے گا۔ اور اس لڑکے کی شہرت اور بندگی تجھ سے بڑھ چڑھ کر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بابا کو جناب کا صاحب عطا فرمایا۔ انھوں نے صاحب کی خدمت میں آپ کو والد لے کر آئے اور انھوں نے صاحب نے دعائے خیر آپ کے لئے فرمائی۔ ابتدائے عمر سے ہی آپ ہونہار، نیک، نھلت تھے۔ آپ کی پیشانی سے نورِ ولایت ہو پڑا تھا۔ آپ کی نیک طبیعت سے آپ کی والدہ بہت خوش تھی اور ہمیشہ آپ کو دعاؤں سے یاد کرتی اور نصیحت کرتی رہتی۔

آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے استادا خواجہ الدین سلجوقی جو اللہ دین کے نام سے مشہور تھے، نے باحسن و جود کی، اور ظاہری علم کی تکمیل کر لی۔

آپ صائم، اللہ، شب بیدار، انتہائی راست گفتار، متواضع، منکسر المزاج، سخی، صاحب قلب سلیم، مخلوقِ خدا پر شفقت کرنے والے، ہر وارو و صا اور پیر محمدی کرنے والے تھے، ہر ایک مرید پر توجہ باطنی فرما کر اس کو محبتِ الہی میں سرشار فرما دیتے۔ وہ مریدین جو آپ سے دور دور ممالک میں سکونت پذیر تھے ان پر بھی آپ کی توجہات باطنی مرکوز رہتی۔

”و بعض از مخلصان حضرت ایشان را بہ غیب کہ او شاں اگر چه بعد مکانی و شتی مثل ہندوستان وغیرہ بتوجہ باطنی او قدس سرہ فیض می رسیدے، و انہا تنقید گشتے، و بہ ایشان فائدہ رسیدہ۔“

یعنی آپ کے بعض مخلصین جو کہ غیر موجود ہوتے بسبب بعد مکانی کے، مثلاً ہندوستان

۱۔ موضع اکوڑہ، دریائے لندہ کے کنارے پر آپ کا مزار ہے۔

۲۔ مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ“

وغیرہ میں ہوتے تو آپ کی توجہ باطنی سے ان کو فیض پہنچتا، اور وہ مستفید ہوتے۔  
 آپ تارکِ ماسوال اللہ، زاہد متواضع، قرآن مجید کے بحرِ فوار، حقیقت و معرفت کے  
 روز و اسرار کے واقف تھے۔ صاحب مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ آپ کی تالیف  
 میں لکھتے ہیں۔

”حضرت ایٹان را در علم الیقین و حق الیقین و عین الیقین حنظا عظیم و علم کامل  
 بود، و درین مقامات درک وافر می داشت۔“

یعنی حضرت کا صاحب علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کا کامل و مکمل علم  
 رکھتے تھے اور ان سے اور ان کے مقامات سے بہت عظیم اور افرز واقفیت کے  
 مالک تھے۔ صاحب علم لدنی تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر تھی، آپ مستجاب الدعوات تھے  
 انتہائی یک سو، گوشہ نشین اور کم گو تھے۔

حضرت کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کے دست گرفتہ نہیں تھے۔ آپ کا طریقہ  
 اولیٰ تھا۔ صاحب مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ فرماتے ہیں۔

۱۰ ایضاً ص ۷

۱۱ آپ کے فرزند میاں عبدالحلیم صاحب مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ ص ۱۹ پر لکھتے ہیں، کہ ایک روز  
 میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا۔ ”کہ یا حضرت شیخ، پیر شاکست۔“ آپ کا پیر کونسا ہے تو فرمایا۔ ”وہ  
 خواہم دید۔“ اور اکثر اوقات یہ بھی کہتے۔ ”شیخی بشیخان بخشیدم، مہیری بہ پیران بخشیدم و سلوک بہارکای  
 بخشیدم، و تصرف بصوفیای بخشیدم، دمن برآتم کہ اللہ تبارک تعالیٰ زنجیر بندگی در گردن من انداختہ و  
 تو تعالیٰ زنجیر از گردن من بردگر و اند۔“

۱۲ مصنفہ مبارک عبدالحلیم صاحب فرزند ارجمند کا صاحب، ح ۱۰ ص ۱۹

”اویسی طریقہ داشت ، نوازش زنبی یافت“

یعنی اویسی طریقہ رکھتے تھے ، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے سرفراز تھے ، ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

”پس طریقہ حضرت اویسی بود ، و مرئی اور حضرت نبی بود صلی اللہ علیہ وسلم  
یعنی آپ کا طریقہ اویسی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی پرورش  
کرتا تھا۔

آپ کے فرزند جناب میاں عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں کہ ”اگرچہ آپ نے  
کبھی نہیں فرمایا۔ مگر میرے خیال میں آپ اپنے والد حضرت شیخ بہادر صاحب رحمۃ اللہ  
سے سلسلہ سہروردی کی نسبت رکھتے تھے۔

”بخاطری رسد کہ بطریقہ سلسلہ سہروردی از جناب پدر خود شیخ بہادر  
ہم نسبتی وارو، و از قول صریح اوقدس سرۃ طریقہ اویسی معلوم شدہ است۔“  
آپ نے اپنی عبادت کا مقام اپنے والد گرامی کی قبر مبارک پر مقرر کیا ، اور جتنا بھی  
آپ کو فیض حاصل ہوا اور فتوحات و برکات ملے یہ سب اپنے والد عالی مرتبت کی  
قبر مبارک سے حاصل ہوئے۔ آپ سے اتنی کثرت کے ساتھ کرامات  
کا صدور ہوا کہ ان کے جمع کرنے کے لئے پورا ایک دفتر چاہیے۔ اس وقت آپ کی قبر  
مبارک سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آ کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ میاں عبدالحمید صاحب  
لکھتے ہیں۔

بعد وفات و رحلت حضرت ایشان بسیار کسان فیض پایافتہ وہی یا بند بستور

بعض راہِ خواب، وبعض راہِ حضور مزار حضرت ایشان۔“

یعنی آپ کی وفات کے بعد بہت لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور  
کہہ رہے ہیں، بعض کو تو خواب میں بھی آپ نے فیضیاب کیا ہے اور آپ کے مزارِ ثیریا  
پر بہتوں کو فیض حاصل ہوا ہے۔

حضرت شیخ دریا صاحب ساکن چمکنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا  
کہ حج کا ارادہ ہے اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت نہ دی، ہمیں چار بار ایسا ہی ہوا۔  
آخر ایک بار آپ نے ان کو اجازت دے کر فرمایا۔

”یا شیخ دریا۔ این دیدن مثل دیدن قیامت می نماید“

یعنی یہ ملاقات اس طرح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ قیامت کو ملاقات ہو۔ حضرت  
شیخ دریا صاحب حج سے فارغ ہو کر جب قندھار پہنچے تو وہاں پر پتہ چلا کہ حضرت  
کا صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ کے اس کشفی قول  
کو یاد کر کے روتے تھے۔

فقیر جمیل بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت کا صاحب نے  
تین لادوں سے آگاہ کیا ہے، اور وہ ایسے لاد ہیں کہ میں ان کو ظاہر نہیں کر سکتا ہوں  
اور اگر ظاہر کروں تو اس میں میری ہلاکت ہے۔

”اونی ازاں این است کہ شیخ جی صاحب فرمودہ کہ ہر وقت من انگشت نمونہ

نے حضرت شیخ دریا صاحب کی مزار چمکنی کے باہر ہے۔ شیخ دریا صاحب پہلے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ  
کے مرید ہوئے، پھر کا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت سے نوازے گئے۔ یہ بڑے صاحبِ کرامت بن گئے۔

”نہم از مشرق و مغرب کل جہان بتصرف من می آید“

یعنی اس راز کی ادنیٰ بات یہ ہے کہ حضرت کا صاحب فرماتے تھے، کہ اگر میں اپنی نرانگلی کو ہتھیرا رکھ دوں تو تمام جہان میرے زیر نگیں ہو۔

آپ وفات سے ایک سال پہلے سے علیل رہتے تھے۔ مگر باوجود علیل رہنے کے آپ نے نماز قضا نہیں کی۔ اکثر اوقات قیام کی طاقت نہ رکھتے تو دو آدمی آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے، پھر آپ نماز کی تکمیل کر دیتے۔ اپنے معمولات کو آخری وقت تک پورا کیا۔

۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے نکلا۔ آپ کی روح قفسِ عنقریب سے پرواز کر گئی۔

آپ کی عمر اسی برس تھی۔ گویا آپ کی پیدائش ۹۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ آزاد گل صاحب، محمد گل صاحب، خلیل گل صاحب، عبدالحلیم صاحب، نجم الدین صاحب۔

آپ کی اولاد میں علماء، فضلاء اور صاحبانِ دولت و حکومت ہیں، عوام میں اور خصوصاً علاقہ خشک میں آپ کی اولاد کو بڑی قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

آپ کے بہت خلفاء ہیں ان میں یہ خلفاء بہت مشہور ہیں جو صاحبانِ علم و فقر اور صاحبِ کرامات تھے۔

غازی خان صاحب، عزیز بن شیخ صاحب، عبدالحلیم مشہور، شیخ رحیم خشک علی گل و



گل (یہ دونوں آپ کے خاص خادم بھی تھے، ان دونوں کی قبریں بھی آپ کے روضہ میں ہیں)۔ فقیر صاحب شگلی، شیخ جمیل صاحب یہ خوشحال خاں نٹک جو کہ مشہور شاعر ہیں کا بھائی ہے اور آپ کا مرید ہونے کے بعد فقیر جمیل بیگ کے نام سے مشہور ہے۔ نٹک قوم کا امیر تھا۔ میرزا گل صاحب یہ ولی کامل تھے۔ شیخ بابر صاحب دریاخان صاحب چکنی، شیخ فتح گل صاحب، شیخ اوین صاحب، شیخ کمال صاحب، شیخ حیات صاحب، پیرمیاں حاجی صاحب، حسن بیگ صاحب، اخوند ہلال صاحب یہ قلمبر تھے۔ اخوند اسماعیل صاحب۔

# حضرت شیخ المشائخ حاجی محمد اسماعیل غوری رحمۃ اللہ علیہ

۹۹۶ھ تا ۱۱۱۱ھ

آپ کا نام گرامی محمد اسماعیل غوری ہے، حصول علم کے بعد آپ نے ہفت اقلیم کا سفر اختیار کیا۔ عربین الشرفین بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، بسطام بخارا یعنی تمام ممالک پھرے ان ممالک کے علماء، مشائخ اور فقراء کو ملے۔ اور طریقہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے کامل ترین افراد سے مل کر روحانی فیوضات کا وافر حصہ پایا اور نہایت ہی مستفید و مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا، اور لاہور پہنچ کر حضرت شیخ سعدی لاہوری سے بیعت کر کے سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔ آپ نے جناب محمد اسماعیل صاحب کو صاحب مجاز اور معین کیا اور وصیت کر دی کہ ”کسب معاش کر کے وزی حلال کھاؤ، اور اللہ ورسول جل جلالہ، وعلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرو۔“ آپ نے اپنے پیرو مرشد کے شیخ حضرت سید آدم بنوری کی صحبت کیما اثر سے بھی فائدہ حاصل کیا۔ صاحب

۱۔ حضرت شیخ سعدی لاہوری، حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ شیخ سعدی لاہوری کی پرورش بھی سید آدم بنوری کی تھی۔ پھر مرید اور خلیفہ بنایا۔ آپ مادر زاد ولی تھے اور طریقہ اویسی بھی رکھتے تھے۔ صاحب کرامات و اخلاق حمیدہ تھے۔ اپنے شیخ کی محبت کو ایمان سمجھتے تھے۔ بروز بدھ ۳ ربیع الثانی ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی۔

مخزینۃ الاصفیاء فرماتے ہیں۔

”صعبت کیمیا خاصیت حضرت آدم بنوری ہم فائز گشتہ“

نیز آپ کے پیرو مُرشد کے پیر بھائی حضرت یار محمد گل ہماری سے بہرہ کامل اور فائدہ  
 وافر حاصل کیا۔ اپنے مُرشد کے ارشاد کے مطابق پشاور میں آکر تجارت شروع کی اور سلسلہ  
 عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت میں بھی منہمک ہو گئے۔ خوردہ فروشی کی دکان کر لی تاکہ  
 رزق حلال حاصل ہو اور عبادت کے لئے مسجد مہابت خاں کو منتخب کیا۔ صاحب روضۃ السلام  
 شیخ شرف الدین کاشمیری فرماتے ہیں کہ آپ مسجد مہابت خاں پشاور میں جب ذکر و مراقبہ  
 میں مشغول ہوتے تو باوجود اتنا پختہ اور مضبوط عمارت ہونے کے ملنے اور حرکت کرنے لگتی،

جان کے الفاظ ہیں

”آنجناب مسجد مہابت خاں کے عمارتیں درستی و استحکام ثانی ہمارے ہاں چونکہ

مراقبہ مشغول می شد مسجد ہمیش می آمد“

غزنی بخارا اور قندھار سے لوگ آکر آپ سے بیعت ہوتے اور اس علاقہ میں آپ

سے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ سنت مبارکہ سید و عالم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے بہت ہی پابند تھے۔ اگر کسی کو بھی سنت مبارکہ کے خلاف کرتے دیکھتے تو نہایت

ہی سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے اخلاق کا ہر ایک شخص ملاح تھا۔ محل و پروباری اور عفو و گذر

کمال درجے کا تھا۔

صاحب روضۃ السلام لکھتے ہیں کہ

”خواجہ اسماعیل خوری جامع خوارق و کرامت بود، و ہر چند کہ وی با خفائی خوارق

بی کہ شدید بے اختیار از او سے سر می زد“

یعنی ”آپ مجتہد خوارق و کرامت تھے اور اگرچہ آپ کرامات کو ہر ممکن چھپاتے اور اظہار نہ کرتے تھے، مگر آپ سے بغیر اختیار کے کرامات کا صدور ہو جاتا“

صاحب خزینۃ الاصفیاء، شیخ شرف الدین سے نقل کرتے ہیں۔

”چوں مخراب آن مسجد (یعنی مسجد مہابت خاں) از وقت بنائے مسجد قدس کچی از سمت قبلہ داشت و بسبب کنگی شکست و ریخت شدہ بود، ساکنان آن محلہ رجوع بشیخ اسماعیل آیدوند کہ دیں باب توجہ بکار بزند، کچی مسجد راست گردو، و مرمت و شکست و ریخت بوقوع آید، عرض اہل محلہ بمعرض قبول درآمد و آنحضرت دیں باب توجہ بکار بود، و شباشب کچی مسجد ہم رو بر راستی نہاد و شکست و ریخت عمارت ہم درست گردید“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ بقول مولانا مولوی مفتی غلام سرور صاحب

لاہوری۔

”عمرے طویل داشت بیک صد و پانزہ سالگی رسیدہ بود“

یعنی آپ کی عمر ایک سو پندرہ برس کی تھی۔

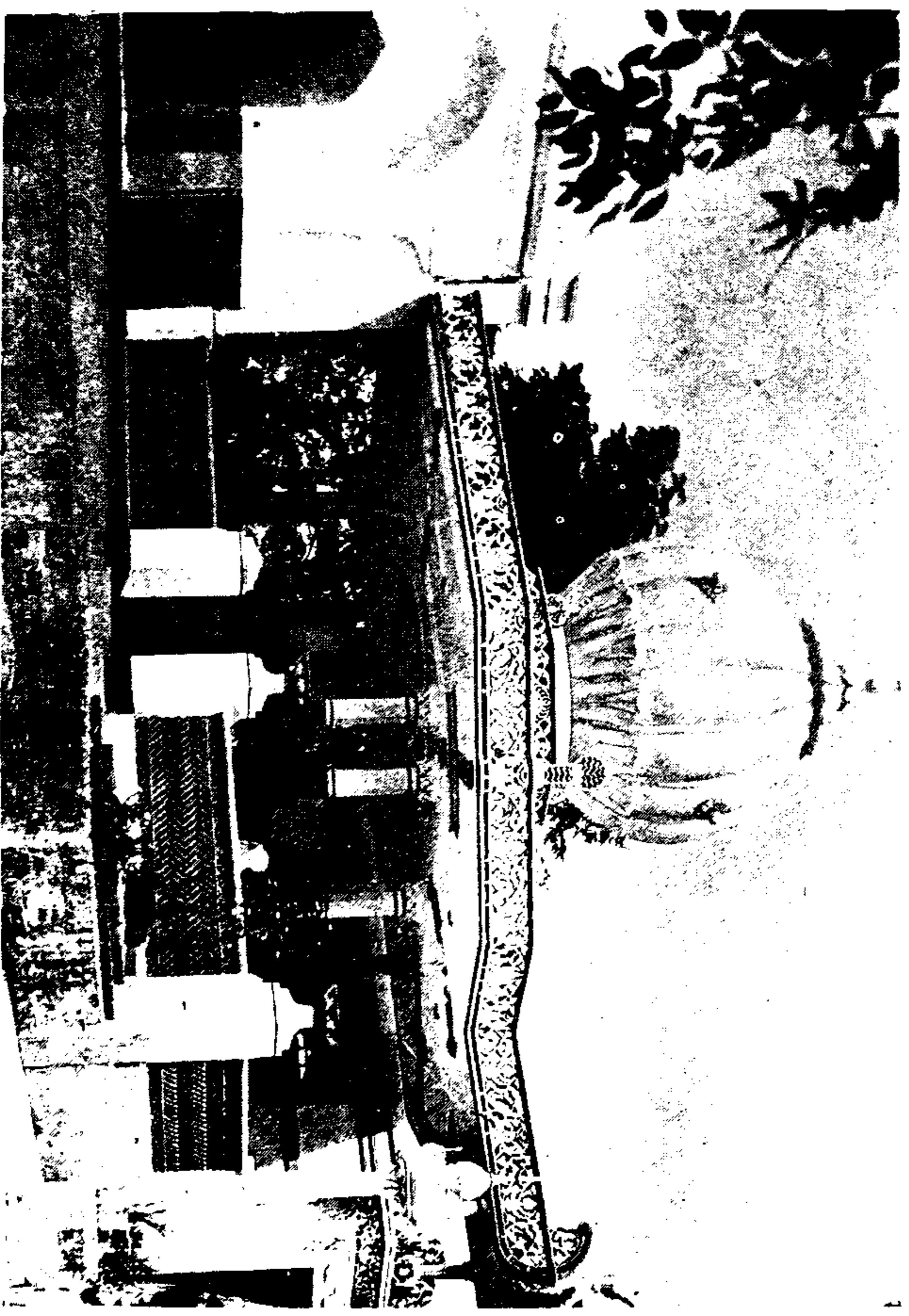
آپ کی وفات ۵ جمادی الآخر ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ پشاور میں تھا، مشرقی کے سامنے متصل کچھری باؤفن گئے گئے۔

۱۔ جب مسجد مہابت خاں کی تعمیر ہوئی، تو مسجد کا قبلہ کج دکھائی دیتا تھا اور مرمت کے قابل ہو گئی تھی۔ اس علاقہ کے لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی یا حضرت توجہ فرماویں کہ یہ کچی قبلہ جو نظر آتی ہے درست ہو جائے اور مرمت بھی ہو جائے۔ آپ نے

اہل محلہ کی درخواست پر ایسی توجہ فرمائی کہ راتوں رات قبلہ کی کچی بھی جاتی رہی اور مسجد کی مرمت بھی ہو گئی

۲۔ آپ کے پہلو میں سورج ڈوبتے کی طرف آپ کے مرید حضرت عبدالغفور صاحب دفن ہیں۔

روزہ تہجد سے لے کر نماز تک اور نماز تک



# ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب قاورمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۲۳ تا ۱۱۱۵ھ

**اسم شریف**

آپ کا نام نامی وایم گرامی سید حسن ہے۔ مگر مختلف ممالک میں آپ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں آپ کو سید حسن علاء ہائے کشمیر و پونچھ میں شاہ ابوالحسن، اور صوبہ سرحد میں سید حسن بادشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اہل پشاور آپ کو ازراہ خلوص و عقیدت ”میراں سرکار“ کے دل پسند نام سے یاد کرتے ہیں۔ مؤخر الذکر نام حضور کی اس نسبت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو آپ کو حضرت عورتِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابکات سے ہے۔

**نسب**

آپ کا نسب صحیح و سہولوں کے بعد قطب الدائرہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب بن حضرت محبوب سبحانی عورتِ اعظم سید عبدالقادر حبیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اور پھر تیرہ واسطوں سے مظہر العیانتب والغرائب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک فہمی ہوتا ہے۔

۱۔ خزینۃ الامنیاء

۲۔ تاریخ کشمیر، تاریخ اعظمی، تاریخ اقوام کشمیر، محمدین فوق، قلمی مسودہ زینتی محمد شاہ صاحب مفتی و مؤرخ کشمیر۔

۳۔ تاریخ پشاور۔

**ولادت** | آپ جاوی الاخر سنہ ۱۲۳۳ھ میں ٹھٹھہ (سندھ) کے مقام پر عارفِ کامل عالمِ اجل حضرت سید عبداللہ صاحب المشہور "سحابی رسول" کے ہاں کرمِ عدم سے مندرجہ مشہور بہ جلوہ گر ہوئے۔

جناب سید عبداللہ صاحب حکما سے بغرض تبلیغ و سیاحت سندھ تشریف لائے تھے اور سلسلہ و رشتہ ہدایت جاری فرما کر سر زمین ہندوستان کو قرآن و حدیث سے متاثر فرمایا۔

**تعلیم و تربیت** | آپ کا گھر علم و حکمت اور تصوف و عرفان الہی کا دارالعلوم تھا۔ آپ کا ماحول یادِ الہی اور اتباعِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے جگمگا رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی خاندانی عظمت و شرافت علمی فضیلت اور فقر

نبوت سے وافر حصہ پایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر سایہ ہوئی، چونکہ آپ کا گھر علم و فضل اور فقر و طریقت کا گوارہ تھا لہذا آپ نے چھوٹی عمر میں ہی یعنی ۱۶ برس کی عمر میں (جملہ علوم درسیہ کی تکمیل کر لی۔ ۱۷ برس کی عمر میں درسِ تدریس کا کام سنبھالا اس کے ساتھ ساتھ کمالِ استقامت و استقلال سے منازل سلوک و تصوف طے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جناب سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"تربیت از پدر مشفق خود بے حد و بے عدویافتند، و زیر سایہ لطف ایشان معرفت حاصل نمودند، و بہ درجہ انتہا رسیدند"

مولانا کشمیر مفتی سید محمد شاہ صاحب سعادت ایک مرحمت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: "اپنے والد

۱۰ نفی رسالہ از سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۱ حضرت قدخ کشمیر سے ۱۲۶۶ھ و ۱۲۶۷ھ میں مسلسل ملاقات رہی۔ علاقہ کشمیر میں پتا بیخ میں سند تسلیم کرنے گئے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ معلوم نہیں کہ اب زندہ ہیں یا نہیں؟

سید شاہ عبداللہ صاحب سے روحانی تعلیمات کا سرمایہ حاصل کیا۔

آپ اپنے والد محترم حضرت سید عبداللہ صاحب سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے تھے۔ نیز صاحب مجاز و معتمد بھی تھے۔ آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ

بیعت

کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ کے ہر ایک فروغ نے اپنے والد سے ہی فیض

اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور تمام فیوض باطنی کا اقتساب کیا۔ اس سلسلہ طیبہ کے سب

کے سب افراد صاحب ولایت تھے۔ اور استقامت فی الدین میں درجہ کمال تک پہنچے

ہوئے تھے۔ دنیوی لحاظ سے بھی ایک بلند اخلاق، صاحب عزت و شرافت شہری تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر سید حسن صاحب اور ان کے بعد اب تک سب

کے سب افراد بفضلہ تعالیٰ عالم، فاضل، متورع اور مبلغ اسلام صاحب کرامت تھے۔

اور آج تک ان کے مزارات، ان کی پاکیزہ زندگی اور عظمت کے شاہد ہیں۔ جہاں ہر وقت

تلاوت قرآن مجید، رُود شریف اور یا و الہی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ سلسلہ عالیہ اسی طرح

اللہ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس وقت تک جاری ہے۔

والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ فکر، فکر، مراقبہ، رہباضات نفس اور

مجاہد و تزکیہ

کامل خلوت میں مصروف تھے کہ یکایک آپ کی طبیعت میں وحشت

و نفرت پیدا ہوئی۔ حضرت علامہ امام لہرقیہ سید شاہ محمد غوث صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

والد گرامی سید حسن صاحب فرماتے ہیں۔

”ولم اذانس انسان وحشت کلی گرفت، وارن خویش و بیگانہ نفرت محض پدید آئی“

اس کے بعد کیا ہوا آپ فرماتے ہیں۔

لہ قلمی رسالہ ۶



”پس بعزم ریاضات و مجاہدات در ہزارہ شور و فتنہ و ہفت سالہ چلہ کشیم،  
تاستر عورت تمام شب در میان آب می استاوم و روزانہ بر کنار آب می نشستیم و  
قوم از برگ درختاں بود کہ خود می ریختند“

یعنی آپ ریاضت و مجاہدہ کیلئے دریائے شور تشریف لے گئے اور مسلسل سات برس کا چلہ کاٹا  
سات ستر عورت تک اس پانی میں گزارنے اور تمام دن اس پانی کے کنارے پر بیٹھے رہتے  
آپ کی غذا درختوں کے پتے تھے جو خود بخود گرتے تھے۔ جناب حضرت محدث حبیب  
شاہ محدث صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسالہ ”در کسب سلوک و طریقت“ میں تحریر فرماتے ہیں  
”وہ اکثر بلاد و خدمت بزرگاں و خلوت و اربعین ششمہ فوائد حاصل نمود“

یعنی اکثر شہروں میں بزرگان کرام کی خدمت میں رہ کر چلے کاٹے اور فوائد حاصل کئے۔

اپنے آبائے کرام کی سنت کے مطابق جب آپ کمالات ظاہری  
و باطنی سے مزین ہو گئے تو تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان کے کونے

سفر

کونے میں پھرنے کے لئے نکلے۔ ایک ایسے وقت میں آپ نے یہ تبلیغی سفر اختیار کیا جبکہ

مسافر کو آج کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ تقریباً تمام سفر پیدل کیا۔ اثنار سفر میں ہر قسم کی تکالیف

کا سامنا کرنا پڑتا، اور پھر یہ کہ یہ سفر کسی دنیاوی طمع یا لالچ کے لئے نہ تھا بلکہ تبلیغ اسلام

تلاش ہی، اشاعتِ سنتِ نبوی اور باوہمی کے لئے تھا۔ اس سفر میں آپ کے چھوٹے

بھائی ابوالکارم حضرت شاہ محمد فاضل غازی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں کن کن

بے دین اور بد اخلاق لوگوں سے آپ کو واسطہ پڑا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں بھی

ہم تبلیغ کے لئے گئے وہاں۔

”بغیر از کفر و بت پرستی بوائے از دین و آئین و رآن سرزمین نہ بود“

یعنی سوائے کفر اور بُت پرستی کے اس سرزمین کا دین و آئین تھا حقیقت بھی یہی ہے کہ تارکی میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خشک اور بخرزمین کو پانی کی اشد ترین حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں کا وجود بوجہ یادِ الہی کے فوراً اور رحمت ہوتا ہے۔ جہاں بھی ایسے بابرکات حضرات پہنچتے ہیں وہاں سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ کفر اور محصیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کے وجود باوجود کی برکت سے اس وطن کے رہنے والوں کو رحمتِ الہی اپنی آغوش میں لیے لیتی ہے۔ وہی سرزمین جہاں کفر اور بُت پرستی کا دور دورہ تھا آپ وہاں تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ نتیجے کے طور پر ہزار ہا لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوتے۔ وہ مقام جہاں پر اللہ جل جلالہ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے عبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اوصافِ حمیدہ سے کوئی واقف نہ تھا۔ عدل و انصاف کا نام تک نہ تھا۔ وہاں پر قحطی مرت میں آپ کی کوششوں سے اسلام کو اتنی ترقی ہوئی کہ ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ آپ نے جہاں پر بھی تبلیغ کی نہایت ہی منظم طریقہ پر کی۔ مساجد بنا کر باقاعدہ قرآن مجید کی تعلیم کتب اور تبلیغ کی ایک جماعت کا انتظام کرتے۔ صرف کاٹھیا واڑ اور گجرات کے علاقہ میں دوسو پچاس مسجدیں تعمیر کیں اور پانچ خلفاء مقرر کئے جو باقاعدہ اپنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دورہ کر کے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرتے تھے، ان کے مواعظ و نصیحت کا مرکزی نقطہ "صدق مقال" اور "اکل حلال" ہوتا، گجرات سے ہونے ہوئے "شاہ جہاں آباد" تشریف لائے۔ وہاں پر بھی اسی ہیج سے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مخلوق خدا کو اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بنانے لے۔ غرضیکہ تبلیغ کرنے کے لیے پنجاب پہنچے۔ لاہور میں قیام فرمایا۔ مگر وہاں بھی آپ مستقل نہ

ظہر کے اور آپ کیسے ٹھہر سکتے تھے۔ جبکہ آپ کو سرکار بغداد و سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پشاور میں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی، اور ہرات تک تبلیغ کرنے کا حکم تھا۔ اور اس تمام علاقہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کروانی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۸۲۰ء میں آپ پشاور پہنچے، پشاور سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ (سلطان پور کے نام سے موسوم تھا اور اس کو حلقہ بگرام کہتے تھے) میں قیام کیا۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو امر فرمایا کہ ”اے بیٹا یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں اقامت اختیار کرو۔“

”وہاں اور ہر حال بانو مقصود واری“

آپ کو جناب سرکار بغداد نے اپنے عصا سے بتایا کہ ”اس جگہ مسجد اس جگہ مکان اور یہ تمہاری قبر ہوگی۔ اللہ جل جلالہ کو اپنے ہر کام میں کارروا اور مشکل کشا جان کیونکہ وہی اس قابل ہے، اور جو کچھ میں نے بتایا ہے خود بخود ہو جائے گا۔“

آپ صبح کو اٹھے اذان دی، نماز پڑھی فرماتے ہیں۔

”ہنوز اشراق نہ خواندہ بودم کہ مردم شہر و اطراف و جوانب فوج در فوج می آیند، بردسوخ و اصفہان و ملاقات می کنند، کہ گویا آشنائے صد سالہ من بودند۔“

پٹھانوں کے بڑے بڑے سردار اور ارباب بھی آنے لگے، مخلوق خدا کا اثر و حامی ہو گیا۔ آپ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا، لنگر جاری کر دیا۔ جس جس جگہ سرکار بغداد نے تعمیر کی جگہیں بتائی تھیں وہاں پر لوگوں نے خود بخود تعمیر کر دی، جو بھی آتا اپنی قسمت اور قابلیت کے مطابق معرفت الہی حاصل کرتا اور نجات اخروی پاتا، آپ فرماتے ہیں۔

”ہر کہ بطلب مولیٰ می آمد موافق استعداد تعلیمش می کروم“

چونکہ تمام علاقوں میں آپ نے تبلیغ کا کام کرنا تھا، لہذا آپ نے اس تمام علاقہ کا مرکز پشاور کو بنایا اور تبلیغی سفر کے لئے نکلے آپ

سفر کشمیر

نے ۱۸۹۰ء میں جناب عنایت اللہ صاحب گجراتی (پنجاب) کو صاحب مجاز کر کے یہاں کی خانقاہ کی تعلیم و تربیت کا تمام کام سپرد کر کے خود براستہ و ہمتوڑ، پھلی، ہزارا کشمیر روانہ ہوئے۔

جناب مولانا کشمیر مفتی سعادت صاحب فرماتے ہیں کہ ”آپ نے ۱۸۹۱ء میں کشمیر پہنچ کر تشنگان ہدایت کو علوم باطنی سے سیراب کیا۔ خواجہ عبدالرحیم قادری، میر افضل ندرانی، شاہ عنایت اللہ قادری وغیرہم حاضر ہو کر آپ کی توجہات اور فیوض رحمت سے بہرہ مند ہوئے۔ جناب حضرت علامہ وقت محمد افضل صاحب نے مزید ہو کر فرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ اس سفر میں بھی حضرت ابوالکارم شاہ محمد فاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہم رکاب تھے۔ بقول سید غلام رحمۃ اللہ علیہ۔

”در محلہ عید گاہ در خانہ منصب داری نزول فرمودند۔“

آپ چھ ماہ کشمیر رہے۔ تبلیغ، سخاوت، بخشش کا طریقہ جاری رکھا، فگر جاری کیا۔

سینکڑوں غریب، فقرا، عاجز، مسافر اور بے وسیلہ لوگوں کی خدمت کی۔ خواجہ بہار الدین

لکھنؤ اپنی کتاب بنام عزت شریف میں فرماتے ہیں۔ ”آپ کے فگر سے چھ سو آدمی روزانہ بیٹ

بھر کر کھانا کھاتے۔ اور جو مفلوک الحال ہوتے ان کو کپڑا بھی عنایت فرماتے۔“ آپ کا اپنا ارشاد ہے۔

مولا کشمیر کے کتب خانہ میں جو کہ سو فگر میں واقع ہے یہ علمی کتاب سلسلہ میں دیکھی ہے

”حق تعالیٰ چنان نواز شتم فرمودہ است و چنان ولتم عطا فرمودہ است کہ اگر اہل مشرق و مغرب جمع شوند و ہر روز از من نفقہ خواہند ہمہ را بدہم و ہرگز بجز ما تم نہ یابم۔“

یہی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی نوازی نہیں کی ہیں اور اس قدر دولت مرحمت فرمائی ہے کہ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو کر مجھ سے نفقہ طلب کریں تو سب کو دوں اور کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ آپ کے اس بڑے عطا کو دیکھ کر صاحب تالیخ اعظمی (کشمیر) فرماتے ہیں۔

”باوجود انہیں قلیل البضاعت احتیاج استکشاف بنو۔“

آپ کی بے لوث تبلیغ اسلام اشاعت سنت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم یاوالہی خدمت فقرار، اور زہد و ریاضت کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر طرف سے لوگ جوق درجوق آنے لگے چند ماہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت ابوالکارم سید شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرما کر کشمیر میں مریدین کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لئے مقرر فرما کر پشاور واپس ہوئے۔

کشمیر سے واپس پشاور پہنچ کر چند ماہ آرام فرمایا، اور پھر کابل کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

آپ نے کابل کا سفر تین بار کیا۔ ان تینوں سفروں میں صوفیاء، علماء، مشائخ اور فقہاء سے ملتے رہے۔ ہزار ہا تشنگان ہدایت کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے عرفان الہی سے سیراب کیا۔ گورنر کابل امیر خان سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ دوسری بار گورنر کابل امیر خان

آپ کا مزار پشاور کشمیر کے دارالحدیث سرہنگ کے قلب میں موسم بہار یا ”موج عام غلات“ ہے۔ آپکی وفات ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔

کی دعوت پر کابل تشریف لے گئے۔ آپ نے تمام حکام کو جمع کر کے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ تشریح اسلام کی پابندی، غریبوں مسکینوں کے حقوق کی حفاظت، خصوصیت کے ساتھ غریب اور نادار طالب علموں کی اعانت کی ترغیب دی۔ بیواؤں اور یتیموں کے وظائف ان حکام سے مقرر فرمائے۔

آپ نے کابل میں بھی لنگر جاری رکھا۔ اس سفر میں آپ غزنی ہرات اور غور و راز مقامات پر بغرض تبلیغ تشریف لے گئے۔ تیسرا سفر بالکل تنہائی کا تھا۔ اس سفر میں صرف ان حضرات سے ملے جو منتہی ساک تھے اور جن کا مقصد اعلیٰ مقامات اور مدارج علیا ملے کرنا تھا۔ البتہ لنگر بدستور سینکڑوں افراد کو روزانہ ملتا۔ یہ سفر صرف چند دن کا تھا۔ غرضیکہ ان تمام سفروں میں آپ نے انتہائی بیختمہ عزم و یقین کے ساتھ تبلیغ اسلام فرمائی۔ قرآن مجید کی تعلیم عام کی۔ اشاعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور سلسلہ عالیہ قادریہ کو اس عروج و کمال تک پہنچایا کہ آج جبکہ ۱۶۷ برس آپ کو بیت چکے ہیں سر زمین سرحد پنجاب، افغانستان اور کشمیر کے گوشہ گوشہ میں آپ کی روحانی تعلیم کے پشمے اُبل رہے ہیں اور لوگ ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

پشاور شہر کے قریب بطرف مغرب ایک گاؤں کو نذیر محسن خان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ایک بڑے خان نے جس کو وہ "ارباب" کہتے ہیں اپنی صاحبزادی کی پیشکش کی، آپ نے قبول فرمایا۔ اس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا، جو اپنے وقت کا محدث جلیل، فقیہ اعظم، شیخ الشیوخ بنا۔ ان کا نام تیسرے بین العابدین تھا۔ اس شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ نے موضع کنڑ کے صحیح النسب

آپ کا مزار ضلع ہزارہ میں تحصیل ہری پور میں سویمان ریلوے اسٹیشن سے ہری پور روڈ پر سلطان پور گاؤں میں واقع ہے  
آپ کی وفات ۱۱۸۷ھ میں ہوئی ہے

ساوات گھرانے میں شادی کی خواہش گھرانے کی یہ گھرانہ عظیم المرتبت ولی اللہ غوث خراسان  
حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ تھا۔ یہ صاحبزادی جس کے ساتھ  
آپ کی شادی ہوئی حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی تھی اور بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء  
» در طاعات و عبادات رابعہ عصر بود «

کچھ روز قدر کے بعد آپ کی شادی اس عابدہ صالحہ بیوی کے ساتھ ہو گئی۔ جس  
کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند عنایت فرمائے۔ ایک حضرت علامہ اجل ،  
محدث اعظم ، عارف باللہ شارح صحیح البخاری حضرت سید شاہ محمد غوث صاحب شادی  
لاہوری۔ دوسرے حضرت سید علی صاحب ، ان بیٹوں صاحبہ کا مزار آپ کے پہلو میں واقع ہے  
اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستورہ سے مزین  
فرمایا تھا۔ غریب کی دلجوئی ، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک ، امر اور حکام  
سے تحائف قبول نہ کرنا ، اور ان کی غیر شرعی عمرات پر بغیر کسی خوف و حزن کے آپ  
ان کو متنبہ فرمائے۔ بیواؤں اور غریب کنواری لڑکیوں کی اپنے اخراجات سے شادیاں  
کرواتے۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو مقناطیسی کشش کی طرح قلوب خاص و عام کو شرمندہ  
احسان کرتی تھیں۔

محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار بونیر میں مزین خلاق ہے۔

۲۔ بنت محمد جمال بن سید عبدالوہاب المعروف میان عبدل مزار موضع تختہ بند علاقہ بغیر بن سید مصطفیٰ محمد

المعروف میان مصطفیٰ بن سید پیر بابا۔ مزار موضع دونائی پشت علاقہ گنٹو۔ سمت مشرقی (افغانستان)

”خدمتِ فقرا و مساکین بسیار ہی کر دند و بر عام خلایق چنان شفقت می

فرزند کہ گویا عیال ایشان بووند“

حضرت علامہ سید غلام صاحب تحریر فرماتے ہیں -

”پر عظم خلقت چنان شفقت و رافت و مہربانی داشتند کہ پدر با پسر وابستہ

باشد“

عفو و کرم، علم و بردباری، تواضع و انکساری کے ایسے عمل نمونے آپ کی زندگی میں ملتے ہیں کہ گویا آپ کمال طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی عملی تفسیر تھے۔ یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے جن کی بدولت ہزار ہا گمشدگان باویہ ضلالت کو نیک اعمال کی ہدایت ہوئی۔

آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی حکام وقت سے تحفہ یا نذرانہ قبول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو ان کی زندگی کا صحیح مقصد یعنی انصاف، دیانت و اری، مساوات، اخوت، عدل، غربا پروری اور حسن سلوک کی نصیحت فرماتے۔ نیز ان لوگوں کو قوم کو سچ کرنے کا صحیح مہر بتاتے۔

ایک بار گورنر کابل نواب امیر خان نے اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ سے آپ کے فرزند جناب حضرت سید شاہ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ کے نام گنڈان معیشت کے لئے قطعہ ارضی کا فرمان لکھوا کر حضرت سید حسن صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرما کر فرمایا۔

”یا امیر جزاک اللہ! کہ خیر خواہی فقرا، مرکوز خاطر واری، اما من طالب این

نیستم و احتیاج این ندارم“



کہہ کر تُوہ فرمان واپس کر دیا اور گورنر کابل کو نصیحت فرمائی کہ

”باید کہ یہ حاجت منداں و مستمنداں بدیہی کہ قوتِ لامیوتِ شماں شود“

یعنی ان لوگوں کو جو محتاج اور ضرورت مند ہیں یہ زمین دسے دو، تاکہ وہ زندگی بسر کر سکیں

اللہ اکبر! انا بڑا حاکم اپنی کمال عقیدت سے آتا ہے۔ اور نگ زیب عالم گیر بادشاہ

کی طرف سے زمین کا ایک قطعہ دیا جاتا ہے۔ مگر آپ اس کو قبول نہیں فرماتے نیز اس

حاکم وقت کی صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ کاملہ و عداوت تھا جس کی وجہ سے بڑے

بڑے امراء و بادشاہ، بوریہ نشین فقرا کی خدمت کو بایہ صدہ نازش و افتخار سمجھتے تھے۔

آپ کے اس ارشادِ گرامی کا ایک ایک لفظ سچائی، بیانت، امانت اور اخلاص کا مظہر ہے

**کرامات** | جناب یتیم غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”کرامات ایشاں مثل قطرات و مطرات لا یعد ولا یحصی است“

یعنی آپ کی کرامات بارانِ رحمتِ الہی کے قطروں کی طرح ان گنت اور بے شمار ہیں

جناب محدث جلیل حضرت شاہ محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”نوارق عادات انیں شاں بحدے ظہور یافتہ کہ تحریر آں دریں مختصر کتبائش

مدارو“

یعنی آپ کی کرامات اس حد تک ظاہر ہوئیں کہ ان کی تمام تفصیل اس مختصر مجال میں

نہیں سما سکتی“

اوپر کرامت سے کرامات کا صدور ایک مستحسن امر ہے۔ مگر اولیائے کرام نے ہمیشہ

شریعت مطہرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا۔ ان کی

زندگی کا مقصد ہی اتباعِ سنت ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قربِ الہی حاصل کریں۔

دوسرے امور ان اولیاء کرام کی نظر میں ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔

سید غلام صاحب فرماتے ہیں۔ آپ کا ایک خادم ہر وقت گزشتہ اولیاء کرام کی کرامتیں بیان کرتا اور پھر آپ سے کرامت طلب کرتا۔ آپ نے اس کو فرمایا۔ اسے درویش کرامت کے درپے نہ ہو۔ یا واللہ! میں ہمہ تن مشغول رہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کی متابعت کر، کیونکہ نجات اسی میں ہے، لیکن وہ کرامت طلب کرتا رہا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ آپ ”امر بالمعروف“ کے لئے دو آبہ (مشتنگر) تشریف لے گئے۔ راستہ میں دریا بہتا ہے جس کو بذریعہ کشتی عبور کرنا پڑتا ہے۔ آپ اُس وقت ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور وہی خادم رکاب تھا۔ ہونے لگا۔ جب آپ کشتی کے قریب پہنچے تو آپ نے گھوڑے کی رگام کھینچی، گھوڑا بجائے کشتی کے دریا میں کود گیا۔ وہ خادم جو رکاب تھا ہونے لگا۔ تمام مرید اور معتقد گھبرا گئے کہ آپ بمعہ خادم و سوار دریا میں غرق ہو گئے ہیں۔ لیکن گھوڑی دیر بعد آپ بمعہ سوار اور خادم دریا کے دوسرے کنارے پر نظر آ گئے۔ اب حیرانگی و تعجب کا عالم تھا۔ کوئی آپ کے قدم چومتا کوئی ہاتھ، آپ کے کپڑے گھوڑا اور خادم بالکل خشک تھے۔ آپ نے اس خادم کو فرمایا۔

”یا عبد اللہ دیدی قدرت اللہ را“

یعنی اے اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ دیکھ لیا۔ اس نے عرض کیا ہاں جناب، پھر آپ نے فرمایا کہ پہلے تو گزشتہ اولیاء کی کرامت بیان کرتا تھا اب اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھ لیا، مگر یہ بات یاد رکھنا

”ایں ہمہ آنچه دیدی و شنیدمی بازی طفلانست و کار دیگر است ساکت“

ابن کار آفت است و مانع علو درجات است“

یعنی ”یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا اور سنا بچوں کا کھیل ہے۔ اصلی مقصد کچھ اور ہے۔ نیز سالک کے لئے یہ کرامات جتلانا باعث آفت ہے اور راہ سلوک میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔“

جب حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ہر گاہوں اور ہر شہر سے لوگ آئے۔ ان میں وہ لوگ بھی آئے جن کے آپ قرض دار بھی تھے۔ حضرت شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قسم کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے تو میں نے خیال کیا کہ یہ حضرات اپنے قرضہ کی وصولی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اس لئے میں نے ان سے پوچھا کہ تم کیا سرگوشیاں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔

”اے صاحبزادہ سخن از کشف و کرامات پدر بزرگوار شامی گویم و صنعت پروردگار یلامی بنم کہ بندگانِ خدا را چساں تربیت کردہ براتب رسانید کہ عقل و عزم این معنی عاجز و نظر صاحب نظران قاصر است“

حضرت شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس حقیقت سے آگاہ کرو تا کہ ذوق حاصل کروں۔ انہوں نے مل کر عرض کیا کہ چند دن پہلے جب ہم نے سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شدتِ علالت کے متعلق سنا تو ہمیں خیال ہوا کہ اگر حضور کا انتقال ہو گیا تو ہمارے قرض کا کیا بنے گا۔ ہم سب نے فیصلہ کیا کہ آپ سے بالمشاورت گفتگو کریں گے۔ جب رات ہوئی تو چند اشخاص جن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں نمودار ہوئے ان کی جیبیں اشرفیوں اور روپوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ حساب کرو، تاکہ حضور سید حسن صاحب کا قرضہ ہم ادا کر دیں۔

انہوں نے ہر ایک کا قرضہ چکا دیا اور تمسکات و جبتیں لے کر چلے گئے۔ جب اس بھری مجلس نے یہ واقعہ سنا تو سب زار و قطار رونے لگے۔ جناب شاہ محمد عورت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس واقعہ کا قطعاً علم نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ درویشی اور فقر کیا ہے۔ ایک شخص کے لاکھوں مرید ہیں۔ جن میں گورنر، حکام، اُمراء، فقراء، اور ہر قسم کے لوگ شامل ہوں۔ مگر اس درویش کامل کی وفات پر یہ امر حیاں ہوتا ہے کہ آپ چند ہزار روپے کے قرضدار بھی تھے، اور قبل از وفات وہ ادا بھی کیا۔

**وفات** حضرت قطب الاقطاب سلطان العارفين عورت زماں ابوالبرکات حضرت سید حسن بادشاہ صاحب گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعہ بتاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۵۱۵ھ بوقت عصر وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

# حضرت شیخ یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۴۱ھ تا ۱۱۳۱ھ

آپ کا اسم شریف شیخ یحییٰ والد کا نام پیرواؤ، کیفیت شیخ ابو اسماعیل یحییٰ اور لقب  
بزرگ الا عظم تھا۔ آپ چغتائی (مغل) تھے۔ آپ کے بزرگ ماوراء النہر (سمرقند اور بخارا) سے  
تشریف لائے تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں آپ حضرت شیخ المشائخ شیخ سعدی لاہوری کے دست گرفتار  
تھے اور انہی سے صاحب مجاز اور معنی تھے۔ آپ اپنے شیخ کی نظر میں بہت مقبول  
تھے۔ اور آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ جب حضرت شیخ سعدی لاہوری  
۱۰۵۰ھ میں پشاور تشریف لائے تو اپنے تمام مریدین و مخلصین کو ارشاد فرمایا کہ  
”ابو وہ جناب شیخ یحییٰ صاحب کی صحبت اختیار کریں اور ان سے فیض حاصل کریں“

۱۔ ہر الامراء مصنفہ حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن موضع چکلی پشاور۔

۲۔ شیخ سعدی لاہوری ۱۰۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت سید آدم بنوری کے مرید تھے اور حضرت

آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے۔

۳۔ ہر الامراء

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کی نظر میں آپ کا مقام کتنا بلند تھا اور روحانیت  
 زہد و اتقار میں آپ کی شخصیت مثالی اور قابل تقلید تھی۔

حضرت میاں محمد عمر صاحب المعروف چمکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب  
 توضیح المعانی کے ویباچہ میں رقمطراز ہیں۔ ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ  
 علیہ وسلم سے جو راز کی باتیں معراج میں کی تھیں وہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ  
 چہر آشکارا کی گئیں، اور وہ راز کی باتیں سلسلہ در سلسلہ حضرت سرالاعظم شیخ یحییٰ کو بخشی  
 گئیں۔ اور ان کے ذریعہ ان باتوں سے مجھے سرفراز کیا گیا۔“

چمکنی بابا نے آپ کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا، فرماتے ہیں۔

قطب ہفت اقلیم شیخ رہنما      شیخ یحییٰ بسندہ خاص خدا

مخزن لطف و عنایات خدا      غوث اعظم خواجہ ہر دو سرا

حضرت شیخ المشائخ محدث جلیل سید شاہ محمد غوث صاحب قادری پشاوری ثم  
 دہلوی آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے، اور آپ سے سلسلہ نقشبندیہ میں وافر  
 حصہ پایا، ان کی آپ پر خاص نظر عنایت تھی۔ آپ حضرت شیخ یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
 کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”

”حضرت یحییٰ جو صاحب کہ از افراد زمانہ بودند۔“

یعنی جناب شیخ یحییٰ حضرت جی صاحب افراد زمانہ میں سے ایک فرد تھے۔

آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بہت ہی ترویج و اشاعت کی، انتہائی قبح سنت

تھے۔ نحوش خلق، متواضع، منکسر المزاج اور سخی تھے۔ ہر وقت یادِ الہی میں مستغرق رہتے۔ کوئی لمحہ بھی یادِ الہی سے غفلت میں نہ گزارتے، آپ کی نظر میں شاہ و گدا ایک تھے۔ آپ کا منگہ ہر وقت جاری تھا اور سینکڑوں افراد سیر ہو کر جاتے۔ ہر ضرورت مند کی حاجت پوری کرتے۔ قدم قدم پر آپ سے کرامات کا ظہور ہوتا۔ حضرت محدث جلیل سید شاہ محمد سعادت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”چونکہ آپ (یعنی حضرت جی صاحب) جس نفس بہت فرماتے تھے۔ اس لئے رات میں ایک، دو یا تین دم لیتے تھے، بڑے ریاضت کش تھے۔ خدا کے سوا کسی کی طرف دھیان نہیں لگاتے تھے۔ ان کی نظر میں خاک و زر، شاہ و گدا یکساں تھے، مشغول حق کے سوا ان کو مشاغل فرصت ہی نہ ہوتی تھی، کہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی ہرأت نہ تھی۔ آپ کی مجلس میں جو ہوتا خدا ہی کی طرف متوجہ رہتا۔ چار پائی پر نہیں سوتے تھے۔ تیکہ بھی نہ رکھتے تھے۔ ہمیشہ اپنے پیر کی زیارت کے لئے انک سے لاہور ۱۴ دن میں پیدل سفر کرتے“

بڑے بڑے اکابر علماء اور فضلاء آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور تکمیل سلوک کر کے اجازت و ارشاد کے تہ پر پہنچے۔ آپ نے تمام عمر ارشاد و تلقین میں بسر کی اور آپ کے ذریعہ ہزاروں لوگ مراتبِ قرب تک پہنچے۔ آپ اپنے وقت میں تمام آفاق تھے۔ آپ کا عتبہ سرحد کے علاقہ میں مہوما اور پنجاب کے علاقہ میں خصوصاً علم مشیخت بلند تھا جس فرید پر آپ کی نظر پڑ جاتی، کئی کئی دن بے پوش پڑا رہتا اور تارک الدنیا ہو کر یادِ الہی میں مستغرق ہو جاتا۔ آپ کے خلفاء میں صوبہ سرحد کے علاقہ میں دو عظیم شخصیتیں ہوئی ہیں جو ہر لحاظ سے جامع کمالات صورتی و معنوی تھیں۔ ایک حضرت محدث جلیل سید شاہ محمد سعادت صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاور میں، دوسرے جناب شیخ المشائخ حضرت مہیاں محمد عمر صاحب

المعروف میاں صاحب چکنی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما، اور ہندوستان، پنجاب اور سندھ  
میں کافی خلفاء تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے، ایک حضرت شیخ اسماعیل اور دوسرے خواجہ محمد عیسیٰ۔  
آپ کی وفات ۳۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔

اس وقت آپ کا مزار پڑاوار ضلع کیمبلپور، موضع انک، بلب دریائے انک  
واقع ہے اور مزاج خلّاق ہے۔



## حافظ عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی پشاوری

۱۰۵۲ھ تا ۱۱۱۶ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالغفور، والد کا نام صالح محمد، اور آبائی وطن کشمیر ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی، جب علم ظاہری سے آراستہ ہو گئے تو روحانی سکین کے لئے مرشد کامل کی تلاش میں نکلے، کشمیر میں سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر روحانی فیوضات و برکات کا وافر حصہ پایا۔ کشمیر کے گرد و نواح میں بہت سے مشائخ کو ملے اور سلوک و معرفت کے علم کو سبقتاً سبقتاً پڑھا۔ کشمیر سے روانہ ہو کر لاہور آئے۔ ان دنوں لاہور علماء و مشائخ کا مسکن تھا اور علم و ادب کا مرکز۔ وہاں کے علماء اور مشائخ کی صحبت سے فیضیاب ہو کر پشاور تشریف لائے۔ شیخ محمد عمر صاحب پشاوری کتاب *ظواہر السرائر* میں فرماتے ہیں کہ

”حافظ عبدالغفور اول در پشاور باراوت حافظ محمد اسماعیل غوری پشاوری مستفید

شد و بہرہ وافر حاصل نمود بعد ازاں در لاہور تشریف آوردہ و شرف بشرف بیعت

شیخ سعدی لاہوری گردید و خرقہ خلافت و اجازت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بر قادت

و چشتیہ و سہروردیہ یافت و از کابلان وقت شد و تا دو نیم سال حاضر باش

پشاور میں علاوہ دوسرے علماء و مشائخ کی صحبت کے جناب حضرت حافظ محمد اسماعیل صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہی کے ارشاد کی تکمیل کرتے ہوئے آپ دوبارہ لاہور تشریف لے گئے، اور حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ محترم کی صحبت میں مسلسل اڑھائی برس گزار کر منازل سلوک و تصوف عملاً طے کئے۔ گیارہ برس کے بعد شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر چار سلاسل یعنی قادسی، چشتی، نقشبندی اور سہروردی میں خلافت عطا فرما کر اڑھائی سال کے بعد رخصت کروایا۔

آپ نے تبلیغی مساعی اور اصلاحِ عام کے لئے صوبہ سرحد میں پشاور (جو اس وقت کابل کا مضافہ تھا) کو اپنا مرکز بنا کر تبلیغ کا سلسلہ شروع کروایا۔ خانقاہ قائم کر کے لنگر دینا شروع کیا۔ سینکڑوں بھوکے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ بیسیوں برہنہ کپڑے پہنتے اور بہت سے روحانی تعلیم کی تکمیل کرتے۔ نیز بہت سے آپ کے مبلغ و بیہاتوں میں پھر کر امر بالمعروف کر کے واپس اپنے مرکز پر آتے۔ ان کے کھانے پہننے کا سب انتظام خانقاہ کی طرف سے ہوتا۔

آپ خود تبلیغ کے لئے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر پھرتے، بدعات اور رسومات بد کے خلاف عملاً کوشش کرتے عقذ بیوگان کرواتے، صرف نکاح پر شادیاں کرواتے، لوگوں میں جو دشمنیاں اور خصومتیں ہوتیں ان کا تصفیہ کروا کر ان کو بھائی بنا دیتے۔ اگرچہ آپ کو ان مسائل کے حل کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مشکلات پر قابو پا لیتے۔

اشاعت سنت نبوی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم آپ کا خاص وصف تھا۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم  
سید دو عالم مالک و مختار اجماعیہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی پابندی  
نہ کرتا تو آپ اس کو بھاتے، اگر نہ سمجھتا تو پھر سختی کرتے اور اس معاملہ میں کسی  
بڑے سے بڑے حکمران اور دولت مند کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

اپنے مواعظ میں حکمران طبقہ کو غربا، فقرا، اور بے چارے مفلوک الحال لوگوں کی حالت  
پر خاص کر توجہ دلاتے۔ غرضیکہ ہر طبقہ کے افراد کی آپ اصلاح فرماتے، آپ کی اس  
غربا پروری کا شہرہ تمام علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے لنگر سے بیک وقت پانچ پانچ  
سو آدمی لنگر کھاتے۔ آپ کے معاصر حضرت علامہ سیدنا و مرشدنا حضرت سید سخی  
شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و  
حقیقت میں تحریر فرماتے ہیں جس کو صاحب خزینۃ الاصفیاء نے نقل کیا کہ

حضرت علامہ سید شاہ محمد عوث قادری گیلانی لاہوری در سالہ خود تحریر فرمودند  
کہ حافظ عبدالغفور پشاوری تمام شب بحسب نفس و مراقبہ می گذرایبند و انتفا  
بدنیا و اہل دنیا نداشت، و مدام در خدمت مساکین و مسافریں مشغول ماند  
و قریب پان صد کس ہر روز و مطبخ وی طعام می خوردند، و دیگران وے گاہے  
سر و نمیشند، و خادم عالی مقام از صبح تا شام در پختگی طعام و تقسیم آن مصروف  
می ماند و شیخ سولئے طعام، بجا جمنندان نقد و لباس ہم مرحمت می فرمودند  
و این ہمہ خیرش سوامی و خل ظاہری صرف از خزانہ غیب بود۔

کہ "حافظ عبدالغفور صاحب پشاوری تمام رات "جلس ووم" اور "مراقبہ" میں بسر کرتے ،  
 یونیا افساہل مونیہ کی طرف التفات نہ کرتے ، ہمیشہ مساکین اور مسافروں کی خدمت میں مصروف  
 رہتے۔ آپ کے "نگر" سے پانچ سو آدمی روزانہ کھانا کھاتے۔ جناب حافظ صاحب کھانا  
 دینے کے علاوہ ضرورت مندوں کو کپڑے اور نقدی بھی مرحمت فرماتے۔ آپ کا جو تعلق اللہ  
 جل جلالہ کے ساتھ تھا وہ حضرت علامہ شاہ محمد ثوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ  
 سے واضح ہوتا ہے۔

”و عشق الہی بدیں آگاہی می گذرانید کہ سے آیتے از آیات قرآن رو بروئے  
 و سے می خواند یا لفظ ”اللہ“ بر زبان می آورد ، گریہ و اضطراب بہ حافظ طاری می شد“  
 آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء ص ۶۵ کہ جناب حافظ صاحب  
 جب مریدین پر توجہ فرماتے تھے تو محلہ کانپنے لگتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑا  
 زلزلہ آیا ہے۔ پہلے پہل تو اہل محلہ کو خوف و ہراس دامنگیر ہوا۔ مگر جب ان کو معلوم ہو گیا  
 تو پھر حرکت زمین کے وقت جان جاتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب طلباء پر توجہ کر  
 رہے ہیں۔

اگر آپ کے کرامات کو جمع کیا جائے تو ایک الگ مضمون بنتا ہے۔ اس جگہ آپ  
 کی چند کرامات لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ کرامات اولیاء کرام حق میں  
 ”قرب و اقل“ کے ذریعہ اولیاء کرام کا ہر کام یعنی سماعت ، بصارت ، چھوٹنا ، چلنا بھرننا  
 فرضیکہ سب کام مشیت الہی کے تابع ہوتے ہیں۔ علماء اہل حق اہل سنت و جماعت  
 اولیاء عظام سے کرامات کا صدور مستحسن امر سمجھتے ہیں۔

صاحب روضۃ السلام جناب مولانا شرف الدین صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ

راقم جناب حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ حاضرین پر شریفی تقسیم کر رہے تھے۔ آپ کے خادموں سے ایک خادم نے اپنا حصہ لیا۔ اس کو دوسرا حصہ بھی دے کر فرمایا یہ تیرے بیٹے کے لئے ہے۔ وہ خادم فوراً قدم بوس ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اگر حضرت حافظ صاحب کو کشف ہے تو مجھے دو حصے دیئے۔ آپ میرے خیال پر آگاہ ہو گئے ہیں، لہذا میں امید کرتا ہوں کہ مجھے اس قصور پر معاف کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔

”حالا عفو کروم و آئندہ گاہے بامتحان احوال درویشان نہ یروا زنی“

یہی صاحب روضۃ السیام لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مریدین کی خبر گیری کے لئے پشاور کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ عصر کا وقت تھا مسجد میں مریدین کے ساتھ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں لیٹروں کا ایک گروہ مسجد کی طرف آیا۔ بعض مریدین جو مراقبہ نہ تھے یہ ماجرا دیکھ کر شور و غوغا کرنے لگے، قبلہ حافظ صاحب نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ اس شور و غوغا سے کیا فائدہ، بیٹھے رہو اور بخدا مشغول باشید، سب کے سب مراقبہ ہو گئے۔ جب ذکر الہی اور مراقبہ سے فارغ ہو گئے تو شیخ بمعہ مریدین کے پشاور میں اپنے سکونتی مکان پر موجود تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ سید ابوالمعالی کشری فرماتے ہیں کہ ”میں ایک دن حضرت حافظ صاحب کے ساتھ پشاور کے ایک بازار میں جا رہا تھا جب میں نے آپ کے ہمراہ چند قدم لئے تو اپنے آپ کو حضرت موصوف کے ساتھ کشمیر میں موجود پایا۔ میں اور آپ زینہ کدل پر جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد گلبن (جو کاغذ فروشوں کے بازار میں ہے) پہنچ گئے۔ وہاں سے واپس ہو کر زینہ کدل پہنچے۔ تو حضرت حافظ صاحب نے میرا ہاتھ چھڑایا۔ معاً ہاتھ چھڑانے کے میں اور حافظ صاحب

پشاور میں تھے۔“

آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جو شخص اپنے بدن میں جس جگہ بھی درد پاتا ہو، آپ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہو اور آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس تکلیف سے آرام دے دیتا ہے۔ اس فقیر کے سامنے آپ کے مزار پر ۲۴ مارچ ۱۹۴۹ء کو ایک فرنگی موٹر میں پٹا ہوا آیا۔ اس کے مسلمان بہروں نے اس کو موٹر سے اٹھا کر آپ کے مزار مبارک کے پاؤں کی طرف لٹا دیا۔ لیٹے لیٹے وہ انگریزی میں دعائیں کرتا رہا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھا بغیر سہارے کے موٹر تک گیا، پھر واپس لوٹا اور آکر مزار پُر انوار کو چار بوسے دیئے اور بالکل تندرست ہو کر چلا گیا گویا کہ اُسے درد تھا ہی نہیں۔

آپ کی وفات بزمانہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۱۶۰ھ میں ہوئی۔ مزار پُر انوار پشاور چھاؤنی میں تقانہ مشرقی کے سامنے مرجع عوام ہے۔ ہر سال اسی تاریخ کو جناب حضرت شیخ المشائخ سید میرا معمر صاحب المعروف پیر میرا خا جان صاحب کابلی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی نہایت اہتمام سے عرس کرتے تھے۔ اب آنجناب کے فرزند عرس کرتے ہیں۔

# حضرت شیخ الحدیث سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۸۲ھ تا ۱۱۵۲ھ

آپ کا اسم گرامی سید محمد غوث لقب شیخ الحدیث غوث وقت اور شاہ محمد غوث کے نام سے مشہور ہیں آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شادی خاندان سادات کنتھ حضرت سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لڑائی سے کی۔ یہ بی بی صاحبہ اتنی نیکوکار اور صالحہ تھیں کہ آپ کا لقب ”رابعہ عصر“ پڑ چکا تھا۔ آپ اسی عقیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی، چنانچہ آپ خود قمر از

ہیں۔

چوں احقر در ہفت سالگی رسید ہر چند قرآن می خواند مضبوطی نشد و قاصر الفہم بود  
قبلہ گاہی بجناب حضرت پیر و ستگیر رضی اللہ عنہ در باطن عرض کردند کہ این پیر  
مہربانی فرمایند از جناب مہربانی شد کہ بہر از علم ظاہر و باطن بخشیدم، بعد آن

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۵۱ ”در طاعات و عبادات رابعہ عصر بود“ ۲۔ قلمی رسالہ از حضرت موصوف ص ۵۱-۵۲

بفضل الہی فتح یاب علم شد، واندک زمان تحصیل علم ظاہر شد۔

یعنی جب اس اشقر کی عمر سات سال کی ہوئی تو بہت ہی قرآن مجید پڑھا مگر ضبط نہ ہوا۔  
 بڑا ہی قاصر الغم تھا۔ جناب قبلہ گاہ والد صاحب نے باطنی طور پر حضرت پیر و شکیہ (موت عظیم)  
 رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں عرض کی کہ اس بیٹے پر مہربانی فرماویں۔ آپ نے عنایت فرمائی۔  
 اور ظاہر و باطن کے علوم سے نوازا گیا۔ اس مہربانی کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علوم  
 کے دروازے کھل گئے اور بہت تھوڑی مدت میں علم ظاہری حاصل ہو گیا۔

”چنانچہ دس ہزار سالگی از تحصیل کتب متداولہ فارغ شدم، مطول و  
 شش ماہ خواندم، و دیگر کتب را بہرعت تمام خواندہ شد۔“

چنانچہ اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم کی مروجہ کتابیں پڑھ لیں، مطول کو چھ ماہ میں پڑھ  
 لیا۔ نیز دیگر کتابوں کو بھی جلدی جلدی پڑھ لیا۔ توجیح توضیح جناب عالم علوم ظاہری و باطنی انور  
 مولانا محمد نعیم صاحب پڑھی۔ جناب مولانا صاحب کمال کے ہو گئے ”محمود کار“ میں رہتے  
 تھے۔ جب آپ علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے تو احادیث پڑھنے کے لئے لاہور تشریف  
 لے گئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”کہ استماع حدیث از خدمت میاں جان محمد صاحب کلاں کہ در منڈی فالیرا با“

بودہ می نمودم۔ و افن حدیثا گرفتہم۔“

یعنی استماع حدیث میاں جان محمد صاحب کلاں جو کہ منڈی فالیرا با میں سکونت رکھتے تھے،

۷۳ نے میاں جان محمد صاحب کلاں جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب کے مدرس و خلیفہ تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء ص ۷۳

پہلے میں۔ ”در طریقت و شریعت و فقہ و حدیث عالم کمال و مقتدائی زمانہ بود۔“ آپ کی تاریخ وفات ۱۲۰۰ھ ہے۔



کی اور حدیث شریف کی اجازت بھی (انہی سے) لی: "بعض علوم آپ نے میاں نور محمد مدق سے  
حاجی یار بیگ صاحب، مولانا مولوی عبدالہامد صاحب اور میاں محمد مراد نابینا سے  
اخذ کئے، فرماتے ہیں۔"

"مد خدمت میاں نور محمد صاحب مدق، و حاجی یار بیگ مولوی عبدالہامد  
صاحب، و میاں محمد مراد صاحب نابینا کہ میں ہمہ فضلائی کمال تحریر یوں نہ استغناء  
از بعض علوم نمودہ شد"

آپ دورانِ تعلیم ہی میں والد گرامی مرتبت کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ سلوک و  
معرفت کے علوم سے بھی آپ کو حصہ عطا فرمایا جاوے مگر والد محترم ہمیشہ آپ کو ارشاد فرماتے  
کہ پہلے علوم ظاہر کی تکمیل کرو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں۔

"در اثنائے تعلیم ہم شوق و طلب حق بایں فقیر غالب بود، اما قبلہ گامی فرمودہ  
کہ بعد از فراغ تحصیل چیزے گفتہ خواهد شد"

جب آپ تحصیل علم کر چکے تو اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی جناب  
قبلہ والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ اب حصول علم سے فارغ ہو چکا ہوں۔ راہ حقیقت کی  
طرف رہنمائی کیجئے۔ جناب ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ  
کی اس درخواست کو قبول کرنے ہوئے طریقہ عالیہ قادریہ میں بیعت فرما کر "ذکر الہی"  
کی تلقین کی۔ خلوت میں بٹھا دیا اور چار چلے والد محترم کے حضور میں ہی ذکر الہی کے پورے  
کئے۔

"وچنانچہ چہاراربعین بحضور والد نمودہ شستم"

اس کے بعد آپ چھ سال تک ایک علیحدہ تنہائی کے مقام پر عبادت و زہد میں مصروف

رہے اور سلوک و معرفت کے دُشوار گزار منازل کو پورا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس عرصہ میں اپنے واروات اور اپنی کیفیات اپنے والد کی خدمت میں عرض کرتا رہتا۔

”آپچہ صواب بود تحسین می فرمودند، اور اگر لغزش ہوتی تو تدارک آں نمودند، آپ ارشاد

فرماتے کہ۔

”تفصیل آں در نوشتنی نمی آید از کسب و شغل معلوم می شود“

یعنی ان باتوں کی تفصیل حیطہ تحریر سے باہر ہے کہنے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے۔

غرضیکہ چھ برس تک آپ ذکرِ لسانی، جہر، خفیہ، ذکرِ قلبی اور مراقبات میں مصروف رہے چھ برس کے بعد جناب والد گرامی قدر نے اپنے فرزند ارجمند کو سلسلہ عالیہ قادریہ کاشغوریہ خلافت تحریر فرمایا۔

آپ نے اولیاء اللہ کو ملنے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے متعدد سفر کئے۔ سب سے پہلے پشاور شہر ہی میں جناب حافظ عبدالغفور صاحب کشمیری نقشبندی کی صحبت میں حاضر ہوئے، آپ فرماتے ہیں۔

”اگرچہ صحبت ایشان مفید بود۔ لیکن فقیراً اصلاً تشفی نمی شد“

یعنی اگرچہ ان کی صحبت فائدہ مند تھی، مگر حقیقتاً اطمینان خاطر میسر نہ تھا۔

مختلف فقرا کو مل کر آپ ”امک“ تشریف لے گئے۔ امک میں حضرت حاجی صاحب

یعنی بحیثی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ حضرت حاجی صاحب آپ سے انتہائی شفقت اور

محبت سے پیش آئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”مہربانی بسیار کردند، ذکر قلبی و صحبت ایشان غالب بود، چنانچہ ذکر قلب و

طریقہ حبس و بعضی مقامات برورد حبس ضرور بود از صحبت ایشان حاصل شد“

و نیز اجازت طریقیہ نقشبندیہ فرمودند۔

یعنی حضرت یحییٰ صاحب نے (حضرت جی صاحب) بہت مہربانی فرمائی، ان کی صحبت میں ذکر قلبی غالب ہوا، ذکر قلبی، حبس کا طریقہ، اور بعض دیگر مقامات جو کہ حبس کے لئے ضروری ہیں، ان کی صحبت سے حاصل ہوئے، نیز آپ نے طریقہ رُعلیہ نقشبندیہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اہلک کے گرد و لواح کے فقرا کو مل کر راولپنڈی کے قریب نور پور شاہان میں شاہ طیف مجذوب سے بھی ملے۔ آپ خود رقمطراز ہیں۔

”توجہ در حق فقیر کروند، اثر آں در معلوم شد۔ لیکن بعد یک روز اثر آں معلوم گشت و باقی ماند۔“

نوشترہ (نواح گجرات) میں حاجی کلکو صاحب، کنجاہ میں درویش محمد جعفر صاحب سے مل کر لاہور پہنچے۔ لاہور آپ کے وقت میں علماء، مشائخ، فقراء اور مجازیب کا مرکز تھا۔ لاہور کے تمام حضرات سے ملاقات کی، آپ فرماتے ہیں۔

”مجازیب و گوشہ نشینان و سالکان و اہل شوق را بسیار دیدم در مزارات بزرگان ہم شب ہا گذرانیدہ شد۔“

میاں جان محمد صاحب کلاں، میاں جان محمد صاحب قصاب پورہ ولے، میاں نور محمد صاحب مدق، حاجی یاریگ صاحب، مولوی عبدالہادی صاحب، میاں محمد مراد صاحب نابینا، حاجی محمد سعید صاحب اور دوسرے بزرگان کی ملاقات کی۔ لاہور سے چل کر نواح سرہند شریف میں حضرت سید بھیکہ چشتی سے ملے، آپ فرماتے ہیں۔

۱۰ بڑی امام کے نام سے مشہور ہیں۔

”اجازت واستفادہ بعضی افکار و اشغال حاصل فرمود چنانچہ اجازت مشغل

سہ پایہ ہشت رکنی را از خدمت اوشان حاصل کردم“

سرہند شریف تشریف لائے۔ یہاں پر جناب شیخ صبغتہ اللہ صاحب، حضرت

قیام عبدالاحد صاحب، المعروف بہ میاں گل صاحب اور میاں فرخ شاہ صاحب سے

ملاقات کی۔ حضرت میاں گل صاحب نے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار پر لے جا کر توجہ دی۔ اور اپنی کتاب مسہلی بہ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرمائی۔

سرہند شریف سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں شیخ محمد حشمتی اور شیخ کلیم اللہ

صاحب اور دوسرے بزرگان کرام سے ملاقات کی۔ شیخ کلیم اللہ صاحب نے اپنی مصنفہ

کتاب لقیات آپ کو عنایت فرمائی۔ مزارات پر بھی جہاں آباد میں راتیں گزاریں چنانچہ

آپ فرماتے ہیں۔

”بزمزار شریف حضرت خواجہ قطب الدین چند گاہ گزارا نیدم اوشاں ہم بفضلہ

وعنایات فرمودند“

یعنی حضرت خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار شریف پر کچھ راتیں گزاریں تو آپ نے بہت

ہی فضیلتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ دہلی سے اکبر آباد ہوتے ہوئے اجیر شریف پہنچے۔

اور حضرت خواجہ بزرگ عطاءے رسول قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین حسن سخری

رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر اوار پر حاضر ہوئے، اور سلام عرض کیا۔ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے

ہیں۔

یہ میاں فرخ شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ تاکہ جامع علم ظاہر و باطن و اعلم زمان مصنف وقت و محدث ہووند“

”عدباطن مہربانی فرموندو تو جہات عنایات کروند“

اجمیر شریف سے واپس لاہور پہنچے۔ وہی شوق اور وہی لگن، اولیاء اللہ کی خدمت کا جذبہ صاوقہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ لاہور کے قریب ایک گاؤں بنام سیام چوراہی تھا۔ وہاں ایک ولی اللہ تھے جن کا اسم گرامی عبدالغنی تھا وہ ان دنوں لاہور شریف لائے تھے۔ آپ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں۔

”فقیر مکرر خدمت ایشاں رفتہ، اکثر صحبت ایشاں و مجلس خاص ایشاں طیسر

می شد، توجہ نسبت ذات بحت کروند، چنانچہ ازاں سبب بے خودی و بی رنگی

غلبہ می کرد، و اجازت اس نسبت و دیگر مراقب ذکر و مشغل ہم بفقیر دادند۔

چنانچہ گاہ نسبت مذکور غالب می بود و گاہی نمی باشد“

یعنی مجھے ان کی خاص صحبتیں خلوت میں میسر نہ ہوئیں نسبت ذات بحت کی توجہ کرتے تھے۔ اسی لئے بے خودی اور بے رنگی غلبہ کرتی تھی۔ اس نسبت، دیگر مشغل اور مراتب ذکر کی اجازت مرحمت کی۔ چنانچہ کبھی وہ نسبت غالب ہوتی اور کبھی نہ ہوتی۔

اتنا طویل سفر کرنے کے بعد جب آپ واپس پشاور پہنچے، تو ارشاد فرمایا۔

”اکثر بزرگان را از سالکان و مجذوبان و صلحاء و مرناضان، از زیارت کردہ شد

ہمہ مہربانی فرموندو، بقدر نصیب چیزے حاصل نمودہ شد، اما آنچه مطلوب این

حقیر بود طیسر نہ شد۔ ح

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا ند او بوسے

نہ دمید صبح بختم چہ گناہ نہم قضا را“

یعنی اکثر بزرگان کرام سے، سالکوں، مجذوبوں، صلحاء اور مرتاض لوگوں کی زیارت کی۔ تمام

حضرات نے مہربانی فرمائی۔ جس قدر قسمت میں تھا حصہ ملا، مگر میری ولی مراد پوری نہ ہوئی۔ آپ نے پشاور سے پھر کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ مورخ کشمیر حضرت مفتی محمد شاہ صاحب سے فرماتے ہیں۔ کہ سر زمین کشمیر میں متواتر چند دفعہ تشریف فرما کر قدنی مظاہر و مناظر سے لطف اٹھایا تبلیغ دین کا فریضہ بحال لائے۔ مشائخ کرام کی ملاقات سے کامیاب رہے۔ طریقہ تشریف کے نشر و اشاعت میں پوری توجہ سے کام لیا۔

آپ کے علم و فہم کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر کہ و مہرہ کی زبان پر آپ کی دینی تبلیغ، خدمت فقرا، دس اور لنگر کا تذکرہ تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور حسب حال امداد حاصل کر کے جلتے۔ جو مخالف امداد یا آتے تو آپ فقرا، مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر صرف کر دیتے، مسافر کو راہ ہتیا کرتے، اتنے اخراجات کرنے کے باوجود آپ کے چہرہ اقدس پر میل تک نہیں آئی، اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی حکمران وقت اور امیر سے کوئی امداد قبول کی۔ دربار ہلی کی طرف سے ایک بار آپ کی خدمت میں ایک ہزار شرفیاں پیش کی گئیں آپ نے یہ فرماتے ہوئے واپس کریں کہ یہ مستحق افراد میں ان کو بانٹ دو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں، یہ غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کا حق ہے۔

جب محمد شاہ بادشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت آپ لاہور میں تشریف فرما تھے تو اس نے پشاور سے آپ کے نام حکم نامہ لکھا کہ دربار میں حاضر ہوں، اور میرے لئے دعا کریں۔ آپ نے محمد شاہ بادشاہ کو صاف جواب لکھ کر بھیج دیا۔

”کہ طریق پیرمانیست کہ نزو بادشاہ روند، وباستمدادے پروازند، کہ برائے

۱۔ یہ جملہ محمد شاہ نے بعد ناوہ شاہ ۱۱۵۱ھ میں کیا تھا ۲۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۸۵

ہر ایک استمداد حق علی و علا کافی است۔“

آپ کے اس جواب سے بادشاہ بہت برا فریفتہ ہوا، غصہ سے جھلا اٹھا، اور حکم دیا کہ سب سے پہلے لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد عوث صاحب کو اس حکم عدولی پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد دہلی کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جب محمد شاہ جمعہ شکر کے دریاٹھے اٹک پر پہنچا تو دریا میں طغیانی آگئی اور دن بدن بڑھنے لگی۔ کافی دن محمد شاہ کو یہاں پہنک گئے، اُس نے اُمراء سے مشورہ کیا۔ مشورہ کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنا قاصد پشاور میں آپ کے خلیفہ محمد عوث کے پاس بھیجا کہ وہ دعا کرے کہ طغیانی ختم ہو، آپ کے خلیفہ نے بادشاہ کو جواب لکھا۔

”کہ اس ہمہ توقف از شامت ارادہ بد بادشاہ است، کہ بہ نسبت حضرت یسید محمد عوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادہ باز آید ممکن است کہ از آبِ دریا عبور نماید“

جب بادشاہ کو ایک فقیر و پیش کا یہ پُرزہ کاغذ ملا، تو لرز گیا۔ توبہ کی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے طغیانی کو ختم کر دیا۔ بادشاہ دریا عبور کر کے لاہور پہنچا۔ محمد شاہ بادشاہ نے لاہور پہنچ کر اپنے حضور طلب کیا۔ مگر آپ نے شدت کے ساتھ محمد شاہ کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انتر فیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نہایت ہی اعلیٰ کریمانہ سے بادشاہ کو ملے۔ مگر انتر فیاں لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ”میر تقویٰ اور استمداد اللہ جل جلالہ پر ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔ صاحب

شہ بہ محمد عوث، حضرت شاہ محمد عوث صاحب کا خلیفہ تھا اور مرزا مبارک تیبہ سنی حمتہ اللہ علیہ میں مقیم تھا۔ مستجاب الدعوات تھا۔

خونچنے والا صفا فرماتے ہیں،

”کہ (بادشاہ) درلاہور رسیدہ مخلصانہ ملاقات کرو“

جس وقت آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن رحمۃ اللہ کا انتقال <sup>۱۱۱۵ھ</sup> میں ہوا تو اس کے فوراً بعد بادشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالم گیر نے آپ کے نام حضرت ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے گرد چالیس جوہر زیمن کی سند لکھ کر بھیج دی، مگر آپ نے قطعی جواب دے دیا کہ ”میں فقیر آدمی ہوں، اللہ تعالیٰ کا دروازہ مجھے کافی ہے۔ وہی میرا کارساز ہے، وہی میرا مولیٰ ہے اور وہ بہت اچھا آقا ہے“

سنہ ۱۱۲۰ھ میں پشاور شہر میں خانقاہ عالیہ قادریہ سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر باقاعدہ سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ درس قرآن، درس حدیث اور طریقہ مبارک کے ارشاد خود فرماتے، آپ کے درس مبارک میں اکابر علماء کے لڑکے اور مشائخ کرام کے صاحبزادگان آکر علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ حدیث شریف کا درس اتنا وسیع تھا کہ علاوہ پنجاب و سرحد کے کابل، ہرات اور غزنی کے طلباء جو حق و جوق آکر شامل ہوتے نیز تمام طلباء کی رہائش لباس اور طعام کا بندوبست بھی آپ خود فرماتے، دوسری طرف اپنے سلسلہ مبارک کی نشر و اشاعت میں انتھک کوشش کرتے۔ سینکڑوں مریدین اور معتقدین آتے

۱۔ یہ سید آپ نے واپس کی تو پھر وہاں سے واپس کی گئی۔ دیکھا مبارک کے غمگین خلفاء نے یہ سند قبول کر لی تھی مگر آپ نے نہ مانا۔ وہ سند اس فقیر کے پاس نسل بعد نسل پڑی ہوئی تھی۔ اس فقیر نے وہ سند بھی و مخلصی مہتمم عابد شاہ پٹنہ صاحب کو لکھ کر صاحب ایم۔ اے کی وساطت سے نیشنل میوزم کراچی کو دے دی۔



اور رشد و ہدایت سے بہرہ یاب ہو کر واپس لوٹتے، غرضیکہ آپ کی خانقاہ میں تین نغمے اور تہذیب اخلاق کی باقاعدہ تعلیم دی جانی تھی۔ کوئی قرآن حکیم، احادیث شریف، فقہ شریف اور تصوف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی نغمی اثبات کے ذکر میں مشغول ہے، کوئی مراقبہ کر رہا ہے تو کوئی رابطہ قلب کے ساتھ درود شوق بٹھا رہا ہے۔ اس پر طرز یہ کہ سب پر آپ کی نظر کرم موجود ہے۔

۱۳۱۱ھ میں آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی۔ آپ ۱۳۵۰ھ تک پشاور میں رہے اور پھر لاہور تشریف لے گئے۔ چار برس تک لاہور میں بھی اسی طرح تبلیغ دین اشاعت سلسلہ میں منہمک رہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بادشاہ روحانی حضور غوث اعظم شہید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، قطب الاقطاب کے مقام پر سرفراز ہو کر لاہور میں مقیم ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

آپ جس طرح مقامات و علوم باطنی سے مشرف تھے۔ اسی طرح علوم ظاہری سے بھی آراستہ و پیراستہ تھے جناب مولانا کشمیر مفتی سعادت صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ خواہ مخواہ مراد بیگ جیسے حقیقت شناس بزرگ نے آپ کی تعریف و توصیف میں لکھا ہے۔

”کہ بجلی علم آراستہ است بذکر و فکر اشغال وارد“

صاحب خزینۃ الاصفیاء و حدیقۃ الاولیاء فرماتے ہیں۔

”جامع ظاہر و باطن، کاشف رموز طریقت و حقیقت بود“

جس علم و عرفان کی آپ چالیس برس تک اشاعت کرتے رہے۔ آپ نے اس کو کتابوں میں تحریر بھی فرمایا۔ زبانی طور پر یہ بات خاندان میں چلی آ رہی ہے کہ آپ نے تقریباً چار سو کتابیں لکھیں۔ مگر چونکہ آپ کی تمام اولاد تبلیغ کے لئے میدانوں اور پہاڑوں میں

کتابوں میں سے کتابیں محفوظ رکھیں جو کتابیں مل سکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شرح غوثیہ : آپ نے بخاری شریف کی یہ شرح ۱۳۱ھ میں فرمائی جو کہ شرح غوثیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شرح علم حدیث میں ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ حدیث شریف کے متعلق جتنے علوم ہیں وہ سب اس شرح میں آپ نے حل فرمائے ہیں۔ اس شرح میں علاوہ دیگر متعلقہ علوم کے بخاری شریف کے اسماء الرجال کو مکمل بیان کیا ہے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت ہی احسن طریقہ پر کی ہے۔ حضرت استاذ محترم عزت مآب صاحب جزاؤ حافظ علی احمد صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے جب یہ شرح ملاحظہ فرمائی تو فرمایا۔ "اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت کے سامنے لوح محفوظ تھی۔ جس کو دیکھ کر آپ یہ شرح لکھ رہے تھے" جناب مولانا عبیدالحق صاحب محدث دار بنگولی فرماتے تھے کہ جس طرح نووی مسلم شریف کی دیگر شروح سے بے نیاز کر دیتی ہے اسی طرح بخاری شریف کی یہ شرح، بخاری کی اور شروح سے بے نیاز کرتی ہے۔" یہ شرح فارسی میں ہے اور صاحب جزاؤہ فضل صدیقی صاحب ساکن بھانہ ماڑی پشاور کے کتب خانہ میں تھی اور اب پشاور یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ یہ شرح صرف پہلی جلد ہے جو کہ بخاری شریف کے تین پاروں پر مشتمل ہے۔ تقطیع بڑی ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے

۲۔ رسالہ اصول حدیث : یہ حدیث کے اقسام پر عربی میں آپ نے لکھا ہے۔ اس فقیر نے اس کو چھپوایا ہے اور اکثر دارالعلوموں میں بطور درس کے پڑھایا جاتا ہے۔ اس فقیر کے استاذ محترم صاحب جزاؤہ حافظ علی احمد جان صاحب نور اللہ مرقدہ نے بخاری شریف کے اسباق کے دوران اس کا نہایت ہی نفیس و جلیل ترجمہ کیا ہے۔ انشاء اللہ چھاپ

### ۳۔ رسالہ در بیان کسبِ سلوک و بیانِ طریقت و حقیقت (فارسی قلمی)

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، تصوف پر لکھا ہے۔ یہ رسالہ مکمل و اکمل ہے۔ سالک کو قدم قدم پر ہدایت کرتا اور سمجھاتا ہے۔ چنانچہ آپ عموماً اس رسالہ میں رقمطراز ہیں کہ طالب کو اگر اس راہ کی طلب ہے تو

”اول مرشد کند کہ کار بدوین او نکشاند و حل این عقده بوصول اوست اگر  
 این چنین مرشد نہ باید پس آنچه دریں رسالہ مسطور است از محققان و صاحب  
 کمالان حاصل نموده خلاصہ آن نوشته، باید کہ بریں عمل نماید البتہ از فائدہ و  
 پہنائی این راہ خالی نخواهد ماند، و انتفاعی خواهد شد، اگر استعداد کامل باشد،  
 شاید مقصود برسد۔“

اس رسالہ میں ایک ویباچہ اور چھ فصلیں ہیں۔ ویباچہ میں ”ذکرِ مداہم“ اور ”فکرِ تمام“  
 ”اکلِ حلال“ ”صدقِ مقال“ وغیرہ پر بحث ہے۔ پہلی فصل شریعت کے بارے میں ہے  
 اس فصل کی ابتداء میں فرمایا۔

”اول سالک را لازم است کہ سعی در متابعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماید  
 و قدم از متابعت او بیرون نہ نهد، و در عقائد، اعمال و افعال و احوال در  
 تبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوشد۔“

لے لایحے ”اللہ ولے“ کتب فروش نے آپ کا ایک رسالہ جس میں اس رسالہ کا کچھ حصہ شامل ہے ”اسرارِ طریقت“  
 کے نام سے اردو میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ نہایت ہی نامکمل ہے۔ اس میں صفحہ ۳۱ سے لے کر صفحہ ۴۹ تک کا مضمون  
 جناب حضرت محمد غوث صاحب گوالیار ہی ہے جو کہ اصل کتاب میں قطعاً نہیں، نیز ترجمہ کرنے والے نے بھی ترجمہ میں کئی غلطیاں  
 کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔ آمین

نمانکی پابندی - نبوی استفادہ کا طریقہ حضرت پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر وروایتی طریقہ  
 اور طریقت سے کیا مراد ہے اور ذکر کے طریقوں کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں ان مراقبوں  
 کا ذکر ہے جو ذکر کے بعد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مراقبہ حضور، مراقبہ شہود، مراقبہ  
 معیت، احاطہ ذاتیہ، اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ تیسری فصل  
 حقیقت کے بیان میں ہے، چوتھی فصل معرفت اور پانچویں فصل مراتب وجود اور ظاہر و باطن  
 کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل میں اپنے پیر و مرشد والد محترم کا تذکرہ اور فرقہ و مخالفت کا  
 بیان ہے اور ان بزرگان کرام اور علماء کرام کا ذکر ہے جن سے آپ نے استفادہ کیا اور انہیں  
 ملے۔ نیز اپنا شجرہ بھی ہے

۴۔ رسالہ ذکر ہجر : اس رسالہ میں قرآن مجید، احادیث شریف، کتب فقہ اور  
 کتب علماء کرام سے مدلل طریقہ سے ذکر ہجر کا ثبوت دیا ہے اور نہایت ہی احسن وجوہ بیان  
 فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ عربی میں قلمی ہے۔

۵۔ ترجمہ قصیدہ غوثیہ شریف : (فارسی) قصیدہ شریف کی عام فہم اور صوفیانہ شرح  
 ہے۔ صرف اور نحو کے مشکل مقامات کو نہایت آسان طریقہ پر حل فرمایا ہے۔ پیر علیہ السلام  
 صاحب لاہوری نے ۱۹۱۰ء میں شائع کی تھی۔ اس شرح کا نام آپ نے "شرح خمیریہ"  
 رکھا ہے۔

۶۔ اسرار التوحید : (عربی) قلمی یہ کتاب توحید کے موضوع پر ہے، مکتبہ (میں)  
 میں حضرت مولانا مولوی عبدالرؤف صاحب دانا پوری مصنف اصح السیر کے کتب خانہ میں ہے  
 حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ جب  
 قصوں الحکم مصنفہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو آپ کو دو مقامات پر بہت

اشکال وارد ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ایک تو وجہ مطلق کی تحقیق اور اس سے کثرت کے ظاہر ہونے کی کیفیت، دوسرا خاتم الاولیاء کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آخر ایک حضرت شیخ ابن عربی اور شیخ سعد الدین قونی کو جو کہ شیخ کے اجل اصحاب سے تھے امہ مولوی جامی کے خواب میں دیکھا۔ (خدا ان سب پر اپنی رحمت کرے) انہوں نے ہر دو مسئلوں کو خاکسار کے سامنے حل کر کے سمجھا دیا۔ جب میں بیدار ہوا تو میری تسلی تھی، بلکہ اس خواب کے بعد تو یہ کیفیت ہے کہ علم میں جو قضیہ وارد ہوتا ہے ایسا عاقل ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے وجدان سے حاصل ہوا ہے اور جو شخص ان مسئلوں میں تصرف کرتا ہے۔ اس کا منشا شبہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ نا سمجھی کے باعث ایسا کر رہا ہے۔ اس کا جواب فوراً ذہن میں آ موجود ہوتا ہے۔ ذرا بھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گویا اس علم کے مسئلے موجود ہیں۔" فرماتے ہیں۔ "چنانچہ اس علم میں کئی رسالے لکھے ان میں سے ایک کا نام اسرار التوحید عربی میں کلاں رسالہ ہے۔ دوسرا فارسی میں، اس میں بعض وجدانی حقائق بھی درج کئے گئے ہیں۔ اسی طرح آپ نے قرآن مجید کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ (ڈیرہ اسماعیل خان) ٹکاپچی میں حضرت خواجہ نور محمد صاحب سروری قادری کے کتب خانہ میں ہے واللہ اعلم۔

منطق، فلسفہ اور الہیات کی کتابوں پر آپ نے شروح تحریر فرماتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کتابوں کا پتہ نہیں لگ سکا۔ اگر کسی کے پاس ہیں تو وہ بتلانا بھی گوارا نہیں کرتے۔

۱۔ رسالہ در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت شائع شدہ پشاور حضرت علامہ مولانا مولوی الحاج حافظ نصیر احمد صاحب المتوفی ۱۳۰۷ھ صاحب اسلام المشہور میاں صاحب قلعہ خوانی رحمۃ اللہ علیہ۔

لیکن صاحب کے پاس آپ کی کوئی کتاب ہو تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجد ہوں۔  
 آپ کے کشف و کرامات کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مکمل الگ کتاب بن جائے گی  
 مگر آپ کی ذات ستوہ صفات ان باتوں سے ارفع اعلیٰ اور بہت ہی بلند ہے۔ آپ  
 نے خود بھی ان باتوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ”سائل کو  
 بعض اوقات ذکر کی حالت میں اپنے اور غیر کے قلب کا شاہد ہوتا ہے اور بعض اوقات  
 اور باتیں بھی کھل جاتیں ہیں۔ کشف قبور بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ان باتوں کی طرف  
 توجہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ (سائل) مطلوب حقیقی سے محروم رہ جاتا ہے۔“ اور کیوں نہ  
 ہو جب کہ آپ ایسے روحانی درگاہ کے فیض یافتہ تھے جس کے استاد والا تقدیر کا یہ  
 ارشاد ہے کہ

”ایں ہمہ (کشف و کرامات وغیرہ) آنچه دریدی و شنیدی بازمی طفلان است“

وکار دیگر است سائل را این کار آفات است و مانع علو درجات است“

یہی وجہ سے اس میں اختصار کیا جاتا ہے اور آپ کی وہ کرامتیں لکھی جاتی ہیں جن سے  
 آپ کا تعلق باللہ ظاہر ہوتا ہے۔ نیز جن کرامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کو آپ  
 نے کس طرح پائے استخار سے ٹھکرایا۔

صاحب یا درفتگان لکھتے ہیں۔ ”ایک دفعہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا  
 اور عرض کی کہ آپ سید آل رسول ہیں مجھے دم کریں (تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی نصیب

کے یہ قول آپ کے پیر و مرشد حضرت ابابکرؓ سے یاد من بادشاہ صاحب قادسی پشاوری کا ہے۔

یا درفتگان کا مصنف قدس سرہ ہے۔

فرمادے) آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کی آنکھوں پر دم کیا، اور ہاتھ پھیرا وہ شخص فوراً بینا ہو گیا۔

جب آپ لاہور جاتے ہوئے اٹک پہنچے، تو ایک مہاتما بمعہ اپنے چیلوں کے آپ کی خدمت میں آیا، اور کہا کہ آپ درویش ہیں آپ کے فگر سے سینکڑوں آدمی مٹی کھاتے ہیں۔ لہذا آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک ٹکڑا کیمیا کا حاضر ہے آپ جتنا چاہیں اس سے سونا بنا کر اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا اور وہ کیمیا آپ نے لے کر وریا میں پھینک دیا۔ وہ مہاتما بہت ہی خفا ہوا اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے دریائے اٹک کو کلمہ طیبہ پڑھ کر اشارہ کیا۔ وریا پھٹ گیا۔ تو اس مشرک کو ہر طرف سنگ پارس ہی سنگ پارس نظر آئے۔ آپ نے اس مشرک کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ پر اتنا عظیم احسان ہے جو تم نے دیکھا اور یہ احسان عظیم تم پر بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان لے آؤ۔ وہ مہاتما بمعہ اپنے چیلوں کے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر یہی مہاتما آپ کا خلیفہ بنا اور بڑے بڑے اولیاء آکر اس سے فیض پاتے۔ اس کی قبر آپ کے پاؤں کی طرف ہے۔

صاحب حدیقۃ الاولیاء جناب مولانا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت کی کرامتیں اکثر مشہور ہیں۔ مگر چشم دید یہ ہے، جب رنجیت سنگھ کے بعد کھڑک سنگھ جانشین حکومت لاہور ہوا تو اس کے بیٹے نونہال سنگھ نے جو با اختیار حاکم تھا حکم دیا کہ لاہور کی فضیل کے باہر چار ہزار قدم تک زمین صاف کر دی جائے۔ مکانات گرا دیئے جائیں، اور درخت کاٹ دیئے جائیں۔ ایک انگریز ولارڈ اس کام پر مقرر کیا گیا۔

اُس نے مکانات گرانے شروع کر دیئے۔ آپ کے مکان کی چار دیواری بھی گرانی شروع کی گئی۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ جب اندرون دیوان خاص مزار کی چار دیواری گرانی گئی تو قدرتِ الہی سے اسی روز کھڑک سنگھ مر گیا۔ اور نونہال سنگھ جب نعش جلا کر آیا تو سلامی کی توپوں کے زلزلے سے تلعبہ کے دیوار کا پتھر ٹھٹھا ہو کر نونہال سنگھ کے سر پر آگرا، اور وہ جوان جوان مرگ ہوا۔ اس کی والدہ چند کور ڈی اور حکم دیا کہ مزار حضرت کا گرایا جائے چنانچہ گرا ہوا مکان اسی وقت تعمیر کیا گیا۔

آپ کی وفات، اربعہ الاقل ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔ بیرونِ دہلی دروازہ لاہور آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ (سید میر محمد عابد شاہ صاحب، سید میر شاکر شاہ صاحب، سید شاہ میر صاحب، میر باقر شاہ صاحب، یہ ہر چہار آپ کے مرید اور خلفاء تھے۔ اور آنجناب کے بہت سے اور خلفاء بھی تھے۔ ان میں سے حافظ محمد سعید صاحب، حافظ محمد صدیق صاحب، محمد غوث صاحب اور جناب شیخ وجیہ الدین صاحب المعروف پیر زہدیٰ لاہوری، نیز آپ کے پوتے جناب حضرت شاہ غلام صاحب بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔

۱۔ صاحبِ خزینۃ الاصفیاء تنبیہ پر لکھتے ہیں۔ "بیعت سلسلہ قادریہ بخدومت حضرت شاہ محمد غوث گیلانی سے کہ وہ فرقہ خلافت یافت" آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "از کمل مشائخ متاخرین و اعظم اولیائے روتے زمین است، جامع علوم ظاہری و باطنی و مورد فیوض صوری و معنوی و واقف امر اعلیٰ و مخفی مقتدائی زمانہ بکافی وقت خود بود" آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی، آپ کی قبر لاہور سے باہر منگ میں واقع ہے۔



# حضرت غوث شاہان میاں محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مودع حکمینی پشاور

۱۰۸۲ھ تا ۱۱۹۰ھ

آپ کا اسم شریف میاں محمد عمر صاحب، والد کا نام ابراہیم خان، دادا کا نام کلاخان ہے، اور القاب مودع عظیم، شیخ المشائخ، عمدة العلماء، قدوة الفضلاء، اور غوث زمان ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں عموماً اور دوسرے شہروں میں خصوصاً میاں صاحب حکمینی شریف کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ باجوڑ کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا کلاخان بہت بڑے عالم دین اور طریقہ قادریہ و ہشتیمیہ کے روحانی پیشوا تھے۔ حکمران طبقہ، اور دیگر قسم کے لوگ آپ کی روحانیت اور علم کے معترف تھے جس کی بدولت آپ کو بڑی عزت و عظمت سے دیکھا جاتا جناب کلاخان شاہ جہان کے دور حکومت میں لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کا جب شاہ جہان کو پتہ چلا تو اس نے آپ کی اس بے غماظ و مدارات کیں اور انتہائی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اور دریائے راوی

شاہ جہان ۱۰۸۲ھ میں تخت شاہی پر بیٹھا اور ۱۰۶۸ھ میں فوت ہوا۔

کے کنارے پر موضع فرید آباد کی جائداد بطور جاگیر کے دے دی۔ کلاخان صاحب اپنے تمام کنبہ کو لے کر فرید آباد میں آباد ہو گئے، اور تمام جاگیر کا انتظام و انصرام خود کیا۔ فرید آباد کے قریب ایک موضع تھا جس کا نام سیدان والا ہے جناب کلاخان نے اس موضع میں ایک شریف گھرانے میں شادی کی۔ اس بیوی کے بطن سے صرف ایک لڑکا مسیحی محمد ابراہیم خان پیدا ہوا۔

جناب کلاخان اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اور باقی قبیلہ کو فرید آباد میں رہائش پذیر کر کے اپنے آبائی وطن باجوڑ کو عازم سفر ہوئے۔ جب دریائے سندھ کو عبور کر کے گلگت و بلتستان میں موضع کلاخان پہنچے تو وہاں پر جناب کلاخان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے محمد ابراہیم خان نے پریشانی کے عالم میں والد کو وہاں ہی دفن کر کے باجوڑ کی راہ لی۔ جناب میاں محمد عمر صاحب اس واقعہ کو پشتو کے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں۔

شوگ بد بدل نہ کا مہرم حکم و وحید

راغے کلاخان پہ کلاخان کین شہید

یعنی وحدہ لا شریک کی قضا، مہرم (نہ ملنے والی قضا) کو کوئی بھی نہیں تبدیل کر سکتا۔ جب کلاخان، کلاخان پہنچے تو شہید کر دیئے گئے۔

کچھ عرصہ جناب محمد ابراہیم صاحب نے جنڈول علاقہ باجوڑ میں قیام کیا اور پھر فرید آباد اپنی جاگیر پر اور کنبے کے پاس چلے آئے۔

اتفاقاً پشاور اور اس کے گرد و نواح میں ہولناک قحط پڑا، بڑے بڑے زمیندار مفلوک الحال ہو گئے، افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی جگہیں انھیں چھوڑنی پڑیں تو موضع چکنی کے خان ملک سعید خان بھی اپنا کنبہ لے کر فرید آباد چلا گیا، اور وہاں پر

## سکونت اختیار کر لی

ملک سعید خان نے اپنی لڑکی جناب محمد ابراہیم صاحب سے بیاہ دی، جس کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام نامی ابراہیم گرامی محمد مشہور میاں صاحب چمکنی تھا۔

جب دورِ قحط ختم ہوا اور علاقہ آباد ہونے لگا تو ادھر ادھر گئے ہوئے لوگ اپنے اپنے علاقہ میں واپس آنے لگے تو ملک سعید خان بھی واپس اپنے آبائی گاؤں موضع چمکنی آکر آباد ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد ملک سعید خان کو معلوم ہوا کہ جناب محمد ابراہیم صاحب فوت ہو گئے ہیں تو وہ فرید آباد گئے اور اپنے لوا سے لوا سیوں کو بمعہ اپنی صاحبزادی کے لے کر موضع چمکنی چلے آئے، اُس وقت جناب میاں عمر صاحب کی عمر شریف صرف آٹھ یا نو برس کی تھی۔

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش آپ کی والدہ صاحبہ کے زیر سایہ آپ کے نانا ملک سعید خان نے باحسن و بوجہ سرانجام دی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اسی علاقہ کے اکابر مشائخ اور علماء کی صحبت میں رہ کر دینیات کی تکمیل کر لی۔

مولانا محمد فاضل صاحب پاپوینی دنگہارا، شیخ فرید صاحب ساکن موضع اکبر پورہ ضلع پشاور۔ مولانا حاجی محمد امین صاحب۔ ساکن پشاور چھاؤنی، صدیقی نقشبندی حضرت شیخ المشائخ عبدالغفور صاحب نقشبندی اور حضرت محمد یونس صاحب (جن کا مزار

لے ایک کا نام محمد موسیٰ، اور دوسرے کا نام محمد عیسیٰ تھا۔

وضوح طور و معیار ضلع مروان میں واقع ہے) رحمہم اللہ علیہم اجمعین آپ کے اساتذہ و کرام میں سے ہیں۔ ان حضرات عالی مرتبت سے آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔  
حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام خزینۃ الاسرار یا السرا لکھی ہے۔ اس میں آپ نے حاجی شیخ سعدی لاہوری کے ساتھ اپنی ارادت کا مفصل بیان کیا ہے۔

آپ پہلی بار سالہ ۱۲۰۰ھ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد جب بھی آپ اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلہ میں فرید آباد جاتے تو حضرت شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی ارادت و محبت کا اظہار کرتے۔  
جب سالہ ۱۲۰۵ھ میں جناب مولانا محمد فاضل صاحب کی جگہ مٹہ منغل خیل علاقہ و آباء میں شیخ سعدی تشریف لائے تو حضرت میاں عمر صاحب اس وقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جب شیخ سعدی صاحب موضع اچینہ میں شیخ ابراہیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تو میاں صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آخر میں جبکہ شیخ سعدی لاہوری ۱۲۰۶ھ کو کوہاٹ وغیرہ کا دورہ کر کے واپس پشاور آئے تو آپ نے پشاور میں ان کا استقبال کیا۔

اگرچہ آپ کی محبت اور ارادت حضرت شیخ سعدی لاہوری سے بدرجہ کمال تھی، مگر آپ حضرت سمرالاعظم شیخ یحییٰ المعروف امک حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نئے اور حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ

۱۔ سمرالاعظم بکوالہ "روحانی ترویج" اور عبدالعلیم صاحب اثر افغانی تلمی۔

تھے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ اور حضرت آدم بنوری، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید و خلیفہ تھے۔ جناب چکنی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح المعانی شرح خلاصہ کیدانی کے دیباچہ میں اپنی بیعت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

”شما طریقہ اولیٰ وہ“، حضور پُر نور نبی کریم علیہ التّیّہ  
والتّسلیّم رُوح پُر فتوح شما تربیت کرے وو، لیکن پد ظاہر  
کنب شما چارہ دا خبرہ ضروری وہ چہا دکوم یو ژوند عاید  
نہ دے بیعت او کدم، پہ دے وجہ اٹک حضرت  
شیخ یحییٰ المعروف حضرت جی صاحب نہم پسا  
نقشبندیہ طریقہ کبن بیعت او کہی و۔“

ترجمہ:۔۔ میرا (روحانی) طریقہ اولیٰ تھا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پُر فتوح  
نے میری تربیت کی تھی، لیکن ظاہری طور پر میرے لئے ضروری تھا کہ کسی ایک زندہ پیر کی  
بیعت کرتا یہی وجہ تھی کہ میں نے اٹک کے حضرت یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی  
صاحب سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔“

آپ نے تکمیل سلوک کے بعد سندھ اور شاہ کوہِ زینت بخشی، تبلیغ اسلام، اشاعت علوم  
اسلامیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج میں مصروف ہو گئے۔ گرد و لواح کے شہروں میں اور  
بستیوں میں دوسے کرتے اور اُمرا بالمعروف ”نہی عن المنکر“ فرماتے۔ تمام اوقات

۱۰ یہ کتاب پشتمیں ہے ۱۰

عیادت الہی، اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں بسر کرتے۔ لنگر جاری کیا۔ ہر آنے جانے والوں کو لنگر سے کھانا ملتا۔ مسافروں کی اشیاء سفر کی ضروریات بھی مہیا فرماتے۔ تقریباً پانچ سو کے قریب افراد روزانہ دونوں وقت کھانا لنگر سے کھاتے۔ امراء اور غربا یکساں آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ آپ کی خانقاہ باقاعدہ طور پر سلوک و معرفت کی ایک درسگاہ تھی، جس میں حسب توفیق ہر ایک صاحب معرفت بن کر مخلوق خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا۔

آپ انتہائی سادگی اور بے ریا زندگی بسر کرتے۔ عموماً روزہ سے ہوتے اور اگر کبھی کبھار افطار بھی کرتے تو بہت ہی کم کھاتے۔ بغیر ضرورت کے گفتگو نہ فرماتے۔ انتہائی درجے کے قلیع سنت تھے۔ حضور اکرم سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی عملی تفسیر تھے۔

آپ کی صحبت بابرکت میں بڑے بڑے اعالم علماء اور فقہا انتہائی ارادت سے آتے اور اپنی اس حاضری کو سعادتِ اُخروی و دنیوی کا سبب سمجھتے، یہاں تک کہ آپ سے بیعت ہو کر صاحبِ مجاز بھی ہوتے۔

اس کے ساتھ ساتھ کہ آپ نے طریقہ نقشبندیہ کو اپنی زندگی کا مقصد اور طیف بنا رکھا تھا۔ آپ نے تقریباً کے فریضہ بھی مذہب و قوم کی خدمت کی جو آج تک بنائی گئی ہے۔

خلاصہ کیدانی فقہ حنفی کی ایک متداول کتاب ہے جس میں ناز کا مکمل طریقہ ہے آپ نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس کا پشتون نظم میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب اسلام کے فروغ و ترویج کے متمم جناب مولانا سید فضل صدیقی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

جس کا نام ”توضیح المعانی“ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ پر ایک کتاب ”شمائل الغنی“ صلی اللہ علیہ وسلم لکھی۔ ایک ضخیم کتاب ”الاسرار یا خزینۃ الاسرار تقریباً ۹ سو صفحات پر فارسی میں لکھی اس کتاب میں اپنے مشائخ کا تذکرہ اور علم تصوف کو لکھا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی نایاب ہے۔

محترم عبدالحلیم صاحب انٹرافغانی نے اس کتاب کو کابل میں دیکھا ہے، مفتی غلام سرور صاحب لاہوری مرحوم نے اپنی مایہ ناز کتاب ”خزینۃ الاصفیاء“ میں اکثر اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں۔ ایک کتاب ”المعالی“ قصیدہ امالی (جو کہ عقائد احناف کی کتاب ہے) کی شرح میں لکھی، یہ بھی قلمی ہے اور بھانہ ماڑھی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

دیشنورنسب نامہ ”بھی آپ نے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ تمام کتابیں قلمی ہیں۔ آپ کی کرامات بے حد و حساب ہیں، آپ کے مریدین میں ”لوئے بابا“ احمد شاہ ابدالی بھی تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی ”لوئے بابا“ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے آپ سے طالب دعا ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ

”ہمراہ خود ہمہ وقت مرا پنداری“

یعنی مجھے ہر وقت اپنے ساتھ تصور کرنا۔ ادھر ”لوئے بابا“ لڑتا اور آپ ایک قبچلی لے کر چمپنی کے کسی ایک باغ میں داخل ہو کر پتوں کو کاٹتے رہتے۔ ”لوئے بابا“ کہتے تھے کہ جس طرف بھی جہاد میں ممتہ پھیرتا مجھے حضرت صاحب موصوف کا فروں کے ساتھ لڑتے ہوئے نظر آتے۔

اس وقت بھی آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جس شخص کو بدن کے کسی مقام پر دروہوہ آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہے۔ اللہ آپ کی برکت اور طفیل سے اس کو

شفا مرحمت فرماتا ہے، اور سینکڑوں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں آپ کا مزار مزاج خلالتی ہے۔

آپ کی وفات رجب المرجب ۱۹۰۰ھ میں واقع ہوئی اور موضع چمکنی میں جو کہ شاہی سڑک پر پشاور سے تین میل دور واقع ہے، آپ کا مزار ہے۔

آپ کے خلفاء بھی اسی طرح صاحب علم، صاحب سلوک و معرفت اور صاحب تحریک ہوتے ہیں۔ ویسے تو آپ کے کافی خلفاء ہوئے ہیں مگر یہاں پر چند ایک نام لکھتا ہوں۔  
آنحضرت ملا عبدالکحیم صاحب - موضع گجر گڑھی ضلع مروان

آنحضرت زادہ حاجی فضل اللہ - موضع آگرہ، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور

محمدی صاحبزادہ صاحب - یہ آپ کے فرزند عزیز ہیں۔ آپ بہت ہی

عالم و فاضل تھے۔ آپ نے "مقاصد الفقہ" نامی کتاب

اور "درد منظم" لکھا ہے۔ نیز برہان الاصول و اصول فقہ عربی

مولانا عبدالرحیم صاحب لاہوری نے اسلام کا صحیح تحریر کرتے ہیں۔

"بارہویں صدی کے علماء میں سے ہے۔ اپنے زمانہ میں عالم فقہ تھا۔"

علیہ اللہ میاں گل صاحب - آپ بھی آپ کے فرزند ہیں اور صاحب تصنیف

عالم ہیں۔ پشتو میں "عبرت نامہ" نامی کتاب لکھی ہے۔

قاضی انور عبدالرحمن صاحب - پشاور شہر

ارباب معزز اللہ خان صاحب - موضع سر بند



اتوند عافظ شیر محمد صاحب - بازار احمد خان شہر بٹول -  
 محمد اخند ناون - موضع رستم علاقہ سدوم  
 نور محمد شریفی - نوے کی تھانہ، مالکانڈ ایجنسی  
 احمد شاہ ابدالی - (لوٹے بابا) بادشاہ مورتانی

---

# حضرت غلام محمد صاحب المعروف صاحب سادات حنبلیہ نقشبندی

سالہ تا ۱۱۷۵ھ

آپ کا اسم گرامی غلام محمد، لقب قدوة الاولیاء اور مشہور ہیں حضرت جی صاحب کلام  
 پر آپ نسبتاً فاروقی ہیں، اور پانچویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی،  
 امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے جالتے ہیں۔  
 سرہند شریف علم و فضل، سلوک و معرفت کا مرجع تھا۔ اور آپ کے والد گرامی مرت  
 حضرت علامہ غلام محمد معلوم المعروف معلوم ثانی، صاحب علم و زہد و تقویٰ سے آرا  
 و پیرا تھے، لہذا آپ کی تربیت بھی علماء و فضلاء کی گود میں ہوئی۔ علم حدیث میں  
 خصوصاً اپنے وقت کے علماء میں سب کے قافلہ سالار تھے۔ ہر ایک بات پر جو کہ  
 عادات سے ہوتی یا عبادات سے متعلق ہوتی حدیث بیان فرماتے۔ علوم دینی سے  
 فراغت حاصل کر کے اپنے والد محترم سے بیعت ہو کر کمالات باطنی کو درجہ کمال تک  
 پہنچایا۔ والد محترم نے اپنی زندگی ہی میں خلافت عطا فرما کر سند ارشاد پر جلوہ افروز کیا۔  
 اور اپنی تمام اولاد مریدین و مخلصین کو آپ کے پیرو کر دیا۔  
 آپ کے وجود مبارک سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو کمال عروج حاصل ہوا،

اور عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔ ہر چہاں طرف سے عالم، اُمراء، مشائخ اور فقرا آ کر  
 قریبین کے حلقہ میں شامل ہونے لگے۔ آپ کے نواسہ حضرت عبداللہ صاحب ایک مو  
 دنی پمفلٹ موسوم بہ ”حالات حضرت جی صاحب پشاور والا“ میں تحریر فرماتے ہیں  
 ”اور وہ اندکہ در حلقہ صبحوگا ہی ایشان زیادہ از دو وزانہ ہزار مرد جمع می شدہ“  
 یعنی آپ کے صبح کے حلقہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔

جبکہ ہندوستان میں دور مغلیہ زوال پذیر ہو رہا تھا۔ شاہان مغلیہ دو بالخطا تھے۔  
 اور نادر شاہ ایرانی کے ہاتھ سے تخت و تاج وہلی برباد ہو گیا تھا۔ مرہٹوں اور سکھوں کے  
 تسلط و اقتدار میں پنجاب جا چکا تھا، انھوں نے مساجد اسلامیہ کو ڈھانا۔ مسلمانوں  
 کے شہروں کو برباد کرنا۔ مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنا اور مال و اسباب لٹونا اپنا شعار  
 بنایا تھا۔ اس ٹھیس اور خطرناک ماحول میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی  
 اولاد بھی سر ہند شریف چھوڑ کر دور دراز شہروں میں چلی گئی۔ چنانچہ اپنے بھی ان زندہ  
 صفت سکھوں کے ہاتھوں سے تنگ آ کر پشاور میں قیام فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی  
 رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر اولاد کچھ تو رامپور اور کچھ خراسان کی طرف ہجرت کر گئی۔

آپ کا مقرر کردہ طریقہ تھا کہ چھ مہینہ لاہور اور پھر مہینہ پشاور قیام کرتے جس طرح  
 بادشاہوں کا قافلہ ہوتا اسی طرح سفر کرتے۔ یعنی اولاد، بھائی، متعلقین اور تمام سادوسا  
 کے ساتھ آمد و رفت کرتے۔ نیز موسم گرما اور موسم سرما میں ایک سو کے قریب اونٹ  
 گھوڑے، کجاوے اور بالکیاں آپ کے ہمراہ ہوتیں۔

پشاور شہر میں آپ نے باقاعدہ باغ اسد اللہ خان میں خانقاہ قائم کی۔ یہ باغ  
 بہت بڑا تھا۔ اس کی تمام آمدن خانقاہ کے اخراجات پر صرف ہوتی۔ اسد اللہ خان

قضاویوں سے تھا اور آپ کا انتہائی مخلص معتقد تھا۔ اس باغ کے ساتھ زرعی زمین بھی تھی اور یہ سب آپ کی وفات کے بعد سکھوں کے دور تک اس باغ اور زمین کی آمد آپ کی وگاہ پر خرچ ہوتی۔ آپ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑی مسجد اور مسافروں کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے۔ یہ تمام عمارتیں سکھوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئیں۔ اب صرف تقریباً ایک جریب زمین ہے جس پر ایک خستہ سی مسجد اور آپ کا مزار ہے۔ آپ کی اولاد کابل، قندھارہ اور سندھ میں آباد ہے۔ آپ کی اولاد میں سب کے سب عالم و فاضل اور اولیاء کاملین تھے۔ اس وقت بھی صاحبان علم و فضل و مجاہدین نقشبندی حضرات اب بھی آپ کے مزار پر الزار بر مراقبات و ختم شریف کرتے ہیں۔

ذاتی برائے ایصال و فاتحہ حاضر ہوتے ہیں۔

عید الفطر کی رات شوال کے مہینہ میں ﷺ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ اور اسی باغ اسد اللہ خان میں بھوڑی دروازے کے باہر (شعبہ میں) دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت شاہ غلام حسن المتوفی ﷺ کی قبر ہے۔ آپ بھی عالم و فاضل اور اپنے والد محترم کے خلیفہ تھے۔ والد گرامی کی زندگی میں ہی ارشاد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں کمالات کو پہنچے، اور ہزار ہا مخلوق خدا کو ہدایت نصیب فرمائی۔

آپ کے خلیفہ جناب محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر بھی اسی قبرستان میں واقع ہے۔

حضرت قطبِ وقت و فضلِ اصحابِ معصومین علیہم السلام "بیہو صاحب" رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۱۵ھ تا ۱۲۳۲ھ

آپ کا اسم شریف شاہ میاں غلام محمد، لقب فضل احمد معصومی ہے اور آپ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ عمام النکس اور ابو احراما آپ کو حضرت جی (جیو) کے بزرگانہ نام سے پکارتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۵۱۵ھ میں بمقام سرہند شریف ہوئی۔ آپ کا نسب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کی وصالت سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے۔ نیز آپ اپنی وادی صاحب کی وند سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

حفظ قرآن مجید کے بعد تعلیم مذہبی میں منہمک ہو گئے۔ مذہبی علوم سے بہرہ ہوا کر اپنے

صاحب "تحفۃ المرشد" فرماتے ہیں کہ "تاریخ ولادت حضرت جیو صاحب ظہری یعنی حضرت جی صاحب

کی تاریخ ولادت بحروف ابجد "ظہری" سے نکلتی ہے یعنی ۱۵۱۵ھ یا ۱۵۱۶ھ یا ۱۵۱۷ھ۔

۱۵۱۵ھ میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب بیرون بوٹنی گیٹ دوسرے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ الگ

موجود ہے

نانا جناب حضرت شاہ محمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت میں چوبیس برس رہ کر جامع علوم ظاہری و باطنی، صاحبِ ذکر و فکر، صاحبِ مجاہدہ و مشاہدہ، صاحبِ استقامت و کرامت اور مکارمِ اخلاق سے متصف ہوئے، انہی سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی، اور طریقہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں جناب شیخ عبداللہ صاحب بخاری المقلب حضرت میر صاحب سے فرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

”فقیر خدمت حضرت میر صاحب را ہم علیہ الرحمۃ بسیار کروہ ام، وایں بركات  
کہ یافتہ ام از اثر التفات و صحبت ایشان است“

یعنی میں نے حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی ہے۔ یہ تمام بركات میں اور سعادت انہی کی محبت و شفقت اور توجہ کاملہ کا نتیجہ ہے۔

آپ مریدین کو ہر چہ اس سلسلہ میں مرید فرماتے۔ مگر خصوصاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید کرتے اور اس کی وجہ خود بیان کی، فرماتے ہیں۔

”ویریں فسادِ زمان، و بعد عہد نبوت تعلیم اس طریقہ علیہ از تعلیم طریق دیگر اولیٰ  
والنسب است، کہ التزام شریعت و متابعت سنت دین طریقہ از طرق  
دیگر بوجہ اتم و اکمل موجود است“

یعنی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری ایذاعات و رسوماتِ جاہلیہ کی یادتی سے بہت فساد پیدا ہو گیا ہے۔ چونکہ اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) میں دیگر سلاسل سے بوجہ اتم و اکمل بہت زیادہ سنت نبوی کی متابعت اور التزام شریعت پایا جاتا ہے۔ اس

لے ”تحفۃ المرشد“ ص ۱۰۵

لئے اسی سلسلہ کی تعلیم عام طور پر کرتا ہوں۔

آپ نے اس سلسلہ کو سرہند شریف میں شروع کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اتنی برکت اور اتنا تصرف عنایت فرمایا کہ جو طالب مولا آنا و اصل بحق ہو جاتا اگر ناقص ہمارا تو کامل ہو جاتا۔ نیز آپ کی دینی تبلیغ کی وجہ سے ہزاروں لوگ صلاحیت سے سرفراز ہوئے۔

جب سرہند شریف پر سکھوں کا تسلط ہوا اور انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے، گھروں کو جلایا، مساجد کو صطبل بنایا۔ پاک و امن عورتوں کو بے عزت کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا تو مسلمانوں نے سرہند سے ہجرت کی۔ ان ہجرت کرنے والے لوگوں میں آپ بھی تھے۔ آپ بمعہ اہل و عیال کے براستہ چھ ہزارہ پشاور شریف فرما ہوئے اور محلہ "کاکا جمعدار" میں قیام کیا۔ پشاور شریف میں آپ کے اخلاق کریمانہ اور متابعت سنت کی وجہ سے آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی مشہور و معروف علماء آپ کی صحبت بابرکت کو سعادت دارین سمجھتے۔ کاکا جمعدار کی مسجد بہت ہی مختصر تھی اور اٹوہام زیادہ تھا تو آپ نے وہاں سے اٹھ کر محلہ فضل حق صاحبزادہ میں آکر قیام کیا، آپ کا مزار بھی اب یہیں ہے۔

اگرچہ پشاور آپ کی مستقل قیام گاہ تھی، مگر آپ اکثر ماوراء سرحد کے سفر بھی کرتے پشاور سے لے کر گجرات تک آپ نے پانچ بار سفر کیا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جو راستہ میں پڑتے ہیں آپ کے دست گرفتہ ہوئے جتنی کہ بادشاہ بخارا غازی شاہ مرو

۱۔ مثلاً رئیس الحدیث حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب، جناب حافظ محمد عظیم صاحب

اور اس کا بیٹا امیر حیدر، بعد اپنے دربار کے علماء اور اُمراء کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔

چار سو کے قریب آپ کے خلفائے تھے، جنہوں نے دینِ حق کی تبلیغ کی، سنتِ نبوی کی اشاعت کی۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد کی پابندی کی۔ طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی کمالِ اخلاص اور محبت کے ساتھ خدمتِ سرِ انجام دی۔ ان حضرات کا ”امر بالمعروف“ ”نہی عن المنکر“ کا کرنا خاص وصف تھا۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ تیرہ برس کی عمر سے لے کر وفات تک صائم الدھر رہے۔ اکثر اوقات علیحدگی اور چلہ میں رہتے۔ سفر و حضر میں دعائیں اور اور وظائف پڑھتے رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد تفسیرِ حدیث کا درس فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد فقہ پڑھاتے مکتوباتِ حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس دیتے پھر کی نماز کے بعد مراقبہ شریعتیہ پڑھتے اور تمام رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیام کرتے۔

جناب حضرت جی صاحب انہی عبادت، ریاضت، مجاہدہ، تبلیغِ اسلام اور متابعتِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنے کے باوجود فرماتے ہیں۔

”ما بجز گناہ و نامہ تباہ و عصیاں فراوان و غفلت و پریشانی و سہو و نسیان و خطا و نقصان دیگر چیزے نمی باشد“

یعنی میرے پاس سوائے گناہ، غرابی، نامہ اعمال، گناہوں کے بہتات، غفلت، پریشانی

بے تحفہ المرشد ص ۱۰۷



بھٹول، نسیان، غلطی اور کمزوری کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور اکثر یہ مصرعہ پڑھا کرتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

”جو بید پر سرایمان غمیش می لزم“۔ اور یہ شعر پڑھا کرتے۔

ندارم هیچ گونه تو شکر را بجز لا تقنطوا من رحمة الله

یہ آپ کا انکسار اور عاجزی تھی جو آپ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں کیا کرتے تھے۔

سزا و ست کا یہ عالم تھا کہ جب آپ پشاور پہنچے تو پشاور پر چاروں طرف سے تباہیوں اور بربادیوں کے بادل اُڑ اُڑ کر چھا رہے تھے۔ ان مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت اس وقت قحط تھا۔ لوگ موت کے کنارے سسکیاں بھر رہے تھے۔

چھوٹے چھوٹے بچے والدین کے سامنے ٹڑپ ٹڑپ کر جان دے رہے تھے۔ آپ نے اپنے ”دویشانہ لنگر“ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ ہزار ہا لوگ اس لنگر سے روزانہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھاتے۔ بلکہ اکثر غربا اپنے گھروں کو بھی لے جاتے۔

ایک بار آپ کی خدمت میں ایک طالب علم آیا۔ اس نے ریتدالکرمین، عالم علوم اولین و آخرین سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک نعت پڑھی جب وہ اس شعر پر پہنچا۔

وصف و ثنا کہ لائق نعت بود کجا است بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

تو آپ بار بار فرماتے کہ خدا تیری زبان پر رحمت کرے۔ جب وہ نعت ختم کر چکا تو آپ نے ایک کنواں اور پانچ جھڑب زمین جو کہ آپ کی اپنی ملکیت تھی اس طالب علم کو بخش دی، اور فرمایا کہ یہ اسی شعر کا صدقہ ہے۔

آپ سے زمینیں بار اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنا تمام گھر اور سارے سامان تقسیم کر دیا اور

پچھانی تک نہ چھوڑی۔ ایک بار ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی پگڑی اور گلے سے کرتا اتار کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ اس کو فروخت کر کے اپنا گزارہ کر لے۔

آپ کے علم کا ایک واقعہ ہے، ایک شخص اگر مرید ہو گیا۔ چند عرصہ کے بعد مریدو طریقت ہو گیا۔ پھر پشیمان ہو کر حاضر خدمت ہوا، اور اپنی جو حالت و پشیمانی پر نادم ہوا۔ اور عرض کیا کہ اپنی برو باری اور علم کا صدقہ مجھے معاف فرمادیں۔ آپ نے معاف فرمایا ہوئے دوبارہ داخل سلسلہ کیا اور روحانی فیوض و برکات سے نوازا۔

ہرات پر محمود شاہ غازی کی حکومت تھی۔ زمان شاہ نے اس پر حملہ کر دیا محمود شاہ غازی شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگ گیا۔ والی بخارا نے اس کو عزت و احترام سے رکھا۔ اتفاقاً ان دنوں آپ بھی وہیں قیام فرماتے تھے۔ محمود شاہ ہرات آپ کا دامن پکڑ کر طالبِ دُعا ہوتا۔ اور بعد گریہ و زاری عرض کرتا کہ مجھے میرے والد کی سلطنت دوبارہ مل جاتے۔ ایک دن محمود شاہ غازی نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ تو آپ نے محمود شاہ کو فرمایا۔ ”تم ظالم ہو، جب حکومت کے نشہ میں غرق ہو جاتے ہو تو ظلم و جور کرنا شروع کر دیتے ہو، اگر میں تمہارے لئے دُعا کروں تو میں بھی ظالموں میں گناہاؤں کا پتلا محمود شاہ نے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ ”عدل و انصاف کروں گا، اور کسی شخص پر زیادتی نہیں کروں گا“ آپ نے یہ وعدہ بھی لیا ”کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو حکومت عطا کرے گا، تو کوئی کام شریعتِ محمدیہ کے خلاف نہ کرو گے“ محمود شاہ نے یہ عہد کیا اور کہا کہ ”جب میں ایسا کروں تو آپ امر بالمعروف کریں اگر باز نہ آؤں تو بد دُعا کریں“ آپ نے فرمایا۔ ”کہ میں کسی کو بد دُعا نہیں کرتا، نیز آپ نے فرمایا کہ عمل آنا۔ دوسرے دن وہ آیا آپ

نے اس کو فرمایا کہ انتظام کرو۔ ”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کی دعا کو قبولیت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ انشاء اللہ تم کو اپنے والد کی سلطنت عطا فرمائے گا“

محمود شاہ غازی چند سواروں کے ساتھ ہرات کو روانہ ہو گیا۔ گورنر ہرات شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہاں کا انتظام، اسلحہ، فوج وغیرہ سنبھال کر محمود شاہ نے قندھار کا رخ کیا۔ قندھار کا حکم فرار ہو گیا۔ وہاں پر قبضہ کرنے کے بعد محمود شاہ نے کابل پر ہتھ بول دیا۔ ایک دن کی لڑائی کے بعد زمان شاہ کو ہستان کو بھاگ گیا اور محمود شاہ تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر آپ کی حق گوئی اور جرات و ہمت کا انداز ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ سمجھایا کہ حکومت اسلامی قوانین اسلام کے نفاذ کے ساتھ ہے جناب حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی استقامت فی الدین کی مکمل حیات تھی۔ آپ اپنی زندگی میں انتہائی طور پر کشف و کرامات کا انخفا کرتے مگر بغیر قصد و ارادہ کے بھی آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوتا۔ صاحب تحفۃ المرشدین پر تحریر فرماتے ہیں۔

”اذاں جناب ولایت مآب قدس سرہ آں قدر کرامات و خرق عادات و واقعات و حالات و اشراجات و کشفات و الہامات از اول تا آخر عمر شریف بقصد و اختیار یا بے قصد و بے اختیار باذن ملک جہاں ظہور کردہ است و بوقوع آمدہ است کہ احصائی آں متعسر و متعذر و از حد حد و حضرت خارج است“

آپ کو ”کشف عیبانی اور ”کشف کونی“ بھی تھا۔ بخاراسے واپسی پر علاقہ صابریہ میں ایک مخلص کے گھر ٹھہرے۔ آپ بصرہ متعلقین مراقبہ میں تھے۔ دوران مراقبہ اس علاقہ

کے ایک معزز سید، سید شاہ برہان الدین صاحب چناری آپ کی ملاقات کو پہنچ گئے  
 رات کے دوران آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور سید صاحب موصوف کے پاس آئے  
 ان کو اٹھا کر اپنی جگہ پر بہت عزت و تکریم سے بٹھایا۔ چونکہ آپ نے اس سے پہلے سید  
 موصوف سے نہ ملاقات کی تھی اور نہ ہی آپ پہچانتے تھے۔ لہذا اہل حلقہ نے آپ  
 سے عرض کیا کہ آپ نے ان کو کیسے پہچانا۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹائی  
 الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (مجھ کو عظیم و خیر نے غائبانہ خبر دی ہے)

فضیلت پناہ و املا عوین باقی جو نہایت ہی متوسع اور متقی عالم تھے فرماتے ہیں  
 کہ میں اکثر آپ کی خدمت میں موجود رہتا۔ آپ وہی مسائل مجھ ہی سے پوچھتے اور  
 دیگر علماء پر مجھے فوقیت بھی دیتے۔ مگر میرے دل میں مزید ہونے کا خیال پیدا نہیں ہوا۔  
 اس لئے میلان طبیعت طریقت کی طرف نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ متفہمین  
 کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد مشائخ کو ان کے مطابق نہ پاتا اس لئے بھی پست ہمت  
 ہو گیا تھا۔ ایک بار یہ خیال آیا کہ جب حضرت جی صاحب قبح سنت سے مستحبات  
 بعض اوقات رہ جاتے ہیں تو باقی مشائخ کا کیا حال ہوگا۔ فوراً آپ نے مجھے ایک  
 طوطا کر کے بلایا، اور فرمایا۔

”ایں لامی و اقم کہ در خاطر شما از چند وجہ از جانب این فقیر شبہہ است“

بروید و امشب فلاں فلاں کتاب کہ در خانہ وارد این مسئلہ را بہ بینید“

یعنی کس بات کو خوب جانتا ہوں کہ اس فقیر کے متعلق تمہارے دل میں چند شبہات  
 ہیں ان حالات آپ فلاں فلاں کتاب جو کہ آپ کے پاس ہیں دیکھ لیں۔“ حضرت  
 فلاں صاحب فرماتے ہیں۔

”یہ جہاں کروم“

میں نے اسی طرح کیا، تو تسلی ہو گئی کہ حضرت جی صاحب کی حرکات و سکنات بھی عین سنت مطہرہ کے مطابق ہیں، جو کہ بہت وسیع مطالعہ کے بعد انسان معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے مکشوفات کا قائل ہو گیا۔ اور مخلص مریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ میرے تمام شبہات و اعتراضات زائل ہو گئے۔“

اگر آپ کی کرامات لکھی جائیں تو پوری کتاب بنتی ہے۔ صاحب تحفۃ المرشد نے اپنی کتاب کے ص ۱۱۱ سے لے کر ص ۱۲۸ تک بیان کی ہیں۔ آپ نے مشائخ کا طریقہ وفات سے دو سال قبل ہی بہت کم کر دیا تھا۔ خانقاہ اور مریدین صاحبزادہ فضل حق صاحب کے سپرد کر دی تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے تمام فرزندوں اور مریدین کو جمع کیا۔ صبر، تقویٰ، حدود اللہ کی پابندی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وصیت کی اس وصیت کے بعد کسی اور طرف التفات نہیں کیا اور رفیق اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، ذکر و فکر، اور فکر تو جید پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

آپ کی وفات یکم محرم الحرام ۱۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ (بدھ) صبح کے وقت ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ فضل حق صاحب نے آپ کی وفات ”آہ مرشد برفت“ سے نکالی۔

آپ کے فرزند تھے۔ آپ کی مزار والد کے پہلو میں ہے۔ اب یہ محلہ جہاں آپ کا مزار ہے فضل حق صاحبزادہ کے نام سے ہی موسوم ہے۔

# حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف "میاں صاحب"

۱۱۹۸ تا ۱۲۹۲ھ

آپ کا نام نامی حافظ غلام جیلانی، والد کا نام حافظ غلام حبیب لقب علامہ محترم اور "میاں صاحب آسیا" کے نام سے مشہور تھے۔ پختانی خاندان تھا۔

آپ کے والد عالم و فاضل نہایت ہی متقی اور پابند سنت تھے۔ وعظ فرمایا کرتے۔ فتویٰ بھی دیا کرتے۔ سکھوں کے خلاف محدثین ہندوستان کی بڑی مدد کی۔

حافظ غلام جیلانی صاحب نے اپنے والد سے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی۔ حافظ حبیب اللہ صاحب قندھاری آپ کے اساتذہ میں

۱۔ مولانا عبد الرحیم صاحب مرحوم لائبریری اسلامیہ کالج پشاور باب المعارف العلیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ کے صفحہ ۱۱۳ پر حافظ حبیب اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: "بارہویں صدی ہجری کا ایک عالم مقہر ہے۔ مولانا غلام جیلانی مرحوم ایک واسطے سے ان کے شاگرد تھے۔"

۲۔ فاضل حبیب اللہ قندھاری اپنے وقت کے علامہ تھے۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ شیخ فقیر اللہ صاحب دہلوی نے مرحوم رضی اللہ عنہم پر آپ کے شیخ اشیخ تھے۔ آپ کے علم کا شہرہ بخارا تک تھا۔ اس وقت (بھیہ صفحہ ۱۱۳)

سے تھے نیز حضرت مولانا مولوی حافظ عبدالرحیم صاحب افغان بھی آپ کے اُستاد تھے۔ حدیث شریف سے حضرت مولانا مولوی سبحان علی صاحب دہلوی سے پڑھی۔ جس وقت حافظ عبدالرحیم صاحب افغان کو قومی اور وطنی سرگرمیوں کی بنا پر بغاوت کے الزام میں انگریزوں نے دس سال قید کیا تو اس وقت حضرت میاں صاحب کو بھی ان کی تحریک کا ایک اہم رکن سمجھ کر قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور انگریزوں کی نظر میں آپ بھی ایک کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے۔

آپ کے اُستاد فاضلِ اکمل حافظ حبیب اللہ صاحب قندھاری اور آپ نے تحریکِ محمدیہ ہندوستان کی پوری پوری حمایت و اعانت کی تھی۔ علماء پشاور نے محمدیہ ہندوستان کے عقائد کی بنا پر جو وہابی ہونے کے فتوے دیئے تھے ان پر ان ہر دو حضرات نے جواب میں رسالے لکھے۔ جناب حضرت جی صاحب، سید امیر شاہ کوٹہ ملا صاحب پر جو فتویٰ دیا گیا تو حضرت میاں صاحب آسیا ولے نے اس کا رد کیا۔

اسلامیہ کالج کے کتب خانہ میں آپ کی مندرجہ کتابیں موجود ہیں ”مختصر المحصول فی علم الاصول (عدد مسلسل ۶۳۲) یہ کتاب اصول فقہ میں ایک معرکہ الاکرا کتاب ہے۔ رسالہ ”احادیث موضوعہ“۔ ”اھانتہ الملتہ فی التوقیف عن تکفیر اهل القبلہ“۔ ”علم تکفیر اهل قبلہ“ ہر دو رسالہ عربی میں ہیں اور عدم تکفیر اهل قبلہ فارسی میں ہے۔ (عدد مسلسل ۸۰۸ پر)

۱۔ میر قاسم ادیب پشاوری نے مندرجہ ذیل عبارت مولانا عبدالرحیم افغان مرحوم کے ایک قلمی روزنامہ سے نقل کی ہے۔ یہ قلمی روزنامہ قاسم صاحب نے رحیم بخش صاحب اصرار مدیر ماہنامہ ”دیدہ فرد“ کے پاس دیکھا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ جب میں مدیر ”دیدہ فرد“ کے پاس گیا تو اس نے کتاب بتلائی بھی گوارہ نہ کی۔ مولانا عبدالرحیم (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۵)

پندرہ گز صاحب یوسفی لکھتے ہیں: "مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب جو کہ پشاور کے مشہور عالم دین تھے۔ تحریک مجاہدین کی حمایت میں تھے۔"

صرف یہی نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی دکن کو انگریزی فسطائیت نے زخم کا نام دیا، میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز ممالک تک پہنچا ہوا تھا۔ غزنی، ہرات، خرقند، بخارا اور کابل تک کے طلباء آ کر آپ سے اپنی علمی استعداد کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے، اور اس چشمہ علم و حکمت سے فیضیاب ہو کر لوٹتے، آپ علوم متداولہ کے جملہ فنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، اسی لئے آپ

لہ افغان علاقہ آسیا محلہ بڑھو کی مسجد کے امام تھے۔ عابد و زاہد اور متبحر عالم تھے۔ پشاور شہر کے اکثر علماء آپ کے ہی شاگرد تھے۔ انگریزوں کے بہت ہی سخت مخالف تھے۔ وائسرائے ہند شیواجی دون کھلے میں مقیم تھا۔ حافظ صاحب کو لکھا: "از جانب گورنر جنرل دکن (مکتوب بدین مضمون گورنر جنرل اول ہند) مولانا حافظ صاحب کو لکھا: "شمارا اطلاع باید کہ آلے دور مغلیہ ختم شد و دور برطانیہ قائم شد ویریں اثنا اطاعت حکومت انگلیشیہ بہر حال لازم است۔"

آپ نے انتہائی دلیری اور جرات کے ساتھ حق بات کا واضح اور علی الاعلان اظہار کیا، اور جواب میں لکھا: "ما برائے ہندوستان لفظ برطانیہ پسند نمی توانم، چرا کہ این اسلامیہ ہند است، ما برائے سلطنت مسلمانان۔ دوبارہ تحریک می کنم۔" انہی وطنی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کو حکومت انگریزی نے دس سال قید کیا۔

مولانا حافظ غلام جیلانی صاحب کے قلمی فتویٰ کا مجموعہ جو کہ ملامجید علاقہ ہشتنگری پشاور کی مسجد کے امام کے پاس ہے۔ یہ ایک بہت قیمتی مجموعہ ہے، جو کہ تقریباً ۱۲۰۰ صفحات پر ہے۔

۱۱۸ تاریخ یوسف زئی پنهان ص ۱۱۸



تمام فنون پڑھاتے، آپ کا ذوق مطالعہ اس حد کمال تک پہنچا ہوا تھا کہ کسی وقت بھی بغیر کتاب کے نہ ہوتے، اور آپ کے کتب خانہ کی تقریباً ہر ایک کتاب پر آپ نے کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے۔ جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم لاہور پیرین اسلامیہ کالج پشاور و تحریر فرماتے ہیں۔ "تیرھویں صدی کا بہت بڑا متبحر عالم تھا۔ ان کے تبحر علمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس عظیم الشان کتب خانہ میں ایسی کتاب کم تر ہوگی جس پر علامہ موصوف نے مطالعہ کر کے کچھ حاشیے یا کوئی مفید یادداشت نہ لکھی ہو۔"

آپ کی یہ عادت تھی کہ اپنے مطالعے کے کمرے میں چیراغ کی مدغم روشنی میں کتابوں کے مطالعہ میں کہنیوں کے بل بیٹھے بیٹھے رات گزار دیتے۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ زبانِ نوحِ فناؤں ہے کہ ایک بار شب جمعہ آپ کے مطالعے کے کمرے میں ایک نور ظاہر ہوا۔ دیکھا تو حضرت شہنشاہ نے حضرت شہنشاہ نے آپ سے فرمایا کہ آپ نے میری تلاش میں زندگی بسر کر دی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ سے مل لوں، اب فرمائیے کہ آپ کو کیا ضرورت ہے جناب حافظ صاحب نے مسکرا کر فرمایا۔ اے جناب شہنشاہ! جب کچھ دینے کا وقت تھا تو آپ نہیں ملے آپ نے اپنی کہنیاں دکھاتے ہوئے حضرت شہنشاہ سے فرمایا۔ دیکھئے حصولِ علم کے لئے میں نے شب و روز کتابوں کے مطالعہ میں اس کمرے میں اپنی کہنیاں منظورم اور ڈاڑھی سفید کر دی ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

آپ کے اسی ذوقِ مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بہت ہی اعلیٰ، کمیاب اور قیمتی کتب خانہ تیار فرمایا۔ جس وقت آپ حج پر تشریف لے گئے تو وہاں سے

بھی آپ بہت نایاب کتب تلاش کر کے ہمراہ لائے، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ انجیل مقدس کا ایک کلمی نسخہ ساتھ لائے تھے جس کو آپ بہت ہی عزت و تکریم سے رکھے ہوئے تھے اور بڑے بڑے عیسائی علماء اس کی زیارت کے لئے آتے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد جبکہ یہ کتب خانہ اسلامیہ کالج بھیجا گیا۔ تو اس انجیل مقدس کے نسخہ کو یورپ بھیج دیا گیا۔ آپ کے کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں، علوم اسلامیہ کے ہر فن پر کتابیں موجود تھیں۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو اس عظیم و جلیل کتب خانہ کے مالک آپ کی بیوہ اور آپ کی دو صاحبزادیاں بھڑپریں۔ آپ کی بیوہ اور اولاد کوئی نہیں تھی۔ اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کے لئے بادشاہ کابل امیر حبیب اللہ شاہ صاحب نے کوشش کی اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ قیمت ادا کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مگر آپ کی بیوہ اور صاحبزادیوں نے اتنی بڑی رقم کو قبول نہ کیا اور بادشاہ کابل کو کتب خانہ نہ دیا۔

۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج بنایا گیا۔ منتظلیں و بانی اسلامیہ کالج سر سید سرحدی صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب مرحوم نے انتہائی کوشش کی اور ”حضرت میاں صاحب صاحب“ کا کتب خانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کتب خانہ اس وقت اسلامیہ کالج میں ”مکتبہ مشرقیہ دارالعلوم اسلامیہ پشاور“ کے نام سے موجود ہے۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے جنہوں نے اس دینی کتب خانہ کو محفوظ کر دیا اور یہ کتب خانہ آج تک تیشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے۔

۱۔ باب العارف السید فی کتب دارالعلوم اسلامیہ ازمولانا مولیٰ عبدالرحیم صاحب ناظم مکتبہ مشرقیہ دارالعلوم اسلامیہ سرحد۔

نہیں کہ اس کتب خانہ کا کیا حشر ہوتا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم ناظم کتب خانہ تحریر فرماتے ہیں۔ "مولانا مرحوم (یعنی میاں صاحب آسیا) کی عادت تھی کہ پہلے تو وہ ہر ایک کتاب کو اس کی اصلی صورت میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ان کے کتب خانہ میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جو خود مصنفوں کے سامنے لکھی گئی ہیں۔ یا مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کی گئی ہیں۔" یا اس نسخے کی نقل النقل ہیں، کئی ایک کتابیں بڑے بڑے علماء سلف مثلاً احمد بن عمر ان مقدسی، علامہ جبرتی، شیخ عبدالرحمن محدث دہلوی وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اگر اصلی صورت میں کتاب کا ملنا یا دستہ نہ ہو جاتا تھا تو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی نقل لے لیا کرتے تھے جس کی بیسیوں مثالیں کتب خانہ کے دیکھنے سے مل سکتی ہیں۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں اس طرح مولانا نے مدوح کے حسن اہتمام سے نقل کی گئیں، اور ان تمام کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ مولانا نے مدوح کے پاس مختلف علوم کی بہترین تصنیفات کا بیش بہا خزانہ جمع ہو گیا۔ یہ علمی خزانہ مولانا نے مدوح کو اتنا عزیز تھا کہ معمولی درجے کے اشخاص کو تو اس کی شکل دکھانے تک سے دریغ کرتے تھے، ہاں صحیح علمی مذاق رکھنے والوں کے لئے ان کے کتب خانہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

اس کتب خانہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی تین ہزار کتابیں موجود ہیں۔ جس میں سے اکثر کتابیں اپنی قدامت، کمیابی، خوشخطی اور تفصیلاً

۱۔ مکتبہ شرفیہ دارالعلوم اسلامیہ پشاور کی فرست شدہ "چھبیک تہیسی باتیں" ۲۔

خصوصیت کی وجہ سے نہایت اہمیت رکھتی ہیں، بعض کتابیں تو ایسی نایاب ہیں کہ ہندوستان بھر کے کتب خانوں میں ان کا وجود نہیں ملتا۔ ۵ دسمبر ۱۹۱۵ء کو جب مولانا ملک حکیم محمد اجل خان صاحب دہلوی نے اس کتب خانہ کا معائنہ کیا تو باوجود اس وسعت نظر کے جو ان کو فن طب میں حاصل ہے۔ انھوں نے بعض طبی کتابیں خاص طور پر نکلوائیں۔ خورد و معائنہ سے دیر تک ان کا مطالعہ کیا اور ان کو ڈیر نایاب سے لکھ کر لیا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب اس کتب خانہ کی اہمیت کو واضح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کتب خانہ کی اہمیت ایک دوسرے طریقہ پر بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان بھر میں سرکار عالیہ حیدرآباد وکن کا کتب خانہ آصفیہ ایک چوٹی کا کتب خانہ ہے جس کی مفصل فہرست اس وقت نیاز مندوں کو پیش نظر ہے۔ لیکن جب اس کی موجودہ کتابوں کا اس کتب خانہ کی موجودہ کتابوں سے تطبیق مقابلاً کیا جاتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ کتب خانہ ہذا کی اکثر کتابوں میں جو اقداری خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کتب خانہ آصفیہ کی کتابوں میں مفقود ہیں، یا کم ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کتب خانہ آصفیہ میں کتابوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے۔

۱۹۲۶ء میں جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ نے اس کتب خانہ کا مطالعہ کیا اور ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں کہ "دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی بہت سی نادر کتابیں موجود ہیں جن میں کئی مباحث ارحمت، اذخرانی، علم طب میں زیلۃ الطب علم جراحی میں کتاب الاقنار، علم ہندسہ (جیومیٹری) میں کتب اقلیدس اور شرح اشکال التائیس

وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔“

آگے چل کر نثر پر کرتے ہیں ”کچھ عرصہ ہوا جب میں یہاں کے مخطوطات کو دیکھ رہا تھا، تو فرین جہاڑانی پر دو نہایت نایاب کتابیں نظر سے گزریں جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ ”پیرس“ کے کتب خانہ قومی کے سوا اور کہیں موجود نہیں ایک کا نام ”العکبرۃ“ اور دوسری کا نام المنہاج الفاخر جبرالذخیر یہ دونوں کتابیں سلیمان بن احمد المرینی کی تصنیف سے ہیں جو بحر السنکما ایک تجزیہ کار پکتان تھا فرانسیسی مستشرق جبریل فیران (GABRIEL FARRANE) نے اس پکتان اور اس کی تصانیف کے متعلق بہت کچھ تحقیق کی ہے اور اس کے چھ ایک رسالوں کو بھی شائع کیا ہے۔“

ان آرا کی روشنی میں ”حضرت میاں صاحب آسیا لکھا علمی ذوق و شوق تلاش تجسس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے کتنی کاوش و تفحص کے بعد یہ کتاب جمع کیا ہوگا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب ناظم کتب خانہ نے ان تمام کتابوں کی فہرست مرتب کر کے شائع کی ہے۔ یہ فہرست تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب آپ حاج مبارک کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے پشاور سے لے کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور پھر واپس پشاور تک پہنچنے کا باقاعدہ روزانہ کا سفر نامہ لکھا جو حوکہ فارسی میں ہے اور اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد مسلسل ۵۵۹ پر موجود ہے۔

یہ ماہنامہ ”طور“ اپریل ۱۹۳۶ء کو لاہور

آپ ۱۶ شوال ۱۲۸۸ھ کو بذریعہ شکرہ معینی طانگہ کے پشاور سے لاہور تک گئے اور پھر لاہور سے بذریعہ ذیل گاڑی بمبئی گئے اور بمبئی سے بحری جہاز کے ذریعے حرمین الشریفین تشریف لے گئے۔ ۳ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ کو واپس پشاور پہنچے۔ پشاور میں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور پرائی کو توالی کے قریب آپ کو شکرہ سے انعام کر پیادہ سر اسیا تک لے جایا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حج کی واپسی سے تقریباً تین برس بعد آپ کا انتقال ہوا۔ اس طریقہ سے آپ کا سن وفات ۱۲۹۲ھ بنتا ہے۔

# حضرت حافظ محمد حسن صاحب وقت افظ دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۲ھ تا ۱۲۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ محمد حسن والد کا نام حافظ محمد صدیق اور دادا کا نام محمد شہر تھا۔ "حافظ دراز" کے نام سے مشہور تھے۔ "استاذ العلماء" لقب تھا۔ آپ موضع خوشاب (پنجاب) کے رہنے والے تھے مگر مستقل طور پر پشاور شہر کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ آپ کا تمام خاندان علم و فضل اور قرآن مجید کے حفاظ کا گھرانہ

۱۔ عدالتی الحنفیہ ص ۵۴۲ از مولوی فقیر محمد صاحب جہلی

۲۔ پشاور کے لوگ آپ کو حافظ دراز کے نام ہی سے جانتے ہیں اور آپ کے اصلی نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آپ کو دراز یعنی لمبا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا قد غیر معمولی لمبا تھا۔ میرے استاذ محترم گرامی تھے محدث صوبہ سرحد صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ایک بار موضع چکنی میں حافظ دراز صاحب جہتی بنوانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک پزار دوڑا اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے جہتی بنا رہا تھا۔ آپ نے اس کے کونٹے پر اپنے سر کو اٹھا کر فرمایا۔ او جہتی والے میرے پاؤں کی جہتی ہے اُس نے جواب میں کہا کہ مولیٰ نا گھوڑے سے نیچے اتر کر اوپر آجا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوں وہ یہ سن کر گھبرا گیا، کہ یہ اتنے لمبے قد کا آدمی ہے۔ کونٹا چھوڑ کر بھاگ گیا۔

تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھرانے کی عورتیں بھی حافظ قرآن پاک تھیں اور زیور علم سے  
آلاتہ تھیں صاحب عدائق الحنفیہ ص ۲۷۵ پر لکھتے ہیں: "اور خاندان علم و فضل سے تھے"  
صاحب تذکرہ علمائے ہند فرماتے ہیں: "علمی خاندان کے فرو تھے۔"  
آپ نے علوم متداولہ کا بیشتر حصہ اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کیا۔ مولوی فقیر محمد  
صاحب جہلمی لکھتے ہیں۔

"اکثر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے جو کہ ایک بڑی عالمہ فاضلہ تھیں، حاصل کئے، اور  
مسندِ فافت و اضافت پر متمکن ہو کر تمام عمر تدیس و تالیف میں صرف کی۔"  
چونکہ آپ ایک عالمانہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے اپنے خاندان کے  
اس علم کے ورثہ کو پورا پورا حاصل کیا۔ اور "استاذ العلماء" کے معزز لقب سے نوازا گئے۔  
آپ کا مکان اور مسجد باقاعدہ ایک دارالعلوم کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔  
جس میں پشاور، مضافات، علاقہ آزاد، کابل، قندھار، غزنی، ہرات، شرقند اور  
بخارا تک کے طلباء علوم متداولہ حاصل کرنے، اور ذراعت حاصل کر کے صاحبِ نبی  
اور صاحبِ دین بن کر اپنے اپنے ممالک کو لوٹنے، اس تمام علاقہ میں آپ کے تبحر علم  
کی شہرت تھی، مولوی غلام رسول ہرلوی کتاب "اسماعیل شہید" میں لکھتے ہیں۔  
"مولانا حافظ محمد احسن صاحب بن محمد صدیق معروف بہ حافظ درانہ پشاور ہی تبحر علم  
علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، سرحد سے شرقند تک ان کے علم کا چرچا تھا۔"

۱۸۵۰ء مولوی رحمن علی مرحوم شائع کردہ سلسلہ ریگل سوسائٹی کراچی۔

۲۷۵ ص ۲۷۵ جلد دوم ص ۲۷۱



آپ پشاور کے علماء میں چوٹی کے عالم اور مرکزی حیثیت کے مالک تھے۔ مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے اس وقت آپ مسلمانوں کی قیادت کرتے تھے۔ جس وقت پشاور کے علماء کی طرف سے محدثین ہندوستان کی ٹھکر ایک پرنسپل عقائد پر تنقید شروع ہوئی تو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے ان کے شکوک و شبہات کے جواب میں دو خط لکھے، سب سے پہلے جس عالم کو اپنے خطوط میں انھوں نے مخاطب کیا تو وہ آپ ہی کی ذات تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت کے علماء میں بہت ہی بلند اور ارفع مقام کے مالک تھے۔

آپ ایک ایسے دور میں فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر کی اشاعت و ترویج میں مصروف تھے۔ جس دور کو پرفتن دور کہنا حقیقت پر مبنی ہے، درامیوں کا زوال، افغانوں کی خانگی جنگیں اور ایک دوسرے کو برباد کرنے کی ریشہ و انبیا سکھوں کے ظالمانہ راج پر منتج ہوئیں۔ یہ سکھوں کا دور ایک ایسا دور تھا جس میں ہر ظلم کا نام انصاف تھا۔ ہر شریف اور باعزت شہری کو بے عزت اور ذلیل کرنا ان کے نزدیک شرفیازہ فعل تھا۔ مساجد اور خانقاہوں کو تباہ کر کے گھوڑوں اور چھروں کے اصطبایوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس قسم کے ابتلا اور آزمائش کے ایام میں علم کی مشعل کو روشن رکھنا، تصنیف و تالیف کرنا، مجالس و عہدہ قائم کرنا۔ آپ کی ہمت و استقلال کا روشن ثبوت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد جناب حضرت

۱۔ کتاب "اسماعیل شہید" ص ۲۸۱ از مولانا غلام رسول مرادپوری

قلب برحق شاہ غلام محمد صاحب معصومی المعروف حضرت جی صاحب پشاور می رحمۃ اللہ علیہ  
 صاحب ہند شریف سے ہجرت کر کے پشاور شریف لائے، تو حافظ وراز صاحب  
 بسا اوقات آپ سے ملنے محلہ فضل حق صاحبزادہ علاقہ یکہ کوت میں آیا کرتے حضرت جی  
 صاحب علماء اور صلحاء کے بڑے قدروان تھے۔ دو بار ہفتہ میں لوگوں کی اصلاح کے  
 لئے مجلس وعظ کا اہتمام فرماتے۔ چنانچہ ہفتہ میں ایک دن حافظ وراز صاحب کے وعظ  
 کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ صاحب تحفۃ المرشد فرماتے ہیں۔

”روز جمعہ حافظ وراز صاحب را کہ عالم متبحر بود۔ نزد خود برائے وعظ طلب  
 می کردند۔“

یعنی جمعہ کے دن (حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) حافظ وراز صاحب کو جو  
 ”متبحر عالم“ تھے۔ اپنی مجلس میں وعظ کے لئے بلواتے، آپ کے مواظب ماحول کو سامنے  
 رکھتے ہوئے عقائد حقہ، اہل سنت وجماعت کی اشاعت پر مبنی ہوتے۔ اور نہایت  
 ہی مدلل اور مؤثر طریقہ پر وعظ فرماتے۔ آپ کا وعظ اتنا پُرور و ہوتا کہ سامعین ناروقطاً  
 ہوتے رہتے۔ بڑی بڑی دُور جگہوں سے لوگ آکر مستفیض ہوتے۔ ظہر کی نماز کے  
 بعد عصر کی نماز تک وعظ کی مجلس رہتی۔ یہی وجہ ہوئی کہ آپ ”حافظ وراز صاحب واعظ“  
 کے نام ہی سے معروف ہو گئے۔

آپ اتنے نڈر اور بے خوف تھے کہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے، بزرگوں  
 سے جنمایا کہ ایک بار آپ نے اپنے وعظ میں وقت کے حاکم جو نیل ابی طویلہ اطالوی کو

۱۔ حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ایسی محلہ میں مرجع خلائق ہے۔

مظالم پر خوب بولا کہا، اور مظالم کرنے سے منع کیا۔ ابو طیبہ تناظر مظالم و جابر حاکم تھا کہ لوگ اس کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ اُس نے گورکھ پٹری میں آپ کو طلب کیا بس پھر کیا تھا پشاور شہر میں کرام منج گیا۔ مشائخ اور علماء مسجدوں اور خانقاہوں سے باہر نکل آئے، بجائے اس کے کہ ابو طیبہ آپ کو سخت کست کہتا۔ یہ عالم دیکھ کر اس نے آپ کو عزت و اکرام سے رخصت کر دیا۔ آپ نے وعظ و نصیحت، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ سلسلہ تصنیف و تالیف بھی جاری رکھا۔ چنانچہ بخاری شریف کی شرح بنام منج الباری شرح صحیح البخاری "فارسی میں لکھی، حضرت محدث جلیل مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف "میاں صاحب قصہ خوانی" نے اس شرح کے پہلے پارہ کی تصحیح کر کے چھپوائی۔ آپ کا قلمی نسخہ مہتمم دارالعلوم رفیع الاسلام بھانہ ماڑی جناب مولانا سید فضل صدیقی صاحب مدظلہ کے پاس تھا جو کہ اب ان سے پشاور یونیورسٹی نے خرید لیا ہے۔

اس شرح میں آپ نے اسماء الرجال کی پوری زندگی بیان کر دی ہے۔ احادیث کی تطبیق کی ہے، فقہ حنفی کو احادیث بخاری سے ثابت کیا ہے۔ ضروری ضروری صرفی خوبی ترکیبیں لکھیں ہیں۔ لغات حدیث کو حل کیا ہے۔ اور عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو احادیث بخاری سے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ زبان انتہائی سلیس اور آسان ہے۔ غرضیکہ ہر علم کو یہ کتاب اپنے پہلو میں لئے ہوئے ہے۔ قاضی مبارک پر عربی میں ایک مبسوط حاشیہ لکھا۔ یہ حاشیہ اپنی جامعیت کی وجہ سے اتنا مقبول ہوا کہ بطور درس کے پڑھایا جاتا ہے۔

تقرہ اخوندیوسف پر حاشی لکھے۔

سورۃ یوسف اور والضحیٰ سے لے کر آخری سورۃ تک کی تفاسیر لکھی۔  
معراج نامہ اور وفات نامہ نامی رسالے لکھے۔

بادشاہ بخارا نے آپ سے چند نہایت ہی اہم سوالات دریافت کیے۔ آپ نے  
ان تمام سوالات کے جواب بالتفصیل دیئے جو کہ اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد  
۷۹۶ میں محفوظ ہے۔

آپ نے بہت ہی قیمتی اور بیش بہا کتب خانہ چھوڑا تھا۔ شومی قسمت سے  
برلن کھڑے اندرون قصہ خوانی بازار میں آپ کے مکان کے ساتھ آگ لگ گئی۔ جس  
کی وجہ سے وہ آگ آگاً فنا آپ کے مکان تک پہنچ گئی۔ آپ کے نواسے مکان  
سے سامان تک نہ نکال سکے۔ تمام سامان بے کتابوں کے جل کر خاکستر ہو گیا۔ اور  
بہت قیمتی کتب خانہ ضائع ہو گیا۔

آپ کی وفات بعمر ۶۱ برس ۱۲۶۳ھ میں واقع ہوئی۔

# حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب المتخلص واعظ

۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۵ھ

آپ کا اسم شریف محمد عظیم، لقب بحر العلوم، تخلص واعظ، اور حافظ جی صاحب گنج والے کے نام سے مشہور ہیں، جامع مسجد گنج کے امام، خلیفہ اور مدرس تھے۔

آپ کے خاندان کے ایک بزرگ جناب مفتی فضل کریم صاحب فرماتے ہیں کہ آپ حضرت قدوة السالکین خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ آپ کا خاندان علم ظاہری و باطنی کا مرکز تھا۔ اس لئے آپ بہت تھوٹی عمر میں (یعنی ۱۶ برس کی عمر میں) تکمیل علوم فرما کر مسند و مدرس پر متمکن ہوئے۔ چند برس مدرس رہیں

۱۔ جناب مفتی فضل کریم صاحب حضرت بحر العلوم کے نواسہ کے فرزند تھے آپ نے ۵ جبرہ، ۷ برس ۷ رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ

بطلان ۲ فروری ۱۹۶۳ء بروز ہفتہ وفات پائی۔ نہایت ہی طنسا، متواضع اور منکر المزاج تھے۔

عجیب جناب حافظ تاج محمد صاحب گلکار نے بیان کیا کہ مفتی صاحب کے دفن کے چھٹے دن جب میں مفتی صاحب

کی قبر بنانے لگا کہ قبر کو پاؤں کی جانب سے کھولا تو قبر سے خوشبو ہی خوشبو آ رہی تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے مٹیوں

بھر کر اس کو بھرا ڈالا ہوا ہے۔ اور یہ خوشبو تمام قبرستان میں پھیل گئی۔

فرمانے کے بعد اچانک طبیعت میں انقلاب آیا۔ ورس کو چھوڑ کر سلوک و معرفت کے حصول کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ پنجاب سے نکل کر پشاور میں گنج دروازہ کے باہر بٹرک کے کنارے پر "تہ خانے والے ملا صاحب" کے قبرستان میں ایک چھوٹی مسجد ہے اس میں ٹھہرے، اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں پر آپ نے ورس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

آپ کے زہد و تقویٰ اور علم کی شہرت پشاور اور اس کے گرد و نواح میں پھیلی، علماء، مشائخ اور عوام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبول کر دیا۔ علاقہ گنج کی جامع مسجد (جو کہ مسجد خواجہ معروف کے نام سے موسوم ہے) میں مدرس، امام اور خطیب بنائے گئے۔ جب پنجاب میں سکھوں کے جبر و استبداد اور مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کرنا شروع کر دیا تھا تو ان ہاجیرین میں حضرت قطب برحق شاہ غلام محمد صاحب المعروف "حضرت جی صاحب پشاوری" بھی سر ہند سے ہجرت کر کے پشاور تشریف لائے اور علاقہ یکہ توت میں مقیم ہوئے، حضرت بحر العلوم صاحب بھی آپ کی ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے، اور یہ مراسم یہاں تک بڑھے کہ بقول مصنف تحفۃ المرشد حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ہر جمعرات کے دن اپنی مجلس میں بلوا کر وعظ کرواتے، الفاظ یہ ہیں۔

"و بروز پنجشنبہ حضرت حافظ محمد عظیم صاحب واعظ کہ بحر العلوم بوہرائے

وعظ نوز و خود طلب می فرمودند"

۱۔ صفحہ ۳ برعاشیہ، تحفۃ المرشد کا مصنف مرزا نظام الدین صاحب مزار شریف (کابل) کا متولی ہے، اور حضرت جی صاحب کا خلیفہ بھی رہا ہے اور آپ کے صاحبزادہ فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر یہ کتاب آپ کے حالات میں لکھی ہے۔

نیز آپ نے جناب "حضرت جی صاحب" کی معیت اور صحبت میں رہ کر علوم  
باطنی کا وا فر حقاہ پایا، اور آپ سے ہی ہر حیا رسلا سل میں بیعت ہوئے اور بقول  
حضرت محمد حسن بن حضرت امام محمد نوحا نومی  
"و نیز بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاورسی از خلفائی حضرت بی نور (جی صاحب)  
بودند۔"

یعنی حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاورسی حضرت جی صاحب کے خلفاء  
میں سے تھے۔

حضرت سید و عالم احمد محبتی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت  
کا جو عالم تھا وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ایک بار جناب بحر العلوم صاحب حضور  
رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کیا۔  
"یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے دیدار پر جمال سے مشرف ہونے کے بعد یہ  
آنکھیں اب اور کسی کو نہ دیکھیں۔" جب آپ بیدار ہوئے تو نابینا تھے، آپ کی  
بہت سی خوب صورت اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ سبحان اللہ کیا عشق محمدی تھا۔  
اور آپ کی پیارے محبوب مالک و مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی والہانہ محبت  
تھی حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت و عشق کا یہ نتیجہ تھا کہ اللہ  
تبارک و تعالیٰ نے حضرت بحر العلوم کو علم لدنی سے نوازا۔  
بغیر مینائی کے معقول و منقول کی کتابیں پڑھاتے۔ ہر ایک استفطار کا جواب

۱۰ تحفۃ المرشد کا ماشیہ ص ۱۹ امام محمد رضا نوحا نومی حضرت جی صاحب کے خلیفہ تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں  
ذکوڑی شریف میں آپ کا مزار ہے۔

فرماتے۔ کتاب کا نام، صفحہ، اور سطر تک لکھواتے۔ صاحب تاریخ پشاور لکھتے ہیں۔  
 مدیہ صاحب (یعنی حافظ محمد عظیم صاحب) عالم باعمل تھے۔ ان کی نسبت لوگ اعتقاد  
 ولایت رکھتے ہیں، اور تمام عمر ان کی تعلیم علوم میں باوجود نابینا ہونے کے گزری۔  
 آپ کو صحاح ستہ کے تمام اسانید زبانی یاد تھے۔ جناب مولانا غلام رسول ہستہ  
 لکھتے ہیں۔ حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت،  
 صحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے۔ آپ کے علم اور بزرگی کا شہرہ ملک کے طول و  
 عرض میں پھیلا۔ آپ کے درکس میں مختلف علاقوں کے طلباء بحق و درجوق آنے  
 لگے، اور ہر قسم کے علوم سے بہرہ یاب ہو کر مشہور عالم و فاضل ہوتے۔ حضرت خواجہ  
 معروف کی مسجد دارالعلوم اسلامیہ کی شکل اختیار کر چکی تھی طلباء کی روٹی، سہنے  
 کی جگہ اور کپڑا بھی آپ خود دیتا کرتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اس دارالعلوم میں  
 مشہور و معروف دو عالم جناب اخونزادہ عبداللہ صاحب اور مولانا قاضی مسعود  
 صاحب بھی علوم مند لولہ کا درس پڑھاتے۔ آپ کے دور میں صوبہ سرحد پر سکھوں  
 نے غلبہ اور اقتدار حاصل کیا ہوا تھا۔ سکھوں کا دور یہاں کے لوگوں کے لئے جبر و ستم  
 اور ظلم و تعدی کا دور تھا۔ یہ ایک ایسا دور تھا کہ جس میں ظلم کا نام انصاف، جبر و ستم  
 کا نام رحم و کرم، اور تباہی و بربادی کا نام آباد کاری تھا۔ خالقانوں کی ہماروں کو  
 طیامیٹ کروایا گیا۔ مساجد کو اصطلیل کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسلام پر ہر طرف  
 سے کفر کی یلغار تھی۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں انتہائی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے عالم

۱۔ از لاد کنہیا لال و پتانی کے جی ہسٹنگز ملے ۲۔ کتاب اسماعیل شہید جلد دوم ص ۲۵۱، ۲۵۲



میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت کرنا۔ وعظ کی مجالس کا انعقاد کرنا بہت ہی کٹھن اور مشکل کام تھا۔ مگر آپ نے کمال ہمت و استقلال کے ساتھ کسبِ قسیم کے خطرات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے دارالعلوم اور مجالس وعظ کو جاری رکھا۔ سکھوں کا جبریل ابو طیبہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے اب تک یاد کیا جاتا ہے۔ بہ جبریل اطالوی تھا، اور اتنا ظالم و جاہل تھا کہ یوسف زئی اس کے جبر و استبداد کے تختہ پر مشق بنے ہوئے تھے۔ یہ جبریل ابو طیبہ ۱۸۳۸ء سے لے کر ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا۔ ایک دفعہ اس نے آپ کو حکم بھیجا کہ آپ میرے پاس حاضر ہو جائیں مگر آپ نے نہایت ہی دلیری اور جرات کے ساتھ اس کے قاصد کو کہہ دیا کہ گوئی کو ضرورت ہے تو اس فقیر کے پاس آئے۔ چنانچہ ابو طیبہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے شاگردان رشیدیہ میں سے مشہور و معروف شاگرد حضرت شیخ المشائخ، شیخ الاسلام و المسلمین مجاہد اعظم حافظ عبد الغفور صاحب المشہور بہ انھن صاحب صوات رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عالم اجل فاضل اکمل عالم علوم اہرار الہی سید اکبر شاہ صاحب ساکن بھانہ ماڑی، حضرت علامہ وقت فہامہ عصر مولانا بافضل اولنا مرید محی الدین صاحب نوشہروی، وغیرہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ نیز بقول مولانا غلام رسول صاحب نے، جناب مولانا مولوی سید امیر صاحب المشہور کو طے صلا صاحب بھی آپ کے شاگرد تھے۔

۱۰ یہ روایت جناب فضل کریم صاحب مرحوم نے مجھے بیان کی۔

۱۱ "اسماعیل شہید جلد دوم ص ۸۲-۲۸۱"۔

محدثین ہندوستان نجات سید احمد صاحب شہید کی قیادت میں سکھوں کے خلاف  
جنگیں کیں ابتداءً آپ نے، آپ کے شاگردوں نے اور آپ کے معتقد مشائخ کرام  
نے خوب گرم جوشی سے حصہ لیا۔ محدث جلیل فقیرہ عصر شیخ المشائخ سیدنا و مرشدنا حضرت  
سید غلام صاحب المعروف یہ آغا میر جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گورکھ پٹری میں اس  
جماعت محدثین کی دعوت کی اور یہ دعوت اس صورت میں تھی کہ کھانے کا تمام سامان  
یعنی دُنبے، چاول، گھی، مصالحہ اور لکڑی سب دے دیا گیا اور انہوں نے خوب کھا  
کر کھایا۔ مگر بعد میں مذہبی اور سیاسی اختلاف کی بنا پر حضرت بحر العلوم نے متعلقین  
کے کیسوں اختیار کر لی۔

مولانا مولوی غلام رسول صاحب مہر محدث اپنی کتاب "اسماعیل شہید" کے صفحہ ۲۸۱  
مجلد دوم میں لکھتے ہیں: "شاہ اسماعیل کے مجموعہ مکاتیب میں دو مکتوب ایسے ہیں جو پشاور  
کے وٹل علماء کے نام بھیجے گئے۔ پہلا ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۲ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء) کو  
پہلے علماء ایشوال ۱۲۴۵ھ (۱۱ اپریل ۱۸۳۳ء) کو۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء  
کی طرف سے سید صاحب اور آپ کے رفقا پر کئی الزام لگائے گئے تھے مثلاً:۔  
۱۔ سید صاحب اور آپ کے رفقا الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں۔ ان کا کوئی مذہب و مسلک  
بہت نہیں ہے۔ نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذاتِ جسمانی کے جویا۔  
۲۔ وہ ظلم اور تعدی کے خوگر ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب حضرت قطب وقت آقا سید سعید احمد شاہ صاحب مرحوم ہدایہ

۱۔ انہوں نے یہ کہہ کر ظلم اور تعدی کے خوگر ہیں، اگر وہ مخلوط و چھاپے، اگر وہ مخلوط سامنے ہوتا تو یہ مسئلہ کافی مبہون ہو جاتا +

۳۔ بلاوجہ شرعی، مسلمانوں کے اموال و نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

۴۔ سید صاحب انگریزی رسالہ میں ملازم تھے۔ مولانا اسماعیل اور بعض دوسرے لکھنؤ

نے انھیں مہدی موعود قرار دیا۔ انگریزوں نے ان کو ملک سے نکال دیا۔

۵۔ وہ مکہ معظمہ پہنچے وہاں سے براہ سقظ و بلوچستان قندھار گئے۔

۶۔ خادمی خان کو ملا عبد الغفور (اخون صاحب سموات) کے ذریعہ صلح کے بہانے

بلایا اور قتل کرا دیا۔

۷۔ وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً ”جدید الاسلام“ ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہیں۔ مگر ثابت ہوتا ہے کہ پشاور

کے علماء کرام نے محدثین سے اختلاف کیا۔ اور یہ اختلاف معمولی نہیں تھا۔ بلکہ بنیادی

اختلاف تھا۔ جن کے نام یہ خطوط لکھے گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب مہران کی تعریف

میں لکھتے ہیں۔ کہ ”مولانا حافظ محمد احسن صاحب بن محمد صدیق معروف بہ حافظ دراز

پشاور سی، قبحر عالم علوم عقیدہ و نقلیہ کے ماہر سرحد سے سمرقند تک ان کے علم کا پھر چا

تھا۔ دوسرے یہی بزرگ ہیں جن کی تعریف میں لکھتے ہیں حضرت بحر العلوم حافظ محمد علی

صاحب علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت، صحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے

روتے بہت تھے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ تیسرے مولانا غلام حبیب صاحب

جو کہ آسیا والے میاں صاحب غلام جیلانی کے والد تھے یہ بہت بڑے عالم تھے (۴) مولانا

مفتی محمد احسن صاحب بن مولانا مفتی محمد قبحر عالم تھے۔ محلہ کوٹلہ رشید گنج پشاور (۵) مولانا

مفتی حافظ احمد صاحب (۶) مولانا مولوی عبدالمالک اخونزادہ (۷) مولانا مراد اخونزادہ

(۸) مولانا قاضی سعد الدین (۹) مولانا قاضی مسعود (۱۰) مولانا عبد اللہ اخونزادہ۔

حضرت بحر العلوم صاحب اپنے مواظب میں عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو مدلل طریقے سے بیان فرماتے اور فرق باطلہ کا مسکت طریقہ پر زور فرماتے۔ یہ بات عام طور پر پیشاور میں مشہور ہے بلکہ زبان زوغلالات ہے کہ جس وقت منبر پر رونق افزو نہ ہونے۔

بین بار "الصلاة والسلام عليك يا رسول الله" بلند آواز سے پڑھتے۔ آپ کے معاصر علماء سے حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب المشہور میاں صاحب آسیا نے اعتراض کیا۔ آپ نے ان کو کھلا بھیجا، کہ آیتے اور جمعہ کے وعظ میں یہ مسئلہ سن لیجئے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب "میاں صاحب آسیا" بمعہ اپنے معتقدین کے آپ کی مجلس وعظ میں تشریف لائے۔ اس وقت علماء کے وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد عصر تک وعظ کیا کرتے تھے۔ حسب قاعدہ آپ نے درود و سلام پڑھ کر اسی مسئلہ کھلا پر تقریر شروع کر دی، تمام وقت آپ کی تقریر سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں آہ و بکا کرتے رہے، اور یہی علم "آسیا والے میاں صاحب" کا بھی تھا۔ "آسیا والے میاں صاحب مطمئن ہو کر چلے گئے۔ حضور محبوب سبحانی قطب ربانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بحر العلوم کو والہانہ عقیدت تھی اور یہ عقیدت عشق کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ ہر وقت خواہ آپ درس میں ہوتے یا وعظ فرماتے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے یہی کمالات اور کرامات بیان فرماتے۔ ایک بار جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ طلباً

منظر مجھے یہ واقعہ چاہا غلام سرور صاحب مرحوم نے بیان کیا جو کہ میاں صاحب آسیا کے انتہائی معتقد تھے۔

۱۸۷۰ اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس وقت میری عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی۔

کو دے دیا، یہاں تک کہ آپ پر گیارہ وقت کا فائدہ گذرا تو آپ نے بغداد شریف کی طرف مُنہ کر کے عرض کیا۔ مفتی فضل کریم مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے والد صاحب نے فرمایا کہ معاً ایک شخص دروازے پر آیا اس کے پاس چاولوں کی ایک خوری تھی کہا کہ ”محمد عظیم کو کہو کہ خود آکر لے جائے، حضرت محمود دروازے پر آئے اور وہ خوری لے کر گئے، اس خوری میں سے ہر لقمہ کے ساتھ ایک ایک اشرفی نکلی، جب آپ نے گیارہ لقمے لے لئے اور گیارہ اشرفیاں ہو گئیں، تو فرمایا کہ حضورِ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے گیارہ ناموں کا صدقہ یہ گیارہ اشرفیاں ہیں۔ اب میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بارہوا لقمہ لوں۔ آپ کی یہ والہانہ عقیدت آپ کی اولاد کو بھی نصیب تھی (اسی طرح مفتی فضل کریم صاحب مرحوم حضورِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور انتہائی شوق و جذبہ کے ساتھ حضور کا اسم گرامی لیتے تھے) آپ کے دور میں پشاور میں ایک بار بہت سخت بیماری پھیلی۔ پشاور کے لوگ اپنی اصطلاح میں اس کو ”وبا“ کہتے ہیں۔ سینکڑوں افراد روزانہ لقمہ اجل ہو جاتے، لوگ آپ کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ تمام لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور میں حضرت جی صاحب کی مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ اور آپ کے مزار کو پانی سے غسل دیا، اور پھر آپ کے توسل سے دُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً پشاور سے اس عذاب کو دور فرما دیا۔ آپ نے کثرت کے ساتھ مدح، انصاح اور مناجات بھی نظم کی صورت میں لکھے ہیں۔ پُرانی وضع کے خطیب حضرات اب تک اپنے خطبوں میں پڑھتے ہیں۔ صاحب تارخ پشاور لکھتا ہے کہ ”اور کبھی تعلیم سے فراغت ہوئی تو اشعار، مناجات

اور مدح اور نصائح میں رہے۔“

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔

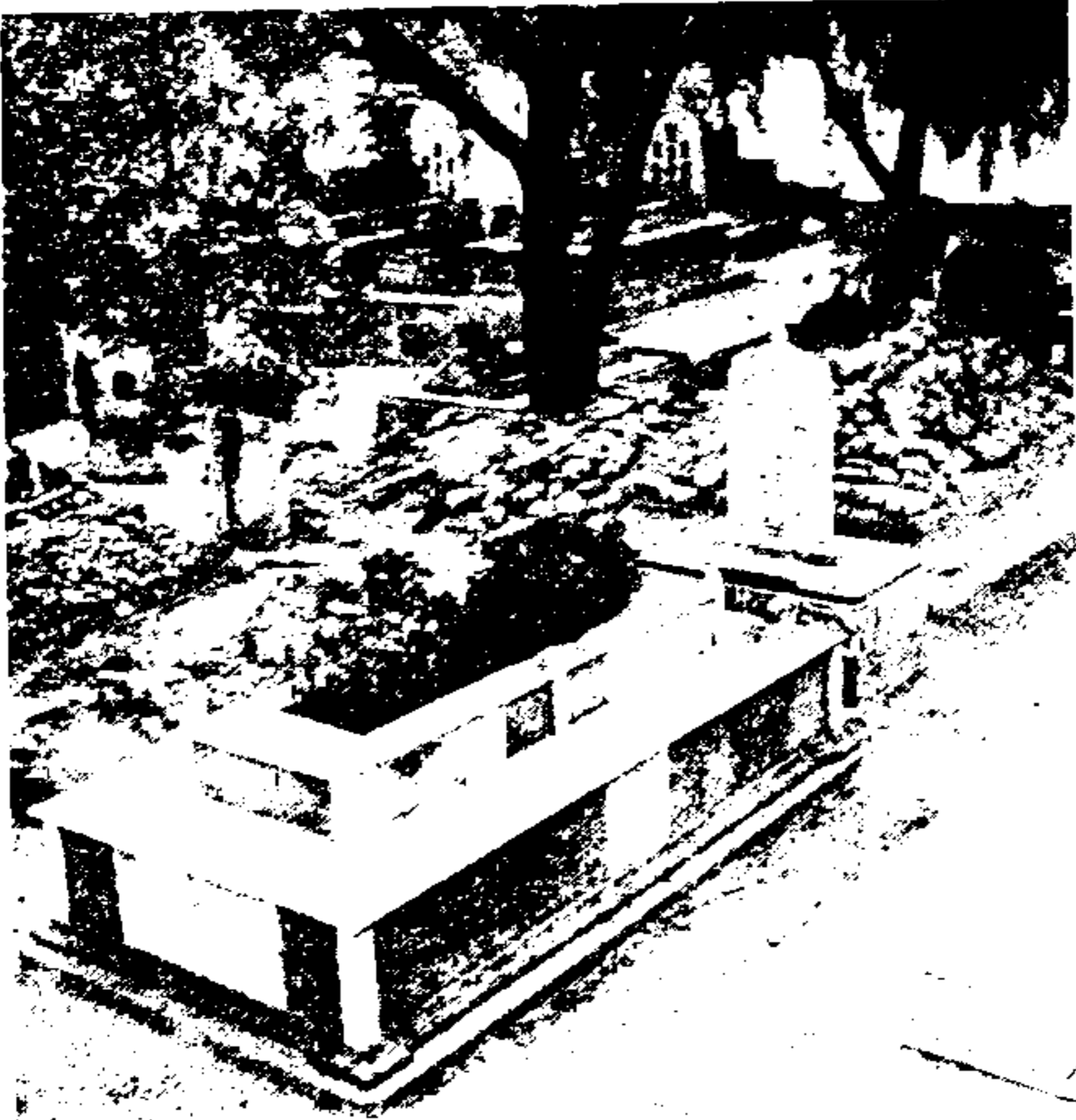
۱) حافظ محمد امین صاحب، یہ تبحر عالم، علوم عقیدہ و نقلیہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ مسند تدریس پر متعین ہوئے۔ آپ کو امیر شیر علی خاں والی کابل نے کابل بلا کر اپنا مفتی کابل مقرر کیا۔ ۲) حافظ غلام جیلانی صاحب ۳) حافظ سید احمد صاحب ۴) عبدالحکیم صاحب سب کے سب عالم و فاضل اور حافظ قرآن پاک تھے۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء شب جمعہ میں ہوئی

آپ کی شخصیت اب تک لوگوں کے دلوں اور نظروں میں قابل عزت اور احترام ہے۔ اور پشاور شہر کا ہر ایک فرد آپ کو صاحب کرامت اور صاحب ولایت سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسی محبت و عقیدت کے پیش نظر ۱۹۶۲ء میں میونسپلٹی پشاور نے فیصلہ کیا کہ اس عظیم شخصیت کی یاد میں جس محلہ میں آپ نے دین اسلام کی خدمت کی (یعنی گنج کے علاقہ میں) اس محلہ کا نام آپ کے نام سے موسوم کیا جائے۔ چنانچہ اب اس محلہ کا نام ”محلہ حافظ محمد عظیم“ رکھا گیا۔

صاحب عدالت الحنفیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ”عالم نبیل، فاضل جلیل، واعظ بیعیل، جامع کیالات ظاہری و باطنی صاحب کشف و کرامات تھے“

فرماتے ہیں۔ ”جن لوگوں نے آپ کا وعظ سنا ہے آج تک اس کا مذاق ان کو نہیں  
 بھولا، اور کہتے ہیں کہ وعظ کا باب گویا آپ پر بند ہو گیا ہے۔ آپ عربی، فارسی، پشتو  
 پنجابی جس ملک و زبان کا طالب علم یا سامع ہوتا تعلیم دیتے اور وعظ کرتے تھے۔“  
 آپ کی وفات ۱۲۶۵ھ میں واقع ہوئی۔ صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے  
 ہیں۔ ”اس کثرت و ہجوم سے لوگ آپ کے جنازے پر حاضر ہوتے کہ شہر کے  
 لوگ تعجب کرتے تھے کہ اس قدر بے شمار خلقت کہاں سے آگئی۔“



مزار پرنوار حضرت آقا سید پیر جان صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ



# حضرت آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۵ھ تا ۱۳۱۵ھ

آپ کا نام نامی واسم گرامی سید اکبر شاہ صاحب، والد کا اسم مبارک سید عیسیٰ شاہ صاحب، لقب "مقطبِ وقت" تھا اور "آغا پیر جان صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔ اسی مشہور نام نے آپ کے اصلی نام کی جگہ لے لی۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں کے بعد حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ پشاور سے مل جاتا ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ بہت ہی ننھوڑی عمر میں آپ نے علوم مزوجہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ اجل سید غلام صاحب المعروف میزجی صاحب سے طریقہ عالیہ قادریہ حسینیہ میں بیعت

۱۔ اس فقیر کے جد امجد ہیں۔ اس فقیر کے والد کا نام سید حافظ زمان شاہ صاحب ولد سید سعید احمد شاہ صاحب آغا پیر جان صاحب ہے۔ آقا سید میر جی صاحب بہت عالم و فاضل، زاہد و عابد، اور شیخِ وقت تھے۔ صوبہ بہار، کابل، پنجاب، اور کشمیر کے کارِ علم آپ کے حلقہٴ اراوت میں شامل تھے۔ کثیر انکرامت تھے، سخاوت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ دنیا اور دنیا والوں سے مستفی تھے۔ قادری کے بہترین شاعر تھے۔ دو چار منتخبیں اردو میں بھی لکھیں ہیں۔ آپ کی وفات ۲۰ شعبان ۱۳۱۵ھ بروز جمعہ ہوئی۔ اور بروز ہفتہ درگاہ عالیہ سید حسن رحمۃ اللہ علیہ میں دفن کئے گئے۔

کر کے خلافت حاصل کی اور صاحبِ مجاز و معتمد ہوئے۔ مسند آرائی خلافت ہونے کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت شروع کر دیا۔ سلسلہ قادریہ حنبلیہ کی اشاعت و تبلیغ میں کسی قیقت کی فرو گذاشت کو روانہ رکھا۔ اس سلسلہ میں کشمیر، ہندوستان، کابل اور عرب کے متعدد سفر کئے۔

آپ کے دور میں پشاور پر سکھوں کا غلبہ تھا۔ حاکم پشاور سکھ تھا اور وہ اور اس کے ساتھی تھے۔ ان تینوں نے ایک مجلس میں جس میں آپ تشریف فرما تھے دین اسلام کی توہین کی، آپ سے برداشت نہ ہو سکا اور آپ نے ان تینوں کافروں پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ چونکہ آپ کا اقتدار بھی عوام میں کافی سے زیادہ تھا۔ اور آپ سیاسی اور روحانی پشاور کے پیشوا تھے۔ اس لئے حکمران طبقہ نے آپ پر ہاتھ نہ ڈالا مبادا کہ بلوا عام ہو جائے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب اس وطن میں جہاں دین اسلام کی توہین ہوتی ہو میں رہنا نہیں چاہتا۔ لہذا آپ کابل کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ کابل میں آپ کی بہت عزت و تکریم کی گئی۔ آپ نے کافی دن وہاں گزارے۔ آپ ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ اور تہایت ہی شکل ترین ریاضتیں کیں۔ دریائے کابل میں تین برس تک لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا۔ جس وقت اس تین برس کے چلے کے بعد آپ کو پانی سے نکالا گیا تو آپ کا وجود پانی نے کھایا ہوا تھا۔ اور روٹی کو دوہ یا شوربے میں لگھو کر آپ کے منہ میں قطرات گرائے جلتے۔ یہاں تک کہ آپ صحت یاب ہوئے۔ اسی طرح قصیدہ غوثیہ شریف کا ایک برس کا چلہ کاٹا۔ آپ مغرب کی نماز کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا فرماتے۔ گویا تمام رات عبادتِ الہی میں گذرتی۔ آپ کے وجود کی برکت سے اس علاقہ میں ذکر الہی انبارِ سنت نبوی کی خوب اشاعت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی

ارادت میں اقرار، حکام، علماء اور عوام بکثرت شامل تھے۔ مگر آپ کی طبیعت ان تمام ارادتمندیوں سے بے نیاز تھی۔ آپ کا تعلق صرف اور صرف ذاتِ الہی اور حضورِ فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے کسی وقت بھی کلمہ حق کہنے میں دریغ نہیں کیا اور نہ کسی کی پرواہ کی۔ امیر شیر علی خاں والی کابل ہندوستان کے سفر کے لئے پشاور پہنچا تو پشاور کے حاکم اعلیٰ نے جو کہ اس وقت ایک انگریز تھا۔ امیر صاحب کی ایک خاص ضیافت کی۔ اس میں علماء اور عابدین شہر کو بھی بلایا گیا۔ چونکہ آپ کا تعلق امیر کابل سے تھا اور وہ آپ کا معتقد تھا تو اس کی خواہش پر آپ کو بھی دعوت دی گئی۔ آپ کو انگریزوں سے بڑی سخت نفرت تھی، اس لئے آپ دعوت میں تو تشریف لے گئے مگر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ امیر کابل جناب امیر شیر علی خان صاحب نے اصرار کیا تو آپ نے صاف طور جواب میں ارشاد فرمایا: "کہ اے امیر یہ فرنگیوں کی ضیافت ہے اس لئے میں نہیں کھاتا" امیر کابل کو غصہ آگیا اس نے کہا کہ اچھا جو وظیفہ کابل کی حکومت کی طرف سے آپ کے لئے مقرر ہے وہ ضبط کیا جاتا ہے۔ آپ نے متبسمانہ لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

"اے بادشاہ فقیر کی فقیری قیامت تک رہے گی، مگر تیری بادشاہت نہ رہے گی" آپ اس مجلس سے فوراً اٹھ کر چلے آئے۔ آپ کی طبیعت مبارکہ پر اس گفتگو کا اثر بہت بڑا پڑا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا جب امیر کابل واپس پہنچا تو اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مگر آج تک اس فقیر کا ارشاد اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ روشن ہے۔

آپ کو قانون انگریزی سے انتہائی نفرت تھی۔ جتنے کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع بھی پسند نہ فرمانے تھے۔ ایک دفعہ آپ پر مزار سید حسن بادشاہ صاحب کے

متعلق دعویٰ دائر کر دیا۔ آپ پہلی بار جب عدالت میں پیش ہوئے تو انگریز مجسٹریٹ مسٹر جیمز کرسٹی کو کہا۔ ”میں شریعت اسلامیہ محمدیہ کا پابند ہوں۔ جو فیصلہ شریعت محمدیہ کرے مجھے قبول ہے۔ چونکہ تم شریعت اسلام سے ناواقف اور نابلد ہو اس لئے یہ فیصلہ کسی مسلمان عالم و فاضل کے پاس بھیج دو تاکہ وہ فیصلہ کرے“ دوسرے فریق نے نہ مانا۔ مجسٹریٹ نے ان کا مقدمہ خارج کر دیا۔

آپ نے بہت طویل طویل سفر کئے۔ حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے جب بمبئی پہنچے تو بحری جہاز میں حضرت فتوۃ السالکین خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جہاز میں مسافر ہو گئے۔ (آپ کے ساتھ آپ کے داماد حضرت قبلہ عالم آقا الحاج سید سکندر شاہ صاحب بھی تھے) اثنائے سفر میں آپ کے مراسم حضرت قبلہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت ہی مشفقانہ قائم ہوئے۔ ایک دن حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ”شاہ صاحب، ہندوستان میں لوگوں نے تنگ کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ حج پر جا کر بیت اللہ شریف میں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کو یاد کروں“ آپ نے فرمایا۔ ”حضرت صاحب اگر آپ اس غرض کے لئے جا رہے ہیں تو ایک گذارش اس فقیر کی بھی سن لیجئے، جس طرح یہ فقیر آپ کو مشورہ دیتا ہے کوئی شخص آپ کے پاس نہیں بٹھے گا۔ اور آپ لوگوں کے اثر و ہام سے رہائی حاصل کریں گے“ انھوں نے فرمایا کہ فرمائیے کہ ”وہ کیا طریقہ ہے“۔ آپ نے فرمایا۔ ”آئیے یہاں سے ہی اپنے خادموں کو رخصت کر دیجئے، آپ اٹا وال لائیے اور میں لکڑیاں لافل گا۔ میں کھانا تیار کروں گا آپ کپڑے دھوئیے۔ اکٹھے چلا پھرا کریں گے تو پھر کوئی بھی آپ کے پاس آکر آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔ جس قدر آپ خلوت میں رہیں گے۔ اسی قدر

لوگ آپ کے دیدار کے مشتاق ہوں گے۔ اور خواہ مخواہ غلوت میں مداخلت کر کے آپ کے ذکر اذکار میں فرق پیدا کرتے ہیں اور جب آپ کو ہر وقت گھومتا پھرتا دیکھیں گے۔ تو لازماً اس قدر اشتیاق نہ رہے گا۔“ تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سید صاحب ”میں یہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتا ہوں“ تو آپ نے فرمایا کہ ”پھر آپ ضرور حج کو شریف لے جائیں“ آپ کی طبیعت مبارکہ میں تحقیق حق کا جذبہ بوجہ اتم موجود تھا۔ ہر وقت آپ کی مجلس علماء اور فضلاء سے بھر پور ہوتی اور کسی ایک مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایک بار حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبدالغفور صاحب اعنی صاحب صوت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سے علماء نے فتویٰ دیا کہ ”بغیر محراب کے نماز باجماعت نہیں ہوتی“ یہ بات پشاور پہنچی چونکہ آپ کی ذات والا صفات پشاور شہر میں سیاسی اور مذہبی اعتبار سے قابل احترام اور مرکزی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے حضرت سرآمد علماء جناب میاں صاحب آسیا یعنی حافظ میاں غلام جیلانی صاحب اور استاذ الازہار حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف بہ ”میاں صاحب قصہ خوانی“ رحمۃ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء یہ فتویٰ لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ خود بھی مجدد اللہ عالم اکمل تھے۔ آپ نے علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ ”حضرت عمو ابت“ بہت ہی قابل قدر ہستی ہیں اور انتہائی قبح شریعت محمدی ہیں بجائے اس کے کہ تم صاحبان یہاں سے ہی تنقید شروع کرو۔ او کہ ہم سب مل کر ان کے پاس جید و شریف جائیں تاکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اس مسئلہ کو طے کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ خود بیعت صدیقین

۱۰ بروایت حضرت قذیۃ السالکین آقا سید سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۵

حضرت میاں صاحب فقہ خوانی، حضرت الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب اور جناب مولانا مولوی سراج الدین صاحب لاہوری سید و کثیر لکھنے والے گئے۔ حضرت قیوۃ السائین زبۃ العارفین شیخ الاسلام والمسلمین انجن صاحب صوات نے آپ کی بہت ہی قدر و منزلت کی، دوسرے دن مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، وفد کی طرف سے حضرت میاں صاحب فقہ خوانی بحث کرتے اور دوسری طرف سے تین علماء تھے بیان کیا جاتا ہے کہ تین دن تک یہ بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ حل ہوا اور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت باباجی صاحب صوات نے دوسرا فتویٰ دیا کہ ”بغیر محراب کے بھی نماز باجماعت ہوتی ہے“ اتنا تکلیف وہ سفر آپ نے ایسی حالت میں کیا جبکہ آپ بہت معذور ہو چکے تھے۔ مگر دین اسلام کی ٹرپ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی تکالیف کا کوئی احساس تک نہیں کیا۔ اور سفر کی صعوبتیں جھیل کر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متحد و متفق کیا۔ یہی وہ مقدس افراد تھے جن کے قلوب میں دین اسلام کی سچی لگن تھی۔ وہ پاک باز لوگ قوم کو آپس میں الجھا کر اقتدار حاصل نہیں کرتے تھے۔ ان اللہ والوں کی زندگی تو اس لئے تھی کہ لوگوں میں اتفاق ہو، اتحاد ہو، یکجہتی ہو، اور مسلمان قوم بنیان موعود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا مکمل نمونہ ہو۔ مسائل و منہج میں ان میں کوئی اختلاف اور تفرقہ نہ ہو۔ آپ کے اسی جذبہ صداقت کے صدقہ میں امت محمدیہ ایک عظیم افتراق و تشتت سے بچ گئی۔ ورنہ بعد میں صرف رفع سبابہ اور سنوار کے مسائل پر کیا کچھ نہیں ہوا۔ ایک تاریخ کے طالب علم سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ نیز آج کل بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ قسما قسم نازک مسائل کو چھیڑ کر علماء ملت اسلامیہ پاکستان کو باہم لڑا رہے ہیں اور

ساوہ لوح مسلمانوں کو بھلا کر اپنا اُلوسیدھا کر رہے ہیں۔ یہ علماء کیوں آپس میں بیٹھ کر ان مسائل کو حل نہیں کرتے، تاکہ اُمتِ اسلامیہ اس تشنّت و افتراق سے نجات حاصل کرے کتنے برگزیدہ انسان تھے وہ جو خود تکلیف اٹھا کر اُمتِ محمدیہ میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتے تھے۔ آپ بڑے متوکل تھے۔ کبھی بھی کسی امیر یا صاحب و جاہت کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے کہ اس فقیر کو ایک اللہ تعالیٰ کا درکافی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ضروریات کو پورا فرماتا۔ نور محمد زرگر بیان کرتا ہے کہ ایک دن آپ مراقبہ کر رہے تھے کہ گھر سے جواب آیا۔ ”حضرت آج گھر میں ہر چیز ختم ہے۔“ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہان ہیں۔“ اس کارسازِ حقیقی نے اسی وقت کارسازِ فرمائی اور چند منٹوں کے بعد ایک شخص آکر پوچھتا ہے کہ ”آغا پیر جان کون ہے؟“ بیٹھے ہوئے افراد نے آپ کا تعارف کروایا۔ اس شخص نے آپ کی خدمت میں ایک بیش قیمت گھوڑا اور ایک رومال جس میں تقریباً دو سو روپیہ تھا پیش کیا اور رخصت ہو گیا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”تم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی عمدہ مہانداری فرمائی۔“

آپ سے اتنی کثرت سے کرامات کا صدور ہوا اور مکشوفات ہوئے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ کرامات کو چھپایا اور کبھی بھی ظاہر ہونے نہیں دیا، اور دینِ مبین پر استقامت فرما رہے۔

الحاج ملک محمد زین صاحب بیان کرتے تھے کہ ہمیشہ دریائے بارہ میں سیلاب

۱۔ حاجی صاحب مرحوم تحصیل نوشہروں میں موضع بانٹھ ملاخان کے رہنے والے تھے۔ بیک سیرت انسان تھے۔  
(بقیہ صفحہ ۱۲۶ء ملاحظہ فرمائیں)

آہنا، اور تباہی و بربادی مچا دیتا۔ یہاں تک کہ ہماری زمینوں کو بھی خراب کر کے گاؤں کو منہدم کر دیتا۔ جس کی وجہ سے ہم گاؤں گاؤں پھرتے رہتے۔ میرے دادا صاحب نے جناب آغا پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سنا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہی پریشانیوں اور مصیبتوں کا رونا رویا اور دعا کی التجا کی، آپ نے اس کو تین مٹی کے ڈھیلے دم کر کے دیئے اور فرمایا کہ ”اپنی زمین کی ٹیل پر کھڑے ہو کر دیکھتے باڑہ کی طرف یہ ڈھیلے پھینک دو۔ انشاء اللہ جس جگہ تک یہ ڈھیلے پہنچیں گے اس سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اب تک اس مقام سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آیا۔ بڑے بڑے خطرناک سیلاب آئے۔ اس گاؤں کے ساتھ کے گاؤں، کڑوی، زخی بانڈہ شیخ اسماعیل کو نقصان پہنچا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گاؤں کو نقصان نہیں ہوتا۔

ایک بار آپ جوئے شیخ (شیخ کے کھٹہ) پہا پنے دوستوں کے ساتھ ”سیر“ کے

حاجی صاحب ترنگ زئی مرحوم کے مرید خاص تھے مشہور و معروف سیاسی کارکن تھے۔ صوبہ سرحد کی سیاسی زندگی میں آپ کی بہت کوشش رہی ہے۔ خدائی خدمت گار تحریک میں پیشرو تھے۔ ”افغان جرگہ“ کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ پھر تحریک پاکستان میں انتہائی گرم جوشی سے حصہ لیا، اور مسلم لیگ کے ساتھ افغان جرگہ کا الحاق آپ کا ہی رہا۔ منت تھا۔ پشاور سے چلا کر لغت کو دور کرنے میں آپ نے ہر قسم کی قربانی دی۔ غرضیکہ آپ کی زندگی مسلسل دینی اور سیاسی جدوجہد سے بھرپور زندگی تھی۔ بعمر ۵۷ برس ۱۳۸۲ھ میں انتقال کیا۔

لہ ”سیر“ پشاور می اصطلاح ہے۔ بہار یا گرمی کے دنوں میں دوست احباب جمع ہو کر کسی چشمہ یا نہر یا کسی تفریحی باغ میں چلے جاتے ہیں۔ اور تمام دن کھانے پینے اور نہانے میں گزار دیتے ہیں۔ اس کو ”سیر“ کہتے ہیں۔



لئے گئے۔ خورد و نوش کا انتظام کیا گیا۔ آپ کے ساتھ تقریباً ایک سو دوست احباب تھے۔ جس نے سنا کہ آج آغا پیر جان کا "سیٹر" ہے وہ جوئے شیخ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ کوئی آٹھ سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ کے باورچی نور محمد زرگر نے تقریباً سو آدمی کا کھانا تیار کیا تھا۔ اگر عرض کیا کہ "جناب تقریباً آٹھ سو دوست احباب جمع ہیں۔ اور پچاس کے قریب فقیر و ریش آگئے ہیں، اور کھانا سونفر کا ہے کیا بنے گا؟" آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ پورا کر دے گا۔ ہم فقیروں کا کارساز و ہی علی جلالہ ہے۔"

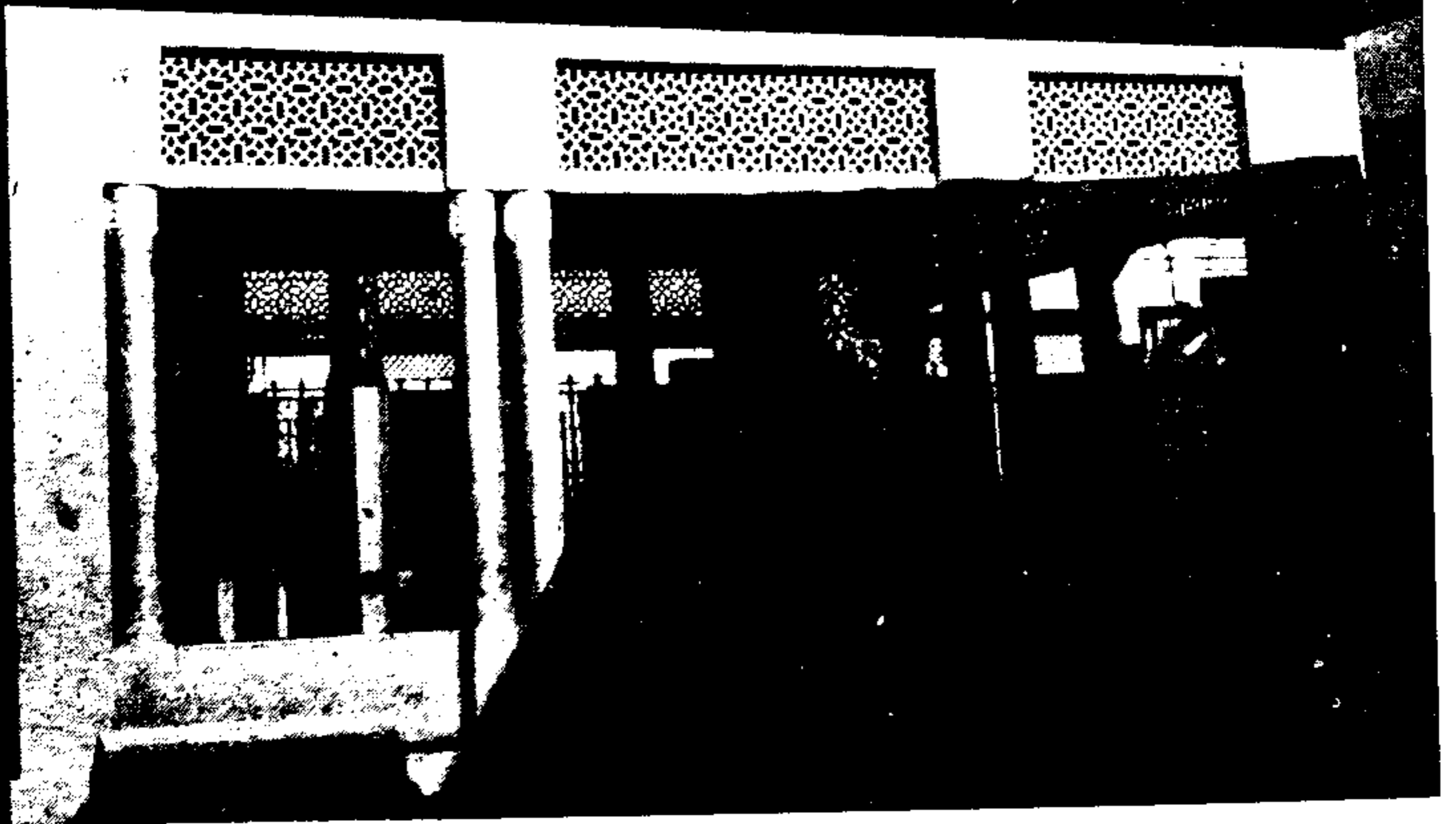
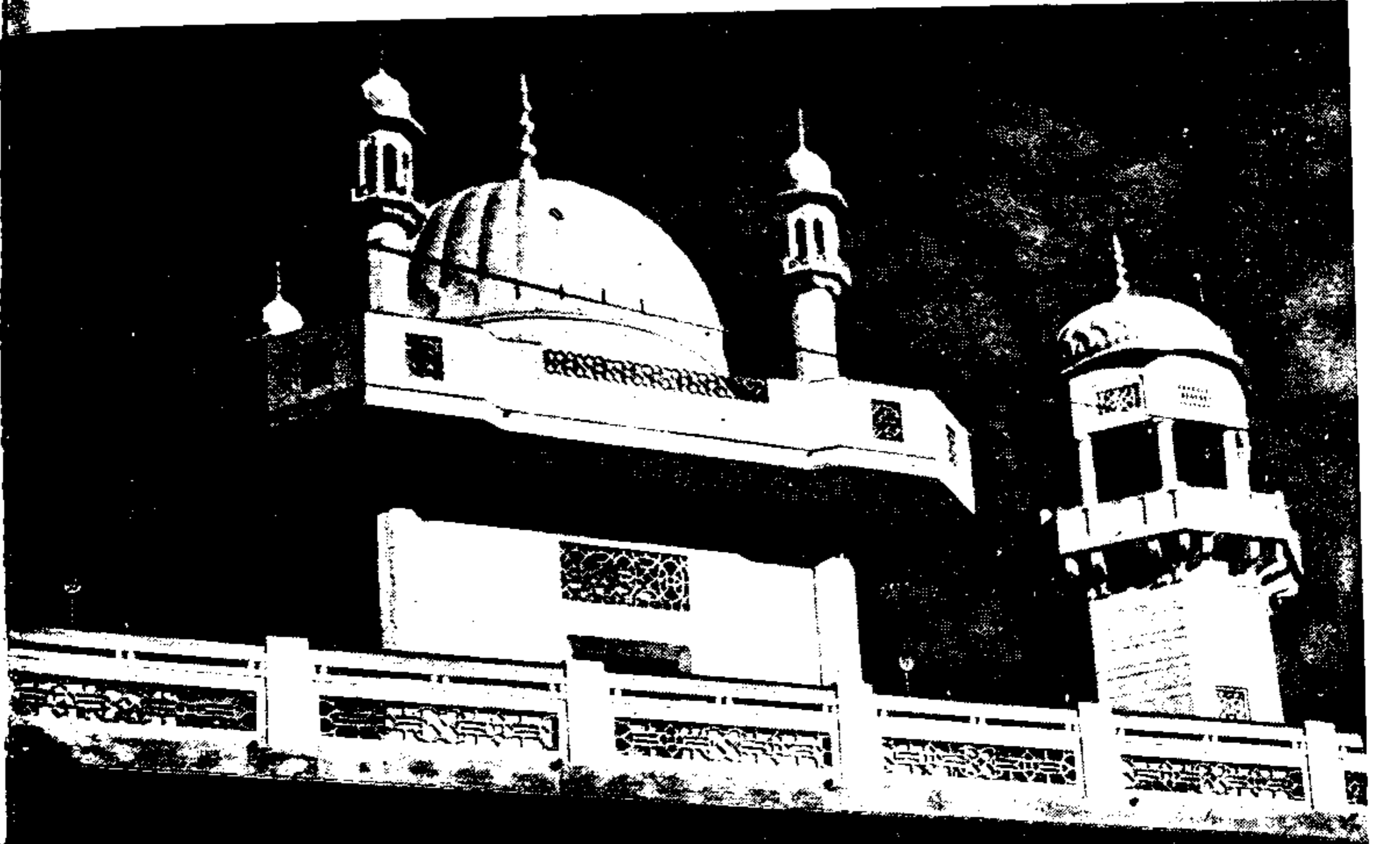
جب کھانے کا وقت آیا چند احباب اور بھی پہنچ گئے، آپ نے اپنے ہاتھ سے ان تمام مسکینوں اور فقیروں کو سب سے پہلے کھانا کھلایا، اور ان کے بعد پناہ والی ویک پر ڈال دیا، پھر تمام احباب کو کھانا کھلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اتنی برکت ڈالی کہ ہزار گیارہ سو آدمیوں نے سو آدمی کے لئے پکا ہوا کھانا کھالیا جو بچ گیا وہ آپ نے اور آپ کے باورچی نور محمد زرگر نے کھایا۔ آپ نے باورچی کو کہا۔ "میرے اللہ نے سب کو کھانا کھلا دیا۔ کوہی رزاق ہے، میں اور تم تو کام کرنے والے ہیں۔"

آپ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ بروز سہ شنبہ رات کے ۱۲ بجے اٹھے، غسل فرمایا۔ کپڑے بدلے۔ تسبیح لے کر مصعد پر تشریف فرما ہوئے۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی۔ اپنے پوتے جناب آقا سید محمد زمان شاہ صاحب مرحوم کو بلایا۔ بیعت کر کے تسبیح و مصعدے اعطا فرمایا اور کہا کہ قرآن پڑھو، جب آقا سید محمد زمان شاہ صاحب نے

۱۰ نور محمد زرگر آپ کا مرید تھا۔ اور آپ کا کھانا وغیرہ پکاتا تھا۔ حاجی تاج محمد صاحب تاج جیو لہ چوک یادگار کانا تھا اس وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی اور آپ نے سورۃ بقرہ حفظ کر لی تھی ۵

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو آپ نے اسم ذات کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور چند ساعت کے بعد ذکر الہی کرتے ہوئے اس جہان فانی سے آپ کی روح مبارکہ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کے انتقال کے وقت پشاور میں کھرام مچ گیا۔ تمام شہر بند ہو گیا۔ ہر محلہ سے ذکر الہی کرتے ہوئے لوگ آپ کے مکان پر جمع ہو رہے تھے اور ہزار ہا کی تعداد میں پشاور کے چاروں طرف سے دیہاتی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر شخص کی زبان پر ذکر الہی جاری تھا۔ پشاور کے زرگروں نے آپ کے جنازے پر سونے اور چاندی کے پھول صدقہ کئے۔ شام کے قریب یہ آفتابِ رشد و ہدایت اور ولایتِ مقبرہ حضرت سلطان العارفين سيد حسن رحمۃ اللہ علیہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔



مزار حضرت اخوند صاحب صوت

# امام الحجاہدین شیخ الاسلام و امین حضرت عبدالغفور صاحب لقب اور انھوں صاحب سوات

۱۲۰۹ھ تا ۱۲۹۵ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالغفور صاحب لقب شیخ الاسلام اور انھوں صاحب سوات کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ہمدون کے قبیلہ صافی سے تعلق رکھتے تھے۔  
 ”انھوں“ ”انوند“ کا مخم ہے یعنی انوند کا لفظ زبان پرتگیل تھا اس لئے انوند کے آخری حرف کو گرا دیا گیا۔ تو انوند سے ”انھوں“ بن گیا۔ یہ تو رانی لفظ ہے اور بہت سے قبچر عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بھی عالم اجل اور شیخ الاسلام تھے۔ اس لئے آپ کو عام زبان میں اسی لقب کے ساتھ پکارا گیا۔  
 آپ کی پیدائش ۱۱۸۲ھ میں ہوئی۔ ابتدائی عمر سے آپ کو دینی تعلیم کا شوق تھا۔ لہذا اپنے علاقہ ہی میں مختلف اساتذہ سے ابتدائی تعلیم کر کے مزید تعلیم کے حصول کے لئے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں رہ کر آخر مروان سے پشاور پہنچے۔ پشاور میں آپ ”گنج والے حافظ جی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور تقریباً ۴۴ برس رہ کر سند

لے آپ کا اسم گرامی حافظ محمد عظیم تھا۔ آپ مسجد کلاں گنج کے عطیبت مدرس اور امام تھے۔ آپ کے حالات پر الگ مضمون ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۹۵ھ میں ہوئی۔

فراغت حاصل کی چونکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفی کامل تھے اس لئے اپنے ارتقا کی صحبتِ بابرکت نے آپ کو بھی اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ کیا۔ تحصیلِ علم کے بعد آپ فقرار کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت پشاور شہر میں جناب شاہ میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب یکہ لوت والے کا بہت شہرہ تھا۔ اور حضرت اخون صاحب خود فرماتے ہیں کہ ”حضرت جی صاحب سے ہزاروں لوگ آکر فیض حاصل کرتے تھے مجھے اکھڑون کے بعد آپ سے ملاقات کا موقع ملا۔ چنانچہ حضرت جی صاحب نے آپ کو فرمایا کہ میرے پاس تمہارے لئے فقر نہیں۔ مگر ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ“۔ پڑھا کرو۔“ اسی طرح آپ مختلف فقرار اور مشائخ سے ملے۔ آخر آپ وہاں پہنچ گئے جہاں سے آپ کو فقر ملنا تھا۔ بفرمائے۔

آخر آمد زپس پر وہ تقدیر پدید

یعنی آپ حضرت شیخ المشائخ صاحب جزاؤہ محمد شعیب صاحب ساکن تور ڈھیری کی خدمت میں پہنچ کر طریقہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ دریائے کابل اور دریائے سوات کے جنگلوں میں کافی عرصہ زہد و عبادت میں گزارا۔ جب سلسلہِ قطبہ قادریہ کے اسباقِ طریقت کو مکمل کر کے اپنے پیرو مرشد کے حضور میں پہنچے۔ تو حضرت صاحب جزاؤہ صاحب مرحوم نے آپ کو ہر چہاں رسلاسل یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں مافون اور صاحبِ مجاز فرمایا۔

۱۔ یہ روایت حضرت شیخ صاحب شکر پورہ کی زبانی ہے۔ آپ حضرت سوات صاحب کے سلسلہ میں

ظفار سے تھے۔ آپ کی وفات بقرہ تقریباً ۸۰ برس ۹ رزی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں ہوئی۔

سب مجاز ہونے کے بعد آپ نے ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو اتباعِ سنت اور اوامرِ الہی کی مطابقت تبلیغ کرتے عقلمند یوگان کرواتے۔ لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق عمل کروانے اور ان کے تمام جھگڑے شریعت کے مطابق فیصلہ کروانے۔ بدعات و رسوم بد سے لوگوں کو باہر رکھتے۔ لنگڑیتے بہانوں سے ہزار ہا لوگ روٹی، کپڑا، زاویراہ حاصل کرتے۔ آپ کی اہمیت اور خلوص کو دیکھ کر جوق در جوق عوام آپ کی بیعت ہوئے اور آپ پر پروانہ دار قربان ہوتے تھے۔ غرضیکہ آپ نے اس سلسلہ مبارکہ کی بہت اشاعت کی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ آپ کے نام سے موسوم ہو کر قادیان، چشتیہ، نقشبندیہ کا ایک خانوادہ مشہور ہو گیا۔ اب آپ کا سلسلہ صرف صوبہ سرحد ہی نہیں، بلکہ کابل، ہرات، غزنی، ہندوستان اور عرب تک پھیل چکا تھا اور ہر جگہ آپ کے خلفاء مصروف تبلیغ تھے، اور اشاعتِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے۔

آپ نے اس زہد و تقویٰ، مشاہدہ و مراقبہ، ذکر و فکر، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اور اشاعتِ سلسلہ کے ساتھ ساتھ ”بہاؤ الدین السیّد“ بھی کیا۔ نہایت ہی شجاعت، ہمت اور استقلال کے ساتھ وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیتے جو دنیا تک زندہ رہیں گے اور جن کی یاد ہمیشہ رہے گی۔ جب کبھی کوئی مؤرخ تاریخ مجاہدین سرحد لکھے گا تو وہ آپ کے بہادریوں کو فراموش نہیں کرے گا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

ہرگز نمیر و آنکہ دلش زندہ شد عشق

ثبت است بر جریۃ عالم و وام

نائب رئیس ہندوستان کی جو جامعیت حضرت سید احمد صاحب شہید کی زیر قیادت

ہندوستان سے روانہ ہو کر اس علاقہ میں سکھوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آئی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر پشاور سے سکھوں کو نکالا اور خوب جہاد کیا۔ اور سکھوں کے مظالم جبر و استبداد سے مسلمانوں کو نجات دلوائی۔ جب پشاور فتح ہو گیا تو محدثین نے اپنے عقائد و اعمال کو عملاً نافذ کرنا شروع کر دیا۔ جہاں تک بدعات، رسوماتِ بدہ اور دیگر برائیوں کا تعلق تھا حضرت انجمن صاحب سوات محدثین کے ساتھ ان تمام بُرائیوں کو ختم کرنے میں پیش پیش تھے۔ مگر جب عقائد کا مسئلہ آیا تو آپ ان سے الگ ہو گئے اور واضح طور پر ان کے عقائد کا رد کیا اور ان سے اختلاف کیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے محدثین کی اس تحریک کے سرگرم رکن جناب حضرت مولانا مولوی سید امیر صاحب المعروف ”کوٹہ ملا صاحب“ اور ان کے تابعین پر ”وہابی“ کا حکم صادر کیا۔ مصنف یوسف زئی پٹھان بھی اپنی کتاب ”یوسف زئی پٹھان“ کے صفحہ ۳۸۰ پر لکھتا ہے۔

”آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہو گا کہ جس وقت حضرت انجمن صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما حضرت سید امیر صاحب المعروف کوٹہ ملا صاحب اس تحریک کی حمایت میں تھے“

بلکہ آپ کے خلفائے آپ کی ایما پر ان عقائد کے خلاف بسوٹ کتابیں لکھیں ان میں حضرت مولانا مولوی مرید محی الدین صاحب نوشہروی اور پشاور شہر کے مشہور معروف علامہ اجل حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف برمیاں صاحب

مخصوصیت سے قابل ذکر ہیں حضرت میاں صاحب قصبہ خوانی نے تقویۃ الایمان مصنفہ  
شاہ اسماعیل صاحب کا رو بنام "احقاق حق" عربی میں لکھا جس میں ان تمام عقائد کا  
رو ہے جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقائدِ حقہ کے خلاف ہیں۔

حضرت انخون صاحب پر ان واقعات کا اثر بہت بُرا پڑا اور آپ سوات  
کی طرف چلے گئے۔ آپ نے سلسلہ کی اشاعت امر بالمعروف کو جاری رکھا۔  
اور اسی طرح رسوباتِ بد اور بدعات کے خلاف عملاً کام کرتے رہے۔ نیز آپ نے  
اس تمام علاقہ کے قبائلیوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی مومنانہ فراست نے  
وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو پیش آنے والا تھا۔ محدثین کی تحریک کی ناکامی، سکھوں  
کا اس علاقہ سے نکل جانا۔ ملکوں اور خوانین کی خانہ جنگی یہ سب ایسے اسباب تھے جن  
کی وجہ سے انگریزوں نے اپنی شیطانیت کی چالوں سے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپ جانتے  
تھے کہ اگر یہاں یعنی سوات میں تنظیم نہ ہوئی اتحاد نہ ہوا۔ کوئی امیر نہ ہوا تو فرنگی کامیاب  
نہیں ہو سکتا۔ آپ کی شبانہ روز مسلسل کوشش و سعی سے سوات کے لوگوں نے  
اپنا بادشاہ شہد اکبر شاہ کو بنالیا۔ اگرچہ لوگ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت  
امارت کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے سید موصوف کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت  
انخون صاحب سوات کو شیخ الاسلام بنایا گیا

تمام مقدمات تعارض اور جھگڑے آپ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلے  
فرماتے۔ آپ کی انتہک کوشش سے سوات میں امن قائم ہو گیا اور ہر طرف

۱۵۳ مستبد اکبر شاہ، حضرت غوث خراسان بہد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔



سنت نبوی کی اشاعت ہونے لگی۔ ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ عمل ہونے لگا۔ تقریباً سات برس تک سید اکبر شاہ نے حکومت کی اور اسی ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ سید صاحب کی وفات کے بعد سوات اور بلتیر پر خانہ جنگی شروع ہوئی اور وہ وطن جو سات برس تک امن و امان کا گوارہ تھا، جہنم زاد بن گیا۔ حضرت انخون صاحب اس تباہی و بربادی اور اختلاف و انتشار کو دیکھ کر بہت پریشان اور مشوش ہوئے۔ ادھر انگریزوں کی سازشیں اور چالیں کہ یہ لوگ اور زیادہ کمزور ہو جائیں آپس میں لڑیں تاکہ ہمارے زیر نگیں اور ماتحت ہو جائیں۔ آپ کے لئے اور زیادہ دکھ کا سبب تھا۔ انگریزوں نے اس افتراق و تشتت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوات کا رخ کیا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اپنے تمام متعلقین، مریدین اور قبائلیوں کو لے کر میدان جہاد میں نکلے۔ اس جہاد کا نام ”امبیلہ“ کی جہاد مشہور ہے۔ انگریزوں نے دیکھا کہ سوات اور بلتیر وغیرہ علاقوں کا اتحاد ہے تو ان میں مچھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت انخون صاحب انگریزوں کی شرارت کو سمجھ گئے انھوں نے بلتیر کے لوگوں کو خصوصاً اور تمام لوگوں کو عموماً وعظ و نصیحت کی، سمجھایا۔ اور حملہ کے لئے تیار کیا۔ آپ کے ارشادات کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ لوگوں میں جوش جہاد پیدا ہوا اور شوق شہادت ہر ایک کو میدان جہاد کی طرف کھینچ لایا۔ چنانچہ نہایت ہی بے جگری کے ساتھ مجاہدین اسلام نے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ دست بدست لڑائی کی بھی نوبت آئی۔ مجبوراً فرنگیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ چند دنوں کے بعد حضرت صاحب نے مجاہدین کو لے کر کھڑک کے مورچے پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی بڑی ہیبتناک تھی۔ مجاہدین انگریزوں کی فوج کی صفوں

میں گھس گئے اور دست بدست لڑائی کی اور یہ مورچہ فتح کر لیا۔ اس مقام پر بہت قتل  
مقابلہ ہوا۔ اس لئے اس جگہ کا نام ہی "قتل گڑھ" پڑ گیا۔ چند دن ٹھہر کر انگریزوں نے  
پھر لڑنے کا بندوبست کیا، اور ایک بہت مدبّر انگریز افسر کو کمان دے کر بجاری  
فوج کو میدان جنگ میں بھیج دیا۔ ادھر حضرت انخون صاحب نے بھی مجاہدین کی صفوں  
کو ترتیب دیا۔ لڑائی ہوئی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ مجاہدین کے حق میں نہ نکلا۔ باجوڑ وغیرہ  
کے لوگ واپس ہونے لگے۔ مجاہدین میں بددلی پیدا ہوئی۔ مگر آپ ایک مقام پر کھڑے  
ہو گئے اور جو لوگ لڑائی سے واپس جا رہے تھے ان کو روکا، اور فرمایا کہ آج زندگی  
اور موت کا سوال ہے۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا مسئلہ ہے۔ دشمن کا مقابلہ  
جو انہروی، ہمت اور شجاعت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ آپ کی تقریر ہمیشہ کے لئے  
تاثیر سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔ اس واقعہ بھی آپ کی تقریر سے بہت اچھا اثر ہوا۔  
اور مجاہدین پھر کمر ہمت باندھ کر میدان جہاد میں کود پڑے۔ انگریزوں نے اپنی سازش  
اور پالیسی کے مطابق چند خواتین کو خرید کر مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے نہایت  
ہی پختہ عزم اور استقلال کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ مگر اپنیوں کی غداری کی وجہ سے  
کامیابی نہ ہوئی۔ مجاہدین منتشر ہو گئے اور آپ خود سید و شریف لے گئے۔ امر بالمعروف  
اور سلسلہ کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ قوم و ریاست کے تمام جھگڑے خود فیصلہ  
کرتے یا علماء سے کرواتے۔ عرب و عجم میں آپ کے مریدین لاکھوں کی تعداد میں ہیں  
کابل، علاقہ آزاد قبائل اور صوبہ سرحد کا تو تمام علاقہ آپ ہی کے سلسلہ میں منسلک ہے  
اور آج جو طور طریقہ اس علاقہ میں اسلام کا نظر آ رہا ہے یہ سب آپ ہی کی کوششوں  
اور سعی جمیلہ کا مرہون منت ہے۔ تقریباً آپ کے ساڑھے چار سو کے قریب خلفاء

تھے جو صاحب علم و عمل اور صاحب تلوار بھی تھے۔ آپ کے وہ خلفاء جو آزاد قبائل میں رہتے تھے تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

آپ کا لنگر عام تھا۔ ہر ایک کو باقاعدہ روٹی اور سالن ملتا۔ کوئی تفریق یا امتیاز نہ تھا۔ طالبان علم کو آپ کپڑا اور نقدی بھی مرحمت فرماتے۔ مساوات کی بڑی قدر و منزلت کرتے۔ نادار اور یتیم لڑکیوں کی اپنی گروسے شادی کرواتے۔ غرضیکہ جو بھی آپ کے پاس حاجت مند آتا۔ ہمارا لوٹتا۔

آپ کے مکشوفات اور کرامات بے حد بے حساب ہیں۔ چونکہ آپ مقامِ عزت پر فائز تھے اس لئے آپ سے کرامات کا صدور امر واقعہ تھا۔ اگر آپ کی کرامات اور مکشوفات کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ تبرکاً آپ کی ایک کرامت درج کرنا ہوں ورنہ آپ کی کرامات کا اس جگہ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ آپ کا وجود مبارک ایک زندہ کرامت تھا اور اس وقت بھی ساکنانِ بقیۃ

کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ہے۔

جناب حضرت شیخ دین محمد صاحب المعروف شیخ صاحب شکر پورہ فرماتے تھے کہ مجھے میرے شیخ یعنی حضرت ہڈہ ملا صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک بار آپ سے پوچھا گیا۔ کہ ”غوث“ کی کیا شناخت ہے۔ حضرت انخون صاحب سوات نے فرمایا کہ اس کو بھٹے کی چھت میں جو لکڑیاں پڑی ہوئی ہیں اگر غوث کہے کہ وہ ہے کہ یہ ایک لکڑی سونے

لہ پشاور سے ہشتنگر روڈ پر دس میل دور دیا ہے شاہ عالم پورہ گاؤں ہے۔ شیخ صاحب مرحوم کا مزار وہاں پر واقع ہے۔ آپ ہندو تھے حضرت ہڈہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ بیعت ہو کر صاحبِ مجاز ہوئے۔ صاحبِ کرامت تھے۔

کی ہے اور ایک لکڑی چاندی کی تو ایسے ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ہڈہ ملا صاحب نے فرمایا کہ جب ہم نے چھت کی طرف دیکھا تو ایسے ہی تھا یعنی ایک لکڑی سونے کی تھی اور ایک چاندی کی۔ مگر فوراً آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ کہہ دے کہ یہ لکڑیاں ہی ہیں تو وہ لکڑیاں ہوتی ہیں۔ ہڈہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم نے دیکھا تو وہ لکڑیاں ہی تھیں۔ جناب شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ہڈہ ملا صاحب نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم سمجھ گئے کہ آنجناب مقام غوثیت پر فائز ہیں۔ حضرت اخون صاحب سوات کے دو فرزند بنام عبدالحمنان میاں گل اور عبدالخلاق میاں گل تھے، موجودہ بادشاہ سوات عبدالخلاق میاں گل صاحب کے فرزند ارجمند عالی مرتبت میاں گل عبدالودود صاحب ہیں۔ آپ نے خود بنفس نفیس اپنی حکومت ۱۲ نومبر ۱۹۲۹ء میں اپنے بیٹے شہزادہ محمد عبدالحق جہاں زیب خان کو عطا کر دی، حکومت پاکستان نے والی سوات کو میجر جنرل کا اعزاز دیا۔

حضرت اخون صاحب مجاہد اسلام پیکرِ عزم و استقلال، مجسمہ رُسُنتِ نبوی، سرشارِ عشقِ لم یزلی سرگروہ سلسلہ قادریہ زاہدِ عوثِ وقت، حضرت عبدالغفور صاحب، محرم الحرام ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء بروز پیر واصل بحق ہوئے اور سید شریف میں دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار پر ہزاروں نائز آکر حسبِ توفیق فیض حاصل کرتے ہیں۔

# مولانا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاورمی

۱۲۱۳ھ تا ۱۲۹۷ھ

آپ کا اسم گرامی قاضی طلا محمد صاحب اور طلا تخلص فرماتے۔ والد کا اسم گرامی قاضی محمد حسن اور "خان علماء" لقب تھا۔

آپ کا مورث اعلیٰ اخوند ترکمان بن تاج خان مغلیہ بادشاہ اورنگزیب خانہ | عالم گیر کے عہد سلطنت میں جنوب مشرقی قندھار کے عوڑہ مرغومہ مقام سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام امانی آکر آباد ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عالمانہ گھرانہ تھا۔ اس لئے اس علاقہ میں بھی اسی صفت کی وجہ سے اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

اخوند ترکمان صاحب علم و فضل تھے۔ لہذا آپ نے اپنے لڑکے محمد عفوٹ | محمد عفوٹ کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور اپنے لڑکے کو علم و عمل سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد عفوٹ صاحب اپنے وقت کے "علامہ" کہلاتے۔

جناب محمد عفوٹ صاحب صرف شریعت اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ طریقت محمدیہ

کے بھی امام تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب پشاوری  
ثم لاہوری کے صاحب مجاز خلیفہ تھے۔ آقا عبدالحی حبیبی لکھتے ہیں۔

”کہ فرزندو سے اخوند محمد غوث بعد از سن ۱۱۶۰ھ از طرف (لوتے بابا)

احمد شاہ ابدالی قاضی پشاور مقرر شد و خانوادہ قاضی خیلان پشاور از

نسل و سے پندر“

یعنی اخوند ترکان کا بیٹا اخوند محمد غوث سن ۱۱۶۰ھ کے بعد (لوتے بابا) احمد شاہ ابدالی  
کے حکم سے پشاور شہر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ نیز موجودہ خاندان قاضی خیلان انہی کی نسل  
سے ہے۔ صاحب تعلیقات نے لکھا۔ ”آپ علم معقول اور منقول میں حاجی  
محمد سعید واعظ کے شاگرد تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے چنانچہ میرزا گلان  
پر حاشیہ لکھا اور بقول آقا حبیبی ایک کتاب ”شرح الشرح“ لکھی جو تین سو صفحات  
پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب لوتے بابا احمد شاہ ابدالی نے تصوف کے اسرار و رموز پر نثر  
میں لکھی تھی۔ پھر خود لوتے بابا کے کہنے پر آپ نے اس کی یہ شرح لکھی اور انہی کے نام  
پر معنون کی۔

آپ صاحب کرامت مستجاب الدعوات اور نہایت ہی سخی گو اور نڈر تھے۔  
مفتی غلام سرور صاحب لاہوری فرماتے ہیں کہ جس وقت نادر شاہ بادشاہ ہندوستان  
پر حملہ آور ہونے کی نیت سے پشاور پہنچا تو نیک لوگوں سے طالبِ دعا ہوا اسے معلوم  
ہوا کہ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بزرگ ہیں ان سے دعا

۱۔ تعلیقات بر تازہ نوائے معارف ص ۸۳۵ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی۔

کروائی جائے۔ اُس نے لاہور حکم نامہ لکھا کہ حضرت شاہ محمد غوث صاحب پشاور آئیں۔ مگر آپ نے حکم نامے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ جس وقت لاہور پہنچوں گا سب سے پہلے حضرت شاہ محمد غوث صاحب کو گرفتار کر کے حکم عدولی کی سزا دوں گا۔ اس کے بعد وہی کارڈخ کروں گا۔ جب دریائے اٹک کے کنارے پر نامہ شاہ پہنچا تو طوفان اور سیلاب کی وجہ سے دریا عبور نہ کر سکا۔ آخر سمجھ گیا کہ یہ کوئی ناگہانی آفت ہے۔

”آخر ناچار شد و برائے استغداد و دعا بخیرت محمد غوث کہ مرید شاہ محمد غوث<sup>ث</sup> بود شخصے فرستاد“

یعنی مجبور ہو کر طلب مدد اور دعا کے لئے (پشاور میں) حضرت محمد غوث کی خدمت جا کر ہیں آدمی بھیجا اور یہ صاحب حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے مرید تھے۔ مگر آپ نے کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا:

”ایں ہمہ توقف از شامتِ ارادۂ بد بادشاہ است کہ نسبت بپند محمد غوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادۂ بد باز آید ممکن است کہ از آبِ دریا عبور نماید“

یہ رکاوٹ بادشاہ کے اس برے ارادہ کی وجہ سے ہے کہ جو اس نے حضرت پند شاہ محمد غوث صاحب کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ اگر بادشاہ اس برے ارادہ سے باز آجائے تو ممکن ہے کہ دریا کو عبور کر لے۔

مجھے میرے دادا صاحب جناب آقا بیدار محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جس وقت بادشاہ پشاور سے روانہ ہوا تو اس وقت ہی قاضی صاحب نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ جب تک یہ توپ نہیں کرے گا، اٹک سے ادھر نہیں ہو سکے گا۔ اور یہی آپ کی قبولیت دعا کا اثر تھا کہ بادشاہ نے جب تک توپ نہ کی اٹک کو عبور نہ کر سکا۔

قاضی محمد غوث صاحب کے دو بیٹے تھے۔

**قاضی محمد حسن خان علمار** | قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی داؤد اللہ، دونوں عالم فاضل تھے۔ قاضی محمد اکبر شاہ کے ایک فرزند قاضی محمد حسن تھے۔ یہ بڑے عالم و فاضل تھے۔ تعلیمات نوائے معارف میں آقائی جیسی لکھتا ہے۔

”مرد علم و سیاست بود کہ بدر بار بادشاہ شجاع مرتبت بزرگے داشت  
و محل اعتماد تمام آن بادشاہ گشت، و لقب ”خان علمار“ یافت۔“

یعنی یہ شخصیت صاحب علم و سیاست تھی اور بادشاہ شجاع کے دربار بلند مرتبہ کا مالک تھا اور بادشاہ کا اس پر کلی اعتماد تھا۔ نیز ”خان علمار“ کے لقب سے تعلق ہوا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ”خان علمار“ نے اپنا سارا وقت شاہ شجاع کے ساتھ لہیانہ، سندھ پشاور اور قندھار میں گزارا۔ بحیثیت، پیش امام ہسپتال اور دارالمہام کے رہا۔

قاضی محمد حسن صاحب ”خان علمار“ کے تین فرزند تھے۔ قاضی فضل قادر صاحب، قاضی غلام

**قاضی غلام محمد طلا پشاوری**



صاحب اور قاضی طلا محمد صاحب، قاضی غلام قادر اور فضل قادر عالم ہونے کے باوجود ایک بلند پایہ سیاسی ذہنیت رکھتے تھے۔ دُرانیوں کے زوال کے بعد انگریزوں سے ان ہر دو بھائیوں کے تعلقات بہت استوار تھے اور فرنگیوں کے معتدلیہ تھے۔ قاضی طلا محمد صاحب طلا "خان علما" کے تیسرے فرزند تھے انھوں نے اپنی ساری زندگی پشاور میں ہی بالکل سیاست سے الگ ٹھگا رہ کر بسر کی، حکمرانوں کی قربت سے پرہیز کیا۔

آپ صاحب اخلاق حمیدہ اور مالک فضائل شریف تھے۔ اپنے تمام ہم عصر علما کے ساتھ آپ کے بہت ہی پسندیدہ تعلقات تھے۔ پشاور شہر کے علماء کی تاریخ ہائے وفات آپ نے لکھیں، باوجود آزاد مسک ہونے کے مشائخ پشاور اور سوات کے ساتھ آپ کو عقیدت، محبت اور اخلاص تھا، اور مشائخ سوات کے سلسلہ ہائے طریقہ کو نظم کیا۔

آپ نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی خدمت میں گزاری، علم حدیث فقہ، منطق اور ادب کی کتابوں کو جمعہ حواشی مفیدہ کے چھپوانے جو کہ اس وقت ایک نہایت ہی اہم دینی خدمت تھی۔ آپ کی تعریف و توصیف آقا عبدالحی جمیبی ان الفاظ میں کرتا ہے:

”کہ در علوم عربیہ و ادب عربی و فارسی و در حسن خط و انشاء و شعر ہر روز با آئینی بود۔“

یعنی علوم عربی، عربی فارسی ادب، بہترین خط و انشاء اور شعر میں (عربی فارسی) ہر روز زبانوں میں مجتہ تھے۔ "قاضی صاحب مسلماً" آزاد خیال اہل حدیث تھے۔ سردارانِ کابل اور خصوصاً سردار غلام محمد خان صاحب طرزی افغان کے ساتھ آپ کی

عالمانہ اور ادبیاتہ خط و کتابت رہتی۔ بقول صاحب تعلیمات برنوائے معارف آپ  
کی یادگار آٹھ کتابیں ہیں۔

- |                                   |                                     |
|-----------------------------------|-------------------------------------|
| (۱) دیوان فارسی                   | (۵) نفیۃ المسک                      |
| (۲) دیوان عربی                    | (۶) تسکینۃ العقوق فی تحطیۃ الففول   |
| (۳) جواہر النظر                   | (۷) علوۃ الکتیب لمن لا یحضر الجیب   |
| (۴) صلوة التقریر فی ترجمۃ التقریر | (۸) قصیدہ بانیہ عربیہ و عمل بالحدیث |
- ایک کتابچہ چند قصائد اور منظوم شجرہ ہائے طریقت پر مشتمل ہے۔  
غالباً آپ کی وفات ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ میں واقع ہوئی۔

# حضرت آغا میر جانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قلم

۱۲۱۷ھ تا ۱۳۰۰ھ

آپ کا اسم شریف آغا میر جانی شاہ صاحب، لقب قلندر۔ والد کا نام سید نجم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کے والد معروف بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ مزاج خلّاق تھے۔ آپ کا مزار سنٹرل جیل پشاور کی چار دیواری کے اندر گیا ہے۔ یہ جگہ پہلے مہمان بھتیجی جہاں اب سنٹرل جیل واقع ہے۔ آپ بخاری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آغا میر جانی شاہ صاحب کے ایک چچا تھے جن کا مزار ضلع جہلم (پنجاب) موضع کاشی ملال میں ہے ان کا اسم سید شاہ صاحب تھا۔ آپ کے دوسرے چچا سید محمد شاہ صاحب تھے جن کا مزار پشاور چچاؤنی میں مال روڈ پر وزیر اعلیٰ کے بنگلہ کے پیچھے واقع ہے۔ آپ مجذوب الحال تھے۔ ایک سیاہ کنبل اوڑھے رہتے تھے۔ پشاور شہر کے لوگ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت بھی پشاور شہر کے بہت بڑے عالم اور علامہ عصر میاں صاحب آسیا یعنی میاں غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ادھر سے گزرتے تو آپ کے مکان سے دُور گھوڑے سے اتر جاتے اور فرماتے کہ آگے قلندر بادشاہ کا



من الرضرت آفاستد مسر حانی نشا بد مصاحف قلت در بخاری، علی الرحمة

گھر ہے، ادب کرو اور آپ فرماتے کہ چیریں وغیرہ کی حلیم وغیرہ بنا دو کہ علم کا بادشاہ آ رہا ہے۔ اور آپ ان کو ملنے اپنے حجرہ سے باہر نکل آتے۔

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت بری امام عبداللطیف قلندر نور پور شاہاں <sup>راہبندی</sup> سے ملتا ہے۔ اسی لئے شریعت کی پابندی آپ بہت کم کرتے بطور انہوں کا گانا خوب سنتے، اور بری امام عبداللطیف کی ڈالی کے تمام مراسم آپ ادا کرتے اور اب تک آپ کی صاحبزادی کی اولاد وہ سب مراسم ادا کرتی ہے۔

آپ والد کی طرح صاحب اللفظ اور مستجاب الدعوات تھے، جو فرماتے ہی طرح ہو جاتا۔ آپ کی کرامات اور عورتی عادات عام طور پر زبان زد خلائق ہیں۔ آپ کا ایک مرید تھا جس کا نام سائیں کالا تھا۔ پشاور کے قریب ایک گاؤں ہے۔ ڈھیری باغباناں اس کا رہنے والا تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کھیل ڈھے جذب و شوق کے عالم میں اس کی طرف چلے جاتے تھے۔ ایک دن جب آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے تو بہت ہی خفا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ سائیں کالا آج خفا کیوں ہوا اور ایک دو سنا بھی دیں۔ اُس نے ادب سے عرض کیا کہ حضور میری زمین کے ساتھ ہی ایک زمین ہے اور مالک اس کو فروخت کر رہا ہے۔ میرا ایک خاندانی دشمن ہے وہ یہ زمین خریدنا چاہتا ہے۔ اگر اُس نے یہ زمین خرید لی تو میری زندگی تلخ ہوگی۔ ہر وقت کا فساد اور پھر قتل مقاتلہ تک نوبت پہنچے گی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر رقم ہتیا نہ ہو سکی کہ میں خود لے لیتا۔ بس یہی پریشانی اور خفا کا ہے۔ آپ جوش میں آگئے اور حسب عادت شریف اس کو کہا کہ او ملانے جا اور اس کٹھے سے میرے لئے پانی لا۔ وہ شخص گیا اور جب اُس شخص نے پانی سے پیالا بھرا تو اُس نے

دیکھا کہ کٹھے میں پونڈ بہہ رہے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے پھول گیا۔ اور پونڈ بٹورنے لگا۔ آپ نے آواز دی اور فلا نے جتنی ضرورت ہے لے لے۔ زیادہ نہ اٹھانا۔ اس نے حسب ضرورت پونڈ لے لئے اور زمین خرید لی۔

اسی طرح کی سینکڑوں کرامات آپ سے سرزد ہوئیں۔ جن کی وجہ سے ہر وقت مخلوق کا جھگھٹ آپ کے گرد رہتا۔ مگر آپ کسی کی پرواہ نہ کرتے اور اپنے جذبہ شوق میں مست رہتے۔

آپ کی وفات پر تمام پشاور نے غم کیا۔ اور آپ کا مزار یکہ ثوت دروازہ کے باہر بنا یا گیا۔ آج تک سینکڑوں لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔

اس وقت آپ کی اولاد سے آغا سید گوہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔ بہت ہی نامور متواضع منکسر المزاج اور صاحب وقار ہیں۔ سلسلہ کی اشاعت کرتے ہیں۔

# شیخ العلماء حضرت میاں نصیر محمد صاحب المعروف میاں صاحب قصہ خوانی

۱۲۲۸ھ تا ۱۳۰۸ھ

آپ کا اسم گرامی میاں نصیر محمد لقب شیخ العلماء استاذ الاساتذہ، عالم قرآن و سنت، المشہور میاں صاحب قصہ خوانی ہے اور قطب شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے والد گرامی کا نام میاں غلام محمد صاحب اور عذوقی تخلص تھا جناب میاں غلام محمد صاحب عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے۔ شریہ گوئی میں نہایت ہی موزوں طرح رکھتے تھے۔ آپ کے علم پر آپ کی شاعری غالب ہو گئی تھی۔ اسی لئے آپ کی شہرت بحیثیت شاعر کے زیادہ ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند الحاج میاں نصیر احمد صاحب نے صوبہ سرحد کے علماء سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ اپنے وقت کے علامہ اجل فاضل اکمل مفسر قرآن، شارح حدیث حضرت مولانا مولوی محمد احسن صاحب پشاور سے سند فراغت حاصل کر کے

حضرت مفتی محمد احسن صاحب پشاور میں علاقہ گنج کے ٹولہ رشید خان کے محلہ میں رہتے تھے۔ آپ کی تصحیح کے ساتھ بہت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر علماء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ بلکہ بلخ بخارا اور غزنی تک آپ کے شاگرد ہیں۔ ۸ شعبان المعظم ۱۲۸۳ھ بروز ہفتہ انتقال ہوا۔

مستند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے تبحر علمی کا شہرہ سن کر دُور دراز سے طلباء آنے لگے۔ اور آپ کے وجود نے ایک مرکزِ علم کی حیثیت حاصل کر لی۔ آپ کے درس میں کابل، بلخ اور بخارا تک کے طالبانِ علم موجود تھے۔ فارغ التحصیل علماء آپ سے اکتسابِ علوم کرتے۔

پشاور شہر میں آپ نے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی، یہ مسجد تبلیغ و تدریس کا مرکز تھی۔ اس مسجد کا نام ہی آپ کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی ”مسجد میاں صاحب قصبہ خانی“ الحمد للہ کہ اسی طرح یہ مسجد عقائدِ حقہ اہل سنت و جماعت کی تبلیغ کا مرکز ہے اور حضرت صاحبِ کعبے وقت سے لے کر اب تک اس مسجد سے احیاءِ دین ہو رہا ہے اور اسی طرح قرآن و حدیث کا درس جاری ہے۔

آپ نے بہت کتابوں پر تبصرے لکھے۔ کافی کتابوں کی تصحیح کی۔ حواشی لکھے، اور عقائدِ باطلہ پر کتابیں لکھیں۔ منہج الباری شرح صحیح البخاری پارہ اول مصنفہ حافظ راز صاحب پشاور رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کر کے چھپوائی۔ ”اسرار الطریقت“ مصنفہ قطب العالم سید شاہ محمد غوث پشاور ٹیم لاہوری کی تصحیح کی اور شائع کی۔ ”اسرار الحسنی“ کی شرح فارسی میں لکھی۔ علم نجوم کی مشہور کتاب ”کافیہ“ کی مکمل ترکیب لکھی۔ ”شاطبی“ پر حواشی لکھے، اور غیر مقلدین کے رویوں میں عربی میں ایک مستقل کتاب مسمیٰ بـ ”احتقاق الحق“ لکھی جس میں تفصیل کے ساتھ اس فرقہ کا رد فرمایا ہے۔

آپ کے کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں، بلکہ اس سے بھی زیاں۔ حضرت میاں صاحب کے ویسے تو ہزاروں شاگرد تھے۔ مگر اس جگہ چند گرامی قدر حضرات کے اسماء لکھتا ہوں۔ جو اپنے اپنے فنون کے امام تھے۔ افسوس کہ آج ہم صرف



بران کے ناموں سے واقف ہیں۔ مگر ان کی تاریخ سے قطعاً بے بہرہ ہیں جناب ملا منصور صاحب معقولی، جناب حافظ سہر بلند صاحب، جناب قاضی صاحب بدھنی رحمن کی فقہیت کا اسکے صوبہ سرحد میں بیٹھا ہوا ہے اور آپ کا فتویٰ جاری ہے، جناب حافظ صاحب بدھانی جناب مفتی عظیم اللہ صاحب جناب قاضی سراج الدین صاحب جناب مفتی صاحبزادہ شکر دین صاحب معقولی۔ اُستادِ کل حضرت پیر علی شاہ صاحب ڈوہلی نعلبندی۔ حضرت شیخ المشائخ الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری حشمتی جناب خان بہادر کریم بخش صاحب سیٹھی، وغیرہ وغیرہ ان میں سے ہر صاحب علوم متداولہ میں مکمل گذرے ہیں۔ صوبہ سرحد میں دین اسلام کے روشن اور جگمگاتے ستارے تھے۔ کوئی قرآن، حدیث اور فقہ میں خصوصیت رکھتا تھا تو کوئی عرفان الہی اور سلوک و تصوف کا حامل تھا۔ تو کوئی علوم عقلیہ و نقلیہ میں یکتائے وقت تھا۔ اور آج سماں کے فیض یافتہ اور شاگرد بہمت و استقلال کے ساتھ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ میں تحقیقِ حق کا جذبہ صادق اپنی نرالی شان رکھتا تھا۔ معاصر علماء کے اختلاف کو آمنے سامنے بیٹھ کر تحقیق فرماتے۔

ایک بار علماء سوات نے بسیر کر و گئی شیخ الاسلام و المسلمین حضرت اخوند صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کہ بغیر محراب کے جماعت نہیں ہوتی، یہ مسئلہ پشاور پہنچا آپ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ یہاں سے شیخ المشائخ حضرت آقا پیر جان صاحب قادری حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری حشمتی۔ مولانا مولوی سراج الدین لاہوری کو ساتھ لے کر تحقیقِ حق کے لئے سوات تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام و المسلمین بابا جی صاحب سوات کے ہاں قیام کیا اور مسلسل مہینوں تک ان علماء سے گفتگو ہوئی۔

تحقیق حق کی گئی اور پہلے فتویٰ پر نظر ثانی کرنے کے بعد دوبارہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق فتویٰ دیا گیا۔ جناب حضرت اخوند صاحب سوات نے ان صاحبان کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہوئے رخصت کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ستر اسی سال پیشتر ہمارے علاقہ میں شریعتِ اسلامیہ کے مسائل کی تحقیق و تفتیش کا کتنا زبردستی و جہد موجود تھا۔ اور اگر کسی دینی مسئلہ میں نزاع پیدا ہو جاتا تو علماء اور مشائخ کچھ ہمتی کے ساتھ مسئلہ کو حل فرماتے تاکہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تشنت و افتراق کا نشانہ نہ بنے۔

الحاج میاں صاحب، سلسلہ قادریہ کے خانوادہ نوشاہیہ میں اپنی خاندانی نسبت رکھتے تھے، نیز طریقہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین اخون صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔

آپ کا فتویٰ صرف پشاور ہی میں نہیں بلکہ تمام علاقہ میں نافذ و رائج تھا۔ باہر علاقہ کے علماء کرام جب تک کسی فیصلہ پر آپ کی مہر تصدیق نہ دیکھتے دستخط ثابت نہ کرتے بلکہ آپ کے پاس بھیج دیتے۔

علاوہ ازیں کہ آپ عالم و فاضل بھی تھے، بہترین شاعر بھی تھے۔ بہت سے پند و نصائح نظم فرماتے۔ بزرگانِ کرام کی تعریف و توصیف میں خمسین، غزلیں اور نظمیں اردو فارسی میں لکھیں۔ ایک دفعہ الحاج قبلہ محترم عزت مآب آغا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کہا کہ ہمارا شجرہ طریقت نظم فرماویں۔ آپ نے بزرگانِ کرام کے اسماء طلب کئے اور اسی وقت نظم فرما دیئے۔ ہر ایک شعر ایک وتر بے بہا ہے۔ تمام شجرہ طیبہ گویا ایک مونیوں میں پرویا ہوا ایک خوب صورت ہار ہے۔

غریبکہ آپ کی ذات ستوہ صفات ایک مکمل و اکمل، عالم اجل، فاضل اکمل، عارف کامل اور بلیغ شاعر تھی۔ آپ کی وفات بھرائی برس ۱۸ رجب المرجب ۱۳۰۸ھ بروز جمعہ بوقت عصر ہوئی۔ آپ کی وفات پر تمام شہر بند کر دیا گیا۔ پشاور شہر اور صوبہ سرحد کے ہزاروں لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ کی وفات پر کافی سے زیادہ تاریخ ہائے وفات لکھی گئیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

صباح لثامات مولانا نصیر احمد الذی درسا و فتوحاً مثلاً لا یعلم

قال قوم صف لنا تاریخ تلك الواقعة قلت موت العلم والله موت العالم

۱۳۰۸ھ

۱۳۰۸ھ

فارسی کی تاریخ ہے : نصیر احمد شب شنبہ مرو

۱۳۰۸ھ

حیف آں آفتاب علم نہفت

ایضاً : شمس العلوم از ماہر فت ایضاً : پھراغ جہاں

۱۳۰۸ھ

۱۳۰۸ھ

آپ کے تین فرزند تھے۔ (۱) مولوی میاں محمد صاحب آپ والد محترم ہی سے فاضل التحصیل ہوئے اور آپ کے زیر سایہ قضا و افتا کا کام کرتے تھے۔ نہایت کریم النفس تھے۔ خوش وضع اور خوش لباس جوان تھے۔ غالباً پچاس برس کی عمر میں بعارضہ منونہ وفات پائی۔

۲۔ الحاج حافظ علامہ مولانا مولوی گل فقیر احمد صاحب مظلہ العالیہ (آپ کے حالات الگ تحریر ہیں)

۳۔ حافظ میاں گل نظیر احمد صاحب، مرحوم آپ نے عمر کا بیشتر حفظ کلام اللہ شریف میں بسر کیا۔

اور سینکڑوں افراد نے آپ سے قرآن مجید حفظ کیا، اور ناظرہ پڑھا۔ تقریباً ۶۶ برس

کی عمر میں وفات پائی۔

# محدث علم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۵۰ھ تا ۱۳۳۵ھ

آپ کا اسم محترم محمد ایوب لقب محدث تھا۔ آپ موضع زخی چارباغ میں مولانا مولوی لطیف اللہ صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ قبیلہ بے سو سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ آپ کا گھر علم و حکمت کا مسکن تھا اس لئے خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آپ کے والد نے آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری پوری توجہ دی۔

مولانا محمد ایوب صاحب ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کی۔

جناب حضرت شیخ اکل علامہ صاحبزادہ صاحب اتان زئی (چار سدا) اور حضرت استاذ اکل مولانا مولوی سعید احمد صاحب المشہور کافر ڈھیری مولینا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم متداولہ کو مکمل کیا۔ حضرت علامہ محدث جلیل "مولینا صاحب ڈاگی یا حسین"

لے آپ علم منقول و معقول میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے میرزا ہد مشرح تہذیب، میرزا ہد امور عامہ پر بہتوں

حواشی لکھے ہیں جو طلباء کے لئے ان کتابوں میں مشعل راہ ہیں۔

کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف کی تکمیل کی اور سند اجازت لی۔

جب آپ نے ان اکابر و اعظم علماء سے علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کر لیا۔  
 نو عمر میں الشریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثین کرام سے دوبارہ حدیث شریف  
 پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ آپ کی سند حدیث ”سند مکی“ کہلاتی ہے جو کہ مسلمی  
 ہے ”ثبت امیری“ سے اس سند مبارکہ کی دو نقلیں ہوئی جو کہ بطور سند ایک اس  
 فقیر کے استاذ محترم، محدث اعظم، فقیہ بے نظیر، خطیب اسلام، صوفی با کمال حضرت  
 علامہ حافظ گل فقیر احمد صاحب مدظلہ العالیہ، اور دوسری سند۔

حضرت عموی محترم، عالم و فاضل، فخر علماء، سید السادات حضرت آقا سید  
 مقبول شاہ صاحب ساکن چاہ کالا پشاور نور اللہ مرقدہ کو مرحمت فرمائیں۔

آپ چار بار زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور آخری بار دو  
 برس تک کا شانہ اقدس حضور شفیع المذنبین صاحب لوا رحمہ مالک شفاعت کبریٰ  
 احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب درس حدیث مبارک پڑھایا۔  
 حرمین شریفین سے واپس تشریف لا کر پشاور شہر میں مستقل سکونت اختیار کی،  
 پشاور کے مشہور تاجریٹی کریم بخش مرحوم نے آپ کو مدرسہ جٹان میں (جو کہ تعلیم القرآن  
 کے نام سے موسوم تھا) صدر مدرس بنایا۔

۱۲۹ھ سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف  
 کو اس علاقہ میں اشاعت و ترویج آپ ہی کی ذات کی کوششوں کی رہیں منت  
 ہے۔ ضویر سرحد، وزیرستان، قندھار، بخارا، غزنی، ہرات، سوات، باجوڑ اور  
 تمام علاقوں سے سینکڑوں طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوتے اور فارغ التحصیل ہو کر

لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے۔ آپ ہی کی ذاتِ گرامی ممتی جس کی سعی سے ان علاقوں میں حدیث مبارک کی ایمان افروز مشعلیں روشن ہوئیں۔ علم و حکمت کے دریا بہے ، اور شائقین علوم اسلامیہ آپ کے چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔

آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر علماء ، محدث ، مفسر ، فقیہ اور مفتی پیدا ہوئے جن کے اسماء گرامی سے صوبہ سرحد کا بچہ بچہ واقف ہے۔ شیخ الاسلام مفتی اعظم سرحد فقیہ عصر، حضرت مولانا مولوی سید حبیب شاہ صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد مہابت خان ، استاذ محترم ، محدث اعظم ، عالم علوم باطنی حضرت مولانا مولوی حافظ گل فقیر چشتی خطیب جامع مسجد قصہ خوانی مدظلہ العالیہ ، استاذ محترم محدث جلیل فقیہ بے نظیر صدر المدرسین واعظ بے بدل حضرت مولانا مولوی صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد کچھری ہا مرحوم ، حضرت علامہ فاضل اکمل ، عالم باعمل ، عارف باللہ سید السادات آقا سید مقبول شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ ، حضرت علامہ استاذ الاساتذہ ، عالم قرآن و سنت ، مولانا مولوی عبد الجلیل صاحب شیخ الحدیث ساکن اتان زئی حال مدرس صحاح ستہ دارالعلوم چارسدہ ، حضرت مولانا مولوی علی اللہ صاحب المعروف صریح مولینا صاحب ، حضرت مولینا مولوی سیف الرحمان صاحب المعروف بہ میاں صاحب نصیر زئی و و آہ ، حضرت مولینا مولوی حافظ عبد اللہ صاحب ساکن لنڈی اور صوبہ سرحد کے مشہور و معروف عالم و فاضل اور شاعر بے نظیر حضرت مولینا مولوی محمد غفران صاحب المشہور ”شہباز گواہی مولینا صاحب“ وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ آپ کے تمام شاگردوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث اور علوم متداولہ کی تعلیم و اشاعت اور دین محمدی کی خدمت کیلئے وقف رکھی ، اور جو بقید حیات ہیں اس

وقت بھی دین اسلام کی خدمت میں مکر بستہ ہیں۔

سلسلہ دس تدریس کے ساتھ ساتھ جناب مولانا محمد ایوب صاحب محدث نے

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا چنانچہ آپ نے وہی کتب پر حواشی لکھے۔

شرح نخبۃ الفکر اور شرح تہذیب لکھے ہوئے حواشی طلباء کے لئے بہت ہی نفع بخش ہیں

رسالہ ”ہدیۃ المسلمین لزیارۃ سید المرسلین“۔ ”مواہب المنان فی مناقب ابی حنیفہ

النعمان“۔ ”در الحکمتہ فی ظہر الجمعہ“۔ ”ہدیۃ النصیحہ فی الخلۃ

والعزلۃ“۔ ”عیون الادلۃ لرویتنا الاہلۃ“۔ ”حلیۃ الاولیاء و جلوتہ

الاصفیاء“۔ ”تحفۃ الفحول فی الاستغاثۃ بالرسول“ اسی طرح مختلف

مسائل پر آپ کے کئی رسالے لکھے ہوئے ہیں اور آپ کی تمام تحریریں عربی میں ہیں

بروز چہار شنبہ (بدھ) عشاء کی نماز کے اندر سجدہ کے عالم میں بیمار ہوئے، بربع الثانی

۱۳۳۵ھ میں آپ کی روح مبارکہ نفس عنصری سے عالم جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔

اُس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ اس آفتابِ علم کو اپنے آبائی قبرستان موضع

زخی چار باغ میں دفن کیا گیا۔

آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک نوالا ولد ہی فوت ہوئے۔ دوسرے جناب

محمد نعمان صاحب۔ تیسرے مولوی حکیم عبداللہ خان صاحب ہر دو عالم تھے۔ حکیم عبداللہ

خان صاحب تو قومی اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ اتنان زنی میں حکمت کی دوکان کرتے

تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم عبدالباری صاحب والد کی جگہ حکمت کی دوکان کرتے

ہیں اور دس بھی ہیں۔

۱۔ اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں اس فقیر نے کیا ہے ۵

## مولانا قاری حافظ میاں محمد صاحب (بھانہ ماڑی)

۱۲۵۵ھ تا ۱۳۲۵ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ میاں محمد والد کا نام مولانا قاری حافظ غلام محی الدین تھا۔ آپ عربی الاصل ہیں۔ قاری غلام محی الدین صاحب مکہ مکرمہ سے ہندوستان ہوئے ہوئے پشاور پہنچے اور بمقام بھانہ ماڑی قیام کیا۔

قرآن مجید پڑھاتے اور حفظ کرواتے تھے۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کے چچا جناب ملا محمد عظیم صاحب مرحوم نے آپ کی پرورش و تربیت کی، قرآن مجید پڑھانے کے بعد دینیات کی تعلیم شروع کی، اپنے چچا سے ابتدائی کتابیں پڑھ لیں مسجد قوۃ الاسلام محلہ اشرواد (رامداس) میں نظم کی کتابیں میاں غلام صاحب پڑھاتے تھے ان کے پاس تشریف لے گئے اور نظم کی کتابوں کی تکمیل کر لی۔ باقی فنون کی کتابیں اپنے وقت کے علامہ عصر حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماڑی سے پڑھ کر علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

آپ نے اپنے اساتذہ کی بہت خدمت کی، یہاں تک کہ پشاور سے کوہاٹ تک اپنے استاذ حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم کے ہمراہ پیدل جاتے اور استاد



گھوڑے پر سوار ہوتے، تمام راستے میں اپنے اسباق پڑھتے اور پھر اسی طرح کوہاٹ سے واپس آتے۔

انتہائی مفسار، متواضع اور مہمان نواز تھے۔ سادات کرام کا بہت ہی اوبڑا احترام کرتے، خود بھوکے رہ جاتے اور غریب سائل کو سب کچھ دے کر رخصت کر دیتے۔

بازار اشراود (رامداس) میں بزازی کی موکان کرتے تھے۔ ایک طرف کپڑے فروخت کر رہے ہیں اور ساتھ ہی درس جاری ہے۔ نظم کی کتابیں بہت ہی اعلیٰ طور پر پڑھاتے اور دوسرے طلباء آپ کے پاس آتے۔ آپ ان کو پڑھانے کے علاوہ کپڑا اور کھانا زبھی مہیا کرتے۔ نظم پڑھانے میں آپ بہت مشہور تھے۔

قرآن مجید کا درس چالیس برس تک دیا۔ ناظرہ پڑھاتے اور قرأت کے ساتھ حفظ کرواتے۔ بیسیوں شاگرد تھے، اور ایسے شاگرد تھے جو کہ تمدیس بھی کرتے تھے۔ آپ قرآن مجید لکھا بھی کرتے تھے۔ نہایت ہی خوش نویس تھے۔ آپ کی وفات ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کو ہوئی۔

حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دو فرزند تھے۔ حافظ مولانا فضل محمود صاحب اور مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب مبلغ اسلام حافظ فضل محمود صاحب نے اپنے والد سے ابتدائی قرآن مجید کے چند پارے حفظ کئے، اور باقی قرآن مجید حافظ لال صاحب نے حافظ میر احمد صاحب نابینا سے یاد کیا۔ علم قرأت والد صاحب سے پڑھی درس نظامی

یہ حافظ صاحب فتح جنگ (پنجاب) کے رہنے والے تھے اور بھارتی مارتھی میں مقیم تھے۔ صاحب درس تھے۔ بیت حافظ تھے۔

حضرت علامہ سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماڑی سے مکمل پڑھا۔ اپنی آبائی مسجد (جو کہ بھانہ ماڑی میں ہے) میں امامت کرتے۔ جمعہ کی نماز جناب حضرت علامہ سید حبیب شاہ صاحب مرحوم کی غیر موجودگی میں جامع مسجد نمک منڈی اور مسجد مہابت خان پشاور میں پڑھاتے۔ لوگ آپ کے اخلاقِ حمیدہ سے بہت خوش تھے نہایت ہی حق گو اور نڈر و اعظمتھے۔ تحریک مسلم لیگ میں حصہ لیا اور پاکستان بنانے کی تحریک میں پیش پیش تھے۔ ساوات کرام کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے۔ حضرت قبلہ عالم پیر مر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے جو عقائدِ حقہ اہل سنت و جماعت کو علی الاعلان بیان فرماتے تھے۔ تمام عمر قرآن مجید کے درس تدریس میں گذاری۔ آپ کے بیسیوں شاگرد ہیں۔ ستر برس کی عمر میں حکیم جاوی الثانی ۱۳۸۶ھ یعنی ۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔ آپ کے ایک فرزند حافظ قاری فضل احمد ہیں جو متداولہ کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ مگر زندگی سیاسیات میں گزار رہے ہیں مسلم لیگ میں شامل کارڈ میں سالار ہیں۔ گھڑی سازی کا کام کر کے گذراؤقتات کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ مولانا مولوی غلام احمد صاحب ہیں۔ آپ نے دارالعلوم کراچی سے سند حاصل کی ہے اور کراچی ہی میں مدرس اور خطیب ہیں۔

جناب حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دوسرے فرزند مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب مبلغ اسلام ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب نے اپنے بڑے بھائی مولوی حافظ فضل محمود صاحب سے قرآن مجید پڑھا، اور درسِ نظامی کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی۔ خصوصاً مولانا مولوی غلام محمد صاحب ساکن گاڑیخانہ خطیب مسجد چھاؤنی پشاور سے تکمیل علم کیا۔

اعلیٰ حضرت پیر ہر علی شاہ صاحب گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور سلسلہ قادریہ چشتیہ میں منسلک ہو گئے۔ سیاسی زندگی میں اپنے تمام اوقات مسلم لیگ میں گزارے۔ سلسلہ دستارے میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی میں انتہائی سرگرمی سے حصہ لیا، اور جیل میں بھی گئے۔ اب تک مسلم لیگ ہیں۔ وہ جمعیتہ العلماء جس کی سرپرستی مولانا شبیر احمد عثمانی کر رہے تھے اس کی صوبہ سرحد شاخ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ کانگریسی علماء کی جمعیتہ العلماء کے مقابلہ میں علماء کی تنظیم کی۔

۱۳۸۲ھ میں حج شریف کے ارادہ سے عربین الشریفین کی زیارت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا۔

مسجد قوۃ الاسلام (آسیا) میں خطیب اور محلہ بڑھ کی مسجد میں امام ہیں۔ آپ مبلغ اسلام ہیں۔ پشاور میں جو بھی مجلس و عظیم ہو اس میں آپ کو دعوت دی جاتی ہے اور دو دو تین تین گھنٹے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرتے ہیں، وعظ میں ہل سنت جماعت کے عقائدِ حقہ کو بہت ہی احسن و لائق کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور فرق باطلہ کا خصوصاً ”وہابیوں“ کا رد کرتے ہیں۔ متصوفین کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔ نہایت ہی متواضع منکر المزاج، مہمان نواز اور صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ کریمانہ کے مالک ہیں۔ تمام دینی قرآن مجید ناظرہ کا درس دیتے ہیں۔ انتہائی دوست نواز ہیں سادات کا اور بے احترام مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۰ برس کے قریب ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادہ حافظ سیف الرحمن صاحب حافظ قرآن ہیں کراچی میں پولیس لائن کی مسجد میں امام اور خطیب ہیں قرآن مجید کا ناظرہ درس کرتے ہیں۔ اخلاقِ حمیدہ کے مالک ہیں۔

# سید ملک شاہ صاحب قادری نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۲ھ تا ۱۳۲۲ھ

آپ کا اسم گرامی سید ملک شاہ صاحب، والد کا نام سید غلام جیلانی شاہ صاحب ہے اور سلسلہ قادریہ نوشاہیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گیلانی سید تھے۔

آپ کے پردادا سید محمد شاہ صاحب جو کہ سید سلطان محمد شاہ صاحب کے والد تھے، پشاور تشریف لائے، اور انھوں نے یہاں پر سلسلہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کی ترویج و اشاعت کی۔ آپ پنجاب کے ضلع گجرات میں گجرات سے پانچ میل کے فاصلہ پر موضع کھوکھر کے رہنے والے تھے۔

سید ملک شاہ صاحب ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیر سایہ وینی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر والد ہی کے دست گرفتہ ہوئے اور سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے۔ والد کے انتقال کے بعد صاحب سجاوہ ہوئے۔ آپ نے اپنی تمام عمر پشاور میں ہی گزاری۔ آپ کا ایک مرید بیان کرتا ہے: ”آپ نے کبھی بھی کسی سیاسی تحریک

۱۔ اس کا نام حاجی محمد ولد نظام دین تعلق کرے۔ اس نے اپنی ساری زندگی آپ کے گھر میں بحیثیت ایک  
۲۔ گزاری ہے۔ اس وقت اس کی عمر ۶۰ برس تھی۔

میں حصہ نہیں لیا۔ ہر وقت علماء اور فقہار کی صحبت میں رہتے۔ اور اوہ وظائف میں مشغول رہتے، اور دنیاوی بھیلوں میں نہ چھنتے بلکہ یہاں بھی نصیحت فرماتے رہتے کہ ان حضرات سے الگ رہ کر یا والدہی میں مصروف رہو۔ اکثر پشاور کے علماء میں سے حضرت مولانا مولانا عبدالحکیم صاحب المشہور مولوی صاحب گاڈیخانہ، آپ کے پاس تشریف لاتے اور دینی مسائل پر خوب مجلس قائم ہوتی۔ آپ فقہ حنفی کے بہترین عالم تھے جو بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا آپ اس کو تسلی بخش جواب دیتے۔

چونکہ آپ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے شیخ تھے۔ اس لئے آپ نے پشاور صوبہ بھر حد، سوات، وادی، چترال، باجوڑ اور کابل کے علاقہ میں اس سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بلکہ اپنی زندگی ہی اسی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی۔

خاص کر پشاور میں آپ نے اپنے مریدین کا ایک حلقہ ترتیب دیا اور ہر مرید کو اپنے حلقہ میں توجہ فرماتے، اور مریدین مرغ نیم بل کی طرح وجد و حال میں تڑپتے، اور تزکیہ نفس کر کے اخلاق پاکیزہ سے متصف ہوتے۔

آپ کے وقت میں اور بھی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے خلفاء موجود تھے۔ مثلاً علاقہ یگہ توت میں حاجی میاں محمد صاحب پیر اور وزیر المعروف حاجی لٹا، علاقہ گنج میں غلیفہ ملاح مرزا، گندیو پیرہ میں عبدالمجید زیندار المعروف غلیفہ میتو محلہ فضل حق صاحب جزاؤں میں غلیفہ میر احمد صاحب ہشتنگری دروازہ میں جناب آغا میر جی صاحب اور دیگر خلفاء

لٹا پشاور میں غلیفہ، چونکہ آپ کا قلم با تھا اس لئے اسی نام سے مشہور ہوئے۔

بھی اپنے اپنے طور پر سلسلہ کی اشاعت کرتے تھے مگر آپ کی ذات ان سب کے لئے قابل احترام  
و قابل عزت تھی چنانچہ جب بھی آپ کے معاصر خلفاء نوشاہیہ میں اگر کوئی تنازعہ پیدا  
ہوتا تو آپ ہی کے گھر پر آپ کی صدارت میں فیصلہ کیا جاتا۔

امیرِ کابل غازی حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم کو بھی آپ سے بہت عقیدت  
تھی اور ہر برس آپ کو ایک خلعت اور مبلغ پانچ سو روپیہ نذرانہ پیش کرتا۔

آپ اپنے بزرگانِ کرام کے عرس مبارک نہایت احترام کے ساتھ منعقد کرتے  
خصوصاً ربیع الثانی میں حضورِ غوثِ اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس  
نہایت شاندار طریقہ پر کرتے، تمام دن لنگر تقسیم ہوتا بکثرت اثر و حام ہوتا۔ اول  
تمام رات یا والہی کے حلقہ ہائے ذکر ہوتے۔

آپ کی توجہ بہت کامل تھی، اور بہت ہی کرامات کا صدور آپ سے ہوتا  
تھا، مگر آپ نے قطعاً کرامات کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور نہ ہی کبھی اپنی طرف  
نسبت کی۔

آپ کے مُردینِ موصوف مشہور گل بیلہ میں بکثرت ہیں، ان میں سُبجانی بادشاہ  
بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھے۔ ان کے ہاں شادی کے موقع پر آپ بھی مدعو تھے۔  
آپ حسبِ قاعدہ اپنے ہمراہ چند مُردین اور چند قوال لے کر تشریف لے گئے۔ قوال  
شروع ہوئی، اور آپ کے مُردین پر وجود و حال طاری ہوا، چونکہ گاؤں تھا اور آپ  
کی مجلس سے لوگ ناواقف تھے۔ انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ آپ نے ان کی طرف  
کوئی توجہ نہ دی، مگر ان کا استہزا بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے ایک مُرد  
نے آپ کو متوجہ کیا کہ یہ لوگ اب بالکل گستاخ ہو گئے ہیں ان پر فکر کیجئے۔ آپ نے ان

پر توجہ کی تو بس پھر کیا تھا تمام مجلس و جد و قص میں لگ گئی۔ جو مذاق اور استہزا کر رہے تھے وہ روتے پیٹتے اور چلاتے تھے۔ آپ کی اس توجہ کاملہ کی برکت اور کرامت کو دیکھ کر یہ تمام علاقہ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس تمام علاقہ میں سلسلہ نوشتا ہیہ کی خوب اشاعت ہوئی اور فضل سبحانی بادشاہ نے آپ کی نیابت میں بہت کام کیا۔ اب تک فضل سبحانی صاحب کا عرس بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے اور بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

آپ بہت ہی متوکل، مہمان نواز صاحب علم و برو بار تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کا ہر ایک معترف ہے۔ آپ بجز ۸۰ برس ۳۲ سالہ میں اس دار فانی سے رات ہی عالم جا وانی ہوئے۔

آخری برس گیا رھویں شریف کے عرس کے موقع پر اجتماع میں آپ نے اپنے پوتے شاہ محمد عوث صاحب کو صاحب سجادہ مقرر کیا۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ رسول شاہ، مقبول شاہ، شریف شاہ، ہر سہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ رسول شاہ کا فرزند عبداللطیف شاہ صاحب بقید حیات ہے۔ مقبول شاہ کے پانچ فرزند تھے جن میں سے ایک شاہ محمد غیاث فوت ہو چکا ہے اور دوسرے چار شاہ محمد عوث، عبد الرزاق، امداد حسین اور شاہ محمد ظریف زندہ ہیں۔

شریف شاہ صاحب کے تین فرزند تھے۔ فیاض حسین شاہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ مشتاق حسین شاہ صاحب اور لال حسین شاہ صاحب بقید حیات ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و ترویج میں مصروف ہیں۔

## حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوٹری رحمۃ اللہ علیہ (پہری لکھی)

۱۲۶۲ھ تا ۱۳۲۲ھ

آپ کا نام نامی واسم گرامی خواجہ عبدالرحمن صاحب، والد کا نام خواجہ خضری صاحب  
لقب غوثِ وقت ہے۔ آپ نسباً علوی، مذہباً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کی  
پیدائش بمقام چھوٹہ شریف ۱۲۶۲ھ ہوئی۔

آپ کے والد اپنے وقت کے اولیائے کاملین میں سے ایک تھے۔ بیان کیا جاتا  
ہے کہ آپ کی تربیت طریقت حضرت خضر علیہ السلام نے کی۔ آپ کے وجود مبارک میں  
اللہ تبارک و تعالیٰ کے عشق کی آگ ہر وقت اور آن بھڑکتی رہتی، اور درود و عشق کا یہ  
عالم تھا کہ آپ کے سینہ پر سات زخم ہو گئے تھے۔ روزانہ ہلدی کو گھی میں تل کر ان زخموں  
پر پچھایہ لگایا جاتا اور عبادت کا یہ حال تھا کہ برف باری کے ایام میں عشاء کی نماز  
کے وحنو سے صبح کی نماز اور فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور کی یہ کیفیت تھی  
کہ چونکہ آپ اُمی تھے اور جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا اگر معلوم ہوتا تھا  
دیتے اور اگر نہ معلوم ہوتا تو فرماتے کھوڑا صبر کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت  
کر کے جواب دوں گا۔ آنکھیں بند نہ کرتے اور نہ ہی مراقب ہوتے کھوڑی دیر کے



بعد فرماتے ہیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کر لیا ہے ایسا نہیں ایسا ہے۔ جناب حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ”آپ کے کمالات ظاہری و باطنی اور کرامات و خرق عادات لاتعداد و حد شمار سے باہر ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب نے والد گرامی کی وفات کے بعد بہت ہی ریاضت اور محنت شاقہ اٹھائی۔ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے اُوبڑے نہیں کیا۔ آپ قطعاً محض اُمّی تھے۔ آپ نے بچپن کی عمر میں چلے کائے اور عبادتِ الہی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے خلیفہ مجاز حضرت علامہ عارف علوم ظاہری و باطنی جناب حافظ سید احمد صاحب سری کوئی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔ ”جب آپ کے والد بزرگوار عالی مقدار حضرت خواجہ نصری قدس اللہ سرہ العزیزہ دار فانی سے تشریف فرمائے عالم جاودانی ہوئے تو اسی خرد سالی و نابالغی کی حالت میں آپ نے پلہ کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے مکان میں دریافت فرمایا کہ میری خدمت کون کرے گا۔ قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے وعدہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک برتن رکھ دو۔ چنانچہ روزانہ وقت مقررہ پر آپ اپنے منہ مبارک کو اس برتن کی طرف جھکا کر نمونے قے کر لیتے، کھانا پینا بند تھا۔ ہر روز الایضات عناصر رجبہ و تکذرات قوائے ہمیدہ اور ثقالت و کثافت جسمانی کا اخراج

۱۔ مقدمہ مجموعہ صلوات الرسول از جناب حافظ سید احمد صاحب قدس سرہ ص ۱

۲۔ چھوہر ہری پور (ضلع ہزارہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے) ۳

بذریعہ غولنی قے کے فرماتے۔ کچھ ایام تک خون آتا رہا۔ جب بدن مبارک سے خون  
 خلاص ہو گیا تو قے میں پانی آنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ چالیس دن پورے ہو گئے۔  
 حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس غضب کا چلہ اولیاء اللہ میں نہ کسی نے کیا اور نہ سنا۔  
 اس ریاضت شاقہ کے ذریعے سے جسم عنصری کی ثقالت و کثافت و اخلاق بہمیہ کے  
 ظلمات من کل الوجوه مستہلک و محو ہو کر لطافت کلی و روحانیت نامہ نصیب ہوئی۔"  
 اس چلہ سے آپ بہت کمزور اور نڈھال ہو گئے تھے۔ جب وجود مبارک میں  
 کچھ طاقت آگئی تو آپ حضرت شیخ الاسلام غوث وقت حافظ عبد الغفور صاحب  
 المشہور اخون صاحب سوات کو ملنے کے لئے اپنے چند بزرگوں کو لے کر سوات تشریف  
 لے گئے۔ آپ جب سید و شریف آپ کی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں کا اثر وہام تھا۔  
 اور حضرت اخون صاحب کی ملاقات ناممکن تھی۔ احباب نے مشورہ کیا کہ چونکہ  
 ملاقات نہیں ہو سکتی اس لئے رات گزار کر صبح واپس چلیں، جب صبح ہوئی تو احباب  
 نے عرض کیا کہ صاحبزادہ واپسی کا انتظام کرو کہ چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنی دور سے  
 آئے ہیں۔ جس وقت اشراق کے بعد حضرت اخون صاحب اپنی مسجد کی بیڑیوں  
 پر بیٹھ کر عام دعا کر کے لوگوں کو رخصت کر دیتے ہیں ہم بھی آپ کی زیارت اور سے  
 کر کے رخصت ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں حضرت اخون صاحب کے خادم عام  
 لوگوں میں آواز کر رہے تھے کہ جو صاحبزادہ ہزارہ کا آیا ہے حضرت صاحب اُس کو  
 طلب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے احباب کے تھانے پر آپ کو وہ خادم گود میں

اٹھا کر حضرت انخون صاحب کی خدمت میں خلوت خانہ میں لے گئے۔ جناب انخون صاحب نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ ”وغد وے - وغد وے - وغد وے“ یعنی یہی ہے۔ یہی ہے۔ یہی ہے۔ اور حضرت انخون صاحب نے فرمایا کہ ”اسس یتیم کے لئے دعا کرو“ خواجہ عبدالرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت انخون صاحب سوات نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ گویا ساتوں آسمانوں کا بوجھ مجھ پر آگیا ہے، اور جب دعا سے فارغ ہوئے تو وہ بوجھ وسعت فرحت و انبساط کے ساتھ بدل گیا۔

حضرت انخون صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا۔ ”کیا رات کو خواب میں کچھ دیکھا ہے؟“ آپ نے جواب دیا۔ ”جس مقام پر چلے کرتا ہوں وہ جگہ دیکھی ہے“ حضرت انخون صاحب نے فرمایا۔ اسی جگہ پر جا کر قیام پذیر ہو جئے، کہیں مدت جاتی ہے۔ آپ کے پیروں پر آپ کے پاس آکر آپ کے مکان میں آپ کو مرید کر لیں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کچھ عرصہ کے بعد حضرت یعقوب شاہ صاحب گن چھتری رحمۃ اللہ علیہ کشمیر سے ہزارہ تشریف لائے اور یہاں پر آپ کو دریافت کر کے آپ کے مکان پر آئے۔ آپ اپنی عبادت گاہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا استقبال کیا۔ حضرت شاہ صاحب آپ کے خلوت خانہ میں تشریف لائے۔ اور آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے بہت بہت دعائی عنایتیں

مقدمہ مذکورہ

آپ کا سلسلہ عالیہ قادریہ اس طرح ہے :- حضرت یعقوب شاہ صاحب مرید ہیں شیخ محمد انور شاہ صاحب اور یہ مرید ہیں حضرت شیخ عبدالرشید صاحب کے، اور یہ مرید ہیں شیخ محمد رفیق صاحب کے، اور یہ مرید ہیں حضرت خواجہ (بقیہ صفحہ ۱۸۸ ملاحظہ فرمائیں)

اور شمشیں کیں، اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا بیانشین بنایا اور صاحبِ مجاز ہو کر  
 معنعن ہوئے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کی انتہائی کوشش کے ساتھ اشاعت  
 کی۔ صرف ہزار ہی نہیں، بلکہ آپ کے مریدین کا سلسلہ کشمیر، صوبہ سرحد، افغانستان،  
 عرب، ہندوستان، برما اور مخصوصاً بنگال تک پھیلا ہوا ہے۔ حقیقی سچی پیہم آپ نے  
 سلسلہ کی تبلیغ کے لئے کی اسی طرح آپ نے علوم اسلامیہ کی اشاعت کے لئے کوشش  
 کی، اپنے گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہزارہ کے مشہور شہر ہری پور میں ۱۳۲۱ھ  
 میں ایک عظیم الشان دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام ”دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور“  
 رکھا گیا اس کے مصارف اور تعمیر کا خرچ برما اور بنگال کے علاقہ کے مریدین نے برداشت  
 کئے۔ اس دارالعلوم میں درسی نظام کا مکمل انتظام ہے اور ذوقِ حدیث بھی ہوتا ہے۔  
 دارالافتابھی ہے۔ ۳۱، دارالعلوم کے ساتھ پرائمیری مدرسہ بھی ہے جس میں چھوٹے بچوں  
 کے لئے وہیات اور تعلیم قرآن مجید کا بہت ہی اعلیٰ انتظام ہے۔ آپ کی خواہش کے  
 مطابق دن و گنی رات چوگنی اس دارالعلوم نے ترقی کی۔ اس دارالعلوم کے فاضل بھی  
 مخلوقِ خدا کی اصلاح میں مختلف شہروں میں بحیثیت خطیب کے مصروف ہے۔  
 اس سال یعنی ۱۳۸۲ھ میں ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعہ ۶۱ بیسی کے موقع  
 پر صدر پاکستان فیڈرل مارشل محمد ایوب خان بمعد وزیر تعلیم چوہدری فضل القادر صاحب

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) گل محمد صاحب کنگال کے اوریہ مرید ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالصبور کے اوریہ مرید ہیں حضرت خواجہ  
 حافظ احمد بارہ مولہ کے اوریہ مرید ہیں حضرت شیخ عنایت اللہ شاہ صاحب کے اوریہ مرید ہیں حضرت سید عبد  
 صاحب کے حضرت شاہ عبداللہ صاحب ابوالبرکات سید حسین پشوری کے والد ہیں باقی سلسلہ انہی کا ہے  
 اے جناب عزت مآب فضل القادر صاحب چوہدری۔ حضرت چوہدری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید  
 احمد شاہ صاحب رنگون والے کے مرید ہیں ۔

دینگالی) کے اس تقریب میں شامل ہوئے اور مبلغ پچاس ہزار روپیہ مرکزی گورنمنٹ کی طرف سے بطور عطیہ کے دارالعلوم کو مرحمت فرمایا۔ سابق صوبہ سرحد میں صرف یہ ایک دارالعلوم ہے جس میں صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت علماء تیار ہوتے ہیں جس وقت ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج کی تعمیر شروع ہوئی شروع ہوئی تو کالج کی بنیاد رکھنے وقت جناب حضرت حاجی صاحب ترنگڑی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔

آپ کے اخلاق حضور و خرد و عالم سید الکونین صاحب خلق عظیم احمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے عین مطابق تھے۔ سنت نبوی علیہ التحیۃ و الثناء کا اتباع آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ سے مستحبات بھی کبھی ترک نہیں ہوئے۔ مجالس کی خدمت خود کرتے۔ آپ کی خانقاہ اور مجلس میں بدعات اور محرمات خلاف شرع کا نام تک نہ تھا۔ آپ نہایت ہی متواضع، خلیق صاحبِ علم، عفو و درگزر کرنے والے، منکسر المزاج اور پردہ پوش تھے۔ علماء فقراء و سادات کی قدر و منزلت اور انتہائی ادب و احترام کرتے۔ آپ کی خانقاہ انتہائی سادہ اور ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے پاک تھی۔ تمام اوقات مسجد ہی میں بسر ہوتے۔ طالب علموں کی خدمت اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھ کر بہت ہی محبت اور اخلاص سے خود کرتے۔ "دارالعلوم رحمانیہ اسلامیہ" کے ابتدائی دور میں طلباء کے لئے کھانا وغیرہ چھوہر شریف سے تیار ہو کر ہری پور آتا۔ ایک دن بہت بارش تھی رات بھی

یہ تقریب اربعہ عطیہ ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء کو ہوئی۔

تاریک تھی۔ آپ نے خاموشی سے فرمایا کہ طلباء کے لئے روٹی پہنچا دو۔ مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ آپ تنفس نفیس روٹی اور کھانا اٹھا کر طلباء کے لئے موسلا دھا بارش میں لے گئے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حدیث شریف میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی چٹائی لے کر درست فرمائی ہے۔ آپ نے بھی اپنی مسجد کی چٹائی جو کھٹی ہوئی تھی سینے شروع کر دی۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ حضرت شاہ ولی بابا تشریف لے آئے اور آپ سے عرض کیا کہ اٹھو اور میرے لئے گھر سے مکھن لاؤ۔ آپ نے چٹائی سینے میں کچھ دیر لگائی تو شاہ ولی بابا نے لگے کہ تمام چٹائی کا سینا سنت نہیں ہے۔ سنت ادا ہو گئی ہے، اٹھو اور مکھن لاؤ۔ مجھے دیر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے شاہ ولی بابا کی اس صفائی پر ہنسی آگئی۔ جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کشفِ زمانی و مکانی اور عیانی مکمل و اکمل عطا فرمایا تھا۔ مگر آپ نے دو چیزوں سے توبہ کر لی تھی۔ ایک تو کشف کے اظہار سے "اور دوسرے ضروریاتِ زندگی کے خیال سے" اللہ تعالیٰ آپ کو بغیر طلب و خیال کے ضروریاتِ زندگی دیا اور پوری فرماتا تھا چنانچہ ایک بار آپ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے لئے سیاہ رنگ کی دوہری چادر بناؤ۔ باہر تشریف لائے پھر گھر تشریف لے گئے اور منع فرما دیا۔ دوسرے دن ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں باہر کہیں جاتا ہوں اور یہ سورتِ حاعر ہے بنوائی اور رنگائی کی مزدوری بھی پیش خدمت ہے۔ آپ اپنے لئے چادر بنوائیں۔ آپ نے فرمایا۔ "دیکھ میں نے اب اپنی ضروریاتِ زندگی کا خیال بھی ترک کر دیا ہے اور توبہ کر لی ہے اور جس روز سے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ بغیر خیال و طلب کے موسم گرما میں گرمائی کے کپڑے

اور موسم سرما میں سرمائی کے کپڑے عنایت فرما دیتا ہے۔  
 ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم حضرت اعلیٰ پیر مر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ  
 نے آپ کو فرمایا کہ آپ کے مہمان زیادہ آتے ہیں اور آمدنی آپ کی کم ہے۔ میں آپ  
 کو فلاں وظیفہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے پڑھنے سے آمدنی زیادہ ہوگی۔ آپ  
 چُپ رہے۔ حضرت پیر صاحب نے مکرر سہ کر رہے اپنے خیال کا اظہار فرمایا تو آپ  
 نے فرمایا کہ ”پیر صاحب خدا سے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ پیر خیال کر کے  
 آویں اور اندر پیسوں کے لئے وظیفہ پڑھا جاوے۔“

کشف کے اظہار سے توبہ کا واقعہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا میں  
 بیٹھا ہوا تھا وہ شخص کپڑے اتار کر نہانے لگا۔ جب فارغ ہوا تو میں نے اس کو کہا  
 کہ تم نے زنا کیا ہے۔ اول تو منکر ہوا جب میں نے پکڑا تو اعتراف کیا اور معافی مانگنے  
 لگا۔ فرماتے ہیں میں نے دل میں خیال کیا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے گناہ دیکھ کر  
 پردہ پوشی فرماتا ہے اور میں صاحب کشف ہوا تو پردہ دری کرتا ہوں۔ اسی وقت  
 سے اس فکر کے بعد میں نے کشف کے اظہار سے توبہ کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ  
 کو توجہ کاملہ سے نوازا تھا۔ آپ کے ایک مرید احمد الدین برادر یوسف ترکمان سکند  
 چوہر نے ایک عجیب و غریب واقعہ آپ کی توجہ کاملہ و تصرفات کا بیان کیلئے کیا۔  
 احمد دین کہتا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اثنائے سفر میں ایک پیر حنا  
 بھی ہمسفر ہو گئے۔ جب ہم عرب پہنچے تو ایک درویش ہم دونوں کو ملا، اور اس نے

۱۔ برعایت جناب حافظ سید احمد صاحب رنگون والے مرحوم +

ہست آہ و زاری کی اور کہا کہ میں ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں میری فریاد ہی  
 کیجئے۔ اُس درویش نے بیان کیا کہ میں فلاں گاؤں میں رہتا ہوں اور میری عادت  
 ستارہ بجانے کی ہے۔ میرے گاؤں کے عالم نے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ آپ  
 دونوں بڑے نیک آدمی ہیں۔ عالم میں میرے ساتھ چل کر اس عالم کو سمجھائیں کہ مجھے  
 کافر نہ کہے۔ میں ان کے اس فتویٰ سے بڑا تنگ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں اور وہ  
 پیر صاحب دونوں اُس عالم کے پاس گئے۔ اس پیر صاحب نے اُس عالم سے پوچھا  
 کہ آپ نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ کیوں دیا ہے۔ اس عالم نے جواب دیا کہ یہ ستارہ  
 بجاتا ہے۔ اس لئے میں نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اگر ستارہ بجانے سے باز آ  
 جائے تو کفر کا فتویٰ بھی واپس ہو جائے گا۔ وہ پیر صاحب درویش کو چاہتے تھے کہ  
 ستارہ بجانے سے منع کریں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے پیر صاحب کو کہا کہ آپ اس  
 وقت ان کے درمیان فیصلہ نہ کریں جب ہم لوگ حج کے مناسک ادا کر لیں پھر اگر ان  
 کے درمیان فیصلہ کر لیں گے۔ جب ہم واپس آئے تو درویش کے ہمراہ اس کے گاؤں  
 میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مفتی صاحب در سگاہ میں طلباء کے درمیان تشریف فرما ہیں  
 اور بڑے ذوق و شوق سے ستارہ بجاتے ہیں۔ ہم دونوں کو دور سے دیکھ کر مفتی صاحب  
 تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش تھا۔ پیر صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت  
 کیا کہ یہ کیا حال ہے آپ کا، آپ تو ستارہ بجانے کو کفر کہتے ہیں اور آج خود اس کفر  
 میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مولینا صاحب نے جواب دیا کہ آپ دونوں میں سے کسی کی  
 برکت سے یہ نعمت مجھے نصیب ہوئی، دعا کرو کہ جب تک زندہ رہوں ستارہ بجاتا  
 رہوں۔ جب مروں ستارہ بجاتے مروں اور قیامت کے دن جب اللہ پاک کے سامنے



جاؤں ستار بجاتے جاؤں، پیر صاحب نے آپ سے فرمایا کہ فقیر صاحب یہ کیا کھیل بنایا  
 آپ نے، فرمایا کہ آپ نے ہی کچھ کیا ہوگا۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں جو کچھ ہوں خوب  
 جانتا ہوں آپ بتائیے کہ اصل قصہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ان دونوں کے  
 درمیان فیصلہ فرمادیتے، درویش آپ کے کہنے پر ستار نہ بجاتا تو جس وقت اس کو اپنی  
 روحانی غذا کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملنے پر مر جاتا۔ اس کا خون آپ کے ذمہ ہوتا۔  
 تو میں نے چاہا کہ آپ اس کے خون سے محفوظ رہیں اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ مفتی  
 صاحب اپنے علم پر ناناں و فرحان ہو کر درو مندوں کو کافر کہتے ہیں ان کو بھی حد سے  
 آشنا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ بھی صاحب درو ہو گئے۔ یہ واقعہ لکھنے کے بعد حضرت حافظ  
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”آپ میں جذبات و تصرفات حضرت علیہ السلام علیہ  
 تھے جس شخص میں جو کیفیت پیدا کرنے چاہتے اپنی تجربہ سے پیدا کر دیتے۔ کیفیات  
 و جذبات صدر پر آپ بوجہ اتم متصرف تھے جس طرح بنی نوع انسان پر آپ کے  
 تصرفات اسی طرح نباتات اور حیوانات پر بھی آپ کے تصرفات تھے۔ جناب  
 حافظ سید احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں (رنگوں سے) وطن کو آیا تو حضرت  
 قبلہ عالم کے وصال کو ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں مریدین و مخلصین  
 جمع تھے۔ ایک شخص میرے قریب رو رہا تھا۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ تم کہاں سے  
 آئے ہو۔ میں نے کہا رنگوں سے آیا ہوں، وہ اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ اس درخت  
 کو جب دیکھتا ہوں مجھے رونا آجاتا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا

۱۰ مقدمہ مذکورہ ص ۱۰

کہ مجھے حضرت قبلہ عالم نے بلا کر حکم دیا کہ تم میری طرف سے تحائف و ہدایا لے کر ہجرت بیت ایشہ شریف و زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جاؤ، اور یہ اشیاء وہاں پر فلاں فلاں لوگوں کو دے دو۔ میں حیران ہوا کہ خداوند ایہ کام مجھ سے کیونکر انجام ہوگا۔ میں تو بہت سوتا ہوں مجھے کوئی ٹکڑے ٹکڑے کروے جب بھی بیدار نہیں ہوتا ہوں اور یہ دور دراز کا سفر ہے مگر آپ کے سامنے انکار نہ کر سکا حضور پروردگار نے سفر کا سامان تیار کر کے مجھے رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ چند قدم لئے جب اس ٹوت کے درخت کے پاس حضور پہنچے تو اس درخت کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ اے ٹوت تو اس شخص کی نیند کو اپنے پاس امانت رکھ لے۔ پھر آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔ میں آپ سے رخصت ہو کر حسن ابدال ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ وہاں سے بمبئی کا ٹکٹ لے کر بمبئی پہنچا۔ اس تمام ریل کے سفر میں صرف دو تین منٹ کی اونگھ آتی جس سے میری طبیعت آسودہ ہو جاتی، نیند قطعاً نہیں آتی، بمبئی سے جہان میں سوار ہو کر جدہ، مکہ مکرمہ پہنچا۔ تمام مناسک ادا کر کے اور ضروریات سے فالغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ تمام تحائف متعلقہ لوگوں کو پہنچا کر واپس چھوہر شریف پہنچا اور اس تمام سفر میں نیند نہیں آئی۔ جب آستانہ پر پہنچا آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ اپنی امانت لے لی۔ بس پھر کیا تھا نیند نے آدھ لپٹا۔ مسجد میں جا کر سو گیا۔ نیند کے غلبہ سے چند وقت کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ اومی رات کو آپ نے خود بنفس نفس لکھا۔ لکھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذوی العقول اور نباتات وغیرہ مخلوقات بھی آپ کے تصرف میں تھیں، نیز بشری لوازمات نوم و نطقہ وغیرہ کیفیات غیر محسوس بھی آپ کے

حضرت میں عنکبوت تھے۔  
 آپ کی اسی توجہ کا طبعی برکت اور قرآنیت سے ہزاروں میل دور آپ کے  
 اور آپ کے خلفاء کے مریدین میکوکار، نماز گزار، تہجد گزار اور اولیا بن گئے۔ بڑے  
 بڑے فاجر اور بدکار جب آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو اولادوں کے  
 لئے ہادی بن گئے۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امی (بے پڑھے) تھے صرف  
 قرآن مجید اپنے استاد سے پڑھا تھا، باقی علوم متداولہ تفسیر، حدیث، فقہ اصول،  
 منطق وغیرہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھے، اور نہ ہی خط آپ نے کسی سے لکھنا  
 سیکھا، مگر اللہ جل جلالہ نے آپ کو علم لدنی سے نوازا تھا، علماء بہت ہی اچھے  
 ہوتے مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ نہایت ہی سہل  
 طریقہ پر ان مسائل کو حل فرما دیتے اور علماء اقرار کرتے کہ آپ صاحب علم لدنی  
 ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں ان روحانی تصرفات، کرامات، مکشوفات  
 اور تدابیر عالم اجسام کے علاوہ دو کارنامے ایسے کئے ہیں کہ ہر ایک حق شناس  
 آپ کے ان ہر دو کارناموں کو رہتی دنیا تک قدر و عزت کی نظر سے دیکھے گا  
 اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرے گی۔ ایک تو دارالعلوم رحمانیہ  
 اسلامیہ ہری پور۔ اور دوسرا آپ کی تصنیف لطیف "مخیر العقول فی بیانات  
 نقل العقول المسماہ بہ مجموعہ صلوات الرسول ہے۔ اس کتاب کو آپ نے بارہ  
 سال، آٹھ مہینے اور بیس دن میں لکھا۔ یہ کتاب درود شریف کی طرز پر تیس  
 پانچوں میں منقسم ہے۔ ہر پارہ کا الگ عنوان ہے اور وہ عنوان حضور اکرم عالم علوم

اولیں و آخرین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر ہے۔  
یہ کتاب پہلی بار آپ کے ہی ارشاد پر آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید احمد صاحب  
سری کوٹی نے چھپوائی اور اُس کے اخراجات سید محمد احمد صاحب کیا و اور  
رنگون کے دوسرے مریدین نے برداشت کئے۔ پھر دوسری بار ۱۹۵۳ء میں حافظ  
سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے زکثیر خرچ کر کے تین جلدوں میں پشاور سے شائع کی۔  
اس کتاب کی تعریف و توصیف بیان سے باہر ہے، اس کتاب کی قدر و ہی کر سکتا  
ہے جو اس کا مطالعہ کرے۔

جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ”آپ نے اپنے علوم و معارف اپنے  
جذباتِ عشقیہ، اور تصرفاتِ عالمِ ملکوت و ناسوت اور علومِ حقائق و جوہرہ قدیمیہ ازلیہ  
اجالیہ، اور علومِ مراتبِ صفائیہ امکانیہ تفصیلیہ اور اقسامِ مراتبِ توحیدیہ، و جوہرہ  
اور شہودیہ، وغیرہ کمالات کو اس کتاب میں اجمالاً و تفصیلاً اشارتاً و کنایتاً بیان  
فرما دیا ہے۔ یہ کتاب آپ کے کمالات پر شاہدِ عدل ہے۔ یہ کتاب آپ کے حسنِ  
جمال کا مظہرِ اتم ہے۔“

اس کتاب کے علوم کا ماخذ و منبع قرآن حکیم و احادیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
ہے۔ اس کے اورداد، اور وظائف سو سے زائد کتب معتبرہ سے نقل کئے گئے ہیں۔  
یہ کتاب برتخ و جوہر و امکان کے معیت میں پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ وائرہ اولیہ امکانیہ  
کے مرکزِ اعلیٰ سے اس کتاب کے علوم لئے گئے ہیں۔ چونکہ ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم  
صفتِ علمیہ واجب الوجود ہے۔ اس واسطے قرآن حکیم نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
کمالاتِ فائزہ اجالیہ کا اظہار فرمایا اور یہ کتاب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات

صفات تفسیہ کو طرق متعدد کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ چونکہ ذات محمدی ذات واجب الوجود کے لئے صفت اولیٰ اور ممکنات کے لئے ہیولی ہے اجمالاً اور صفات و کمالات محمدی واجب الوجود کے صفت ظاہر کے لئے منظر اتم ہیں۔ تفصیلاً، تو شاہنشاہ زمان خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب "اجواب میں عقل اقل یعنی صفت حقیقیہ ذاتیہ اولیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ذاتی و کمالات صفاتی کو اجمالاً و تفصیلاً بطرز عجیب و ترتیب غریب اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ بڑے بڑے علمائے کابلیں و عرفائے راسخین حیرت و حیرت ہیں" اور یہ کتاب ایک اُمّی نے لکھی جو علوم مروجہ سے نا بلد تھا۔ جس کا کوئی اُستاد نہیں تھا۔

ذات فضل اللہ یوقیہ من یشاء۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب المعروف پیر پیر، یہ فوت ہو چکے ہیں۔ (۲) صاحبزادہ حاجی محمد فضل سبحان صاحب (۳) صاحبزادہ محمود الرحمن صاحب۔ یہ صاحب سجادہ ہیں آپ کے صاحبزادہ شہاب الصالح عالم و فاضل مولینا مولوی طیب الرحمن صاحب ہیں اللہ تعالیٰ زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت خواجہ عبدالرحمن صاحب کی وفات بعد از شہسبیس بروز شنبہ بعد از نماز مغرب بتاریخ یکم ذی الحج ۱۳۲۲ھ بمقام چھوہر شریف ہوئی۔

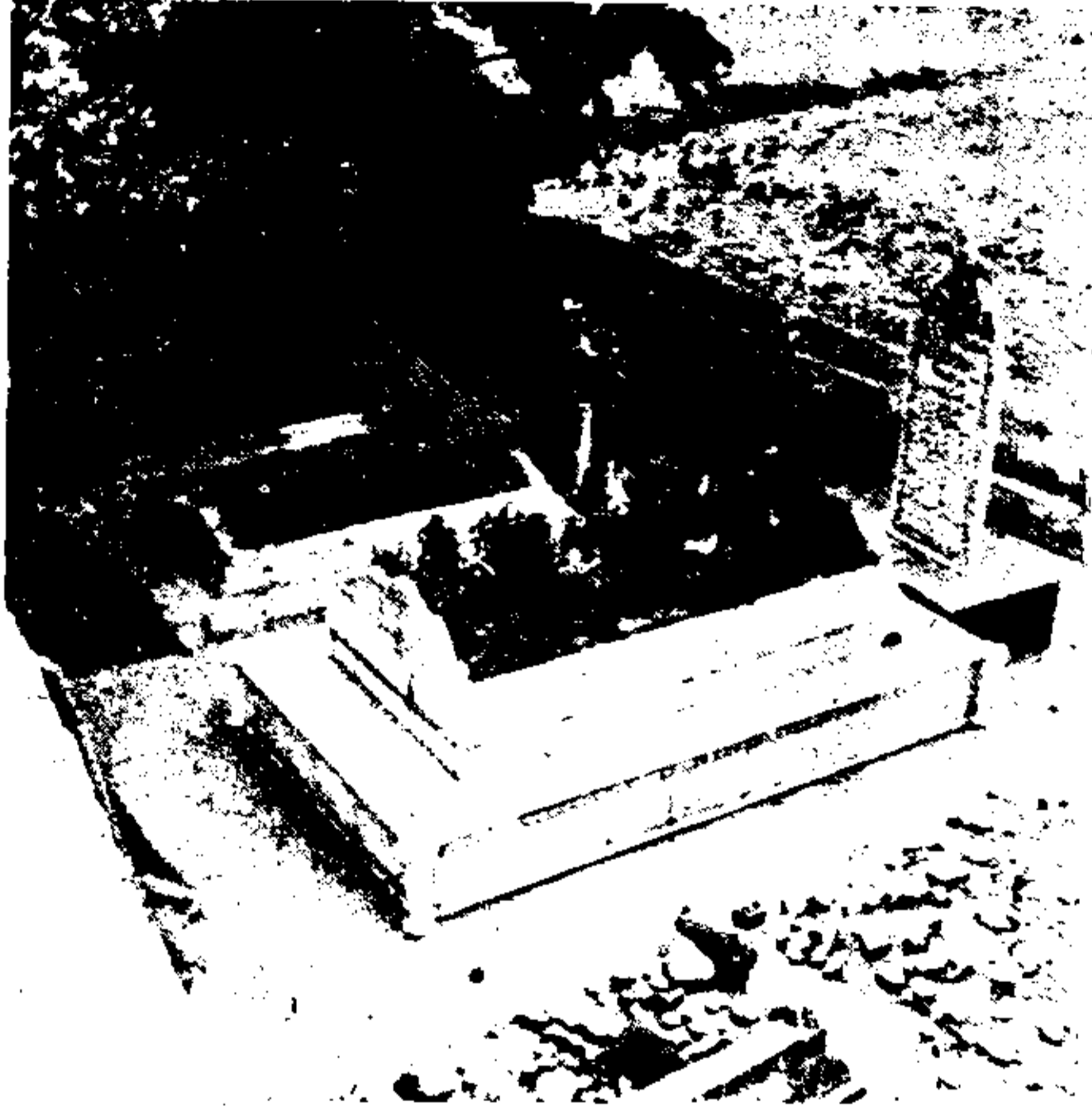
# حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری حشمتی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۶ھ تا ۱۳۳۱ھ

آپ کا اسم گرامی سید سکندر شاہ صاحب والد گرامی تربیت کا اسم شریف سید میر علی الدین صاحب، لقب سلطان المشائخ، اور گورکھ پوری والے "آغا صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔

آپ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت محدث اعظم مرشدنا و مولینا سید شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ پشاور میں آپ کے چچا حضرت سید میر عیسیٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۱۸ھ میں تشریف لے چکے تھے۔ آپ کے والد اور آپ کے چچا حضرت میر رسول شاہ صاحب کو حضرت میر عیسیٰ شاہ صاحب نے کشمیر سے بلوا کر اپنی دو صاحبزادیاں ان ہردو حضرات کے حوالہ عقید میں دے دیں۔ سید میر رسول شاہ صاحب کی اولاد فقہین ہی میں فوت ہو گئی، اور جناب سید میر علی الدین شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے ایک آنجناب اور دوسرے سید میر اسحاق شاہ صاحب۔

جناب آقا سید سکندر شاہ صاحب نے دینی تعلیم کے حصول کے لئے بہت ہی



مزار حضرت آقا سید الحاج سکندر شاہ صاحب قادری حشتی

محنتِ شاقہ اٹھائی، اور ریاستِ کشمیر و جموں کے اساتذہ سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔  
پشاور میں جناب حضرت علامہ سمرآمد علماء مولینا مولوی میاں نصیر احمد صاحب بھی  
آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے کافی سفر کر کے دینی تعلیم کو مکمل کیا اور علوم  
مروجہ سے فراغت حاصل کر کے عالم و فاضل ہو گئے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت علامہ شیخ المشائخ آقا سید اکبر شاہ صاحب المعروف  
آغا پیر جان صاحب پشاور سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت  
شمس العارفین خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا  
آپ بڑے بڑے اکابر مشائخ کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیوضاتِ باطنی  
سے مالا مال ہوئے۔ گوالیار میں ایک فقیر صاحب کی خدمت میں پہنچے ان سے بھی  
آپ کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

آپ کی ذات والا صفات پشاور، لاہور، چونیاں، قصور اور ہندوستان کے  
مختلف علاقوں میں جو آپ کے ہزار ہا کی تعداد میں مریدین تھے باعثِ رحمت و افتخار  
تھی، آپ انتہائی درجے کے متورع، زاہد، متواضع، عالم و فاضل اور عارفینِ کاملین  
سے تھے۔ اگرچہ آپ عزلت پسند تھے اور شہرت سے نفرت کرتے تھے مگر آفتاب  
کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا، اس آفتابِ ولایت کی شعاعیں خود ہی بتا رہی  
ہیں کہ آفتاب موجود ہے۔

آپ کی مجلس میں علماء فقرا، صلحاء اور اُمراء کا ہر وقت اجتماع رہتا اور کسی نہ کسی دینی  
مسئلہ پر گفتگو رہتی۔ پشاور میں آپ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس نے سلسلہ چشتیہ کو  
روشن کیا، اور حلقہٴ الودت قائم کیا۔ تمام بزرگانِ کلام کے عرس نہایت ہی اتمام اور



ادب و احترام کے ساتھ منعقد کرتے۔ اور خصوصاً ربیع الثانی شریف کی گیارہویں تاریخ کو حضورؐ کو عظیم قطب ربانی محبوب سبحانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کو بہت ہی شان اور عظمت سے کرتے۔ تمام دن لنگر تقسیم ہوتا اور تمام رات ذکرِ الہی کے حلقے رہتے اور آپؐ توجہ کا نلہ کے ماتھ تھے۔ جب مُردین پر توجہ فرماتے تو مرغِ بسمل کی طرح مُردین ٹپتے رہتے۔ آپ کے مُردین پر حال "اور جذبہ" بہت غالب تھا۔ صاحبِ اسرار<sup>۱</sup> لے تو وصف فرماتے ہیں۔ "آپ کی توجہ باطنی میں کچھ ایسی شمش و تاثیر ہے کہ کیسا ہی منکر ہو ایک ہی توجہ میں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اپنے فیوضِ باطنی میں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اسی شمشِ ولی و جذبِ باطنی سے بے شمار مُردین صاحبِ سیر سلوک ہو گئے ہیں۔"

پشاور کے ساوات میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ان ساوات میں میت ہو جائے تو جنازے کے آگے ذکرِ الہی کے حلقے کرتے ہوئے میت کو شہر کے دروازے تک پہنچا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خاندان میں ایک میت ہو گئی، جنان کو کھڑک کے سامنے پہنچا۔ میت کے آگے آپ کا حلقہ ذکر، ذکرِ الہی میں مصروف تھا۔ آپ حلقہ کے وسط میں مراقب تھے۔ حلقہ میں چیف جسٹس جناب شیخ عبدالحمید صاحب کے والد شیخ غلام رسول صاحب مرحوم و جد و حال میں مصروف تھے۔ تحصیل کے دروازہ پر ایک پولیس کا سپاہی ڈیوٹی پر تھا وہ جناب شیخ صاحب مرحوم کے وجد و رقص پر مذاق

۱۔ الحمد للہ کہ آج کے دن تک آپ کی خانقاہ قائم ہے اور اسی طرح عرس ہوتے ہیں۔

۲۔ ص ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ آقا سید بزرگ شاہ صاحب گنجِ دالے کی اہلیہ تھی۔

اور ہنسی کر رہا تھا۔ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر اس سپاہی کی طرف دیکھا اس کی فطرت  
اور ہنسی کو دیکھا۔ جناب آقا صاحب مرحوم نے اس پر توجہ فرمائی۔ آپ کے دیکھنے  
کے ساتھ ہی وہ سپاہی بعد بندوبست وادی کے حلقہ ذکر میں وجد و حال میں مصروف  
ہو گیا اور روتا پیتتا رہا۔ آپ نے اس کو حلقہ سے باہر نکلوا دیا۔ سپاہی کے حوالے  
بجائے رہے اور وہ تھانہ میں بھی بدستور روتا پیتتا رہا۔ آخر پورے افسران اس کو  
لے کر دوبارہ حلقہ ذکر میں لائے۔ اس وقت میت چوک قصا باں کے قریب  
پہنچ چکی تھی۔ آپ نے اس کی طرف نظر کرم سے دیکھا اور وہ شخص ہوش میں آ گیا۔  
اور اس سے وہ کیفیت جاتی رہی۔ آپ نے اس کو نصیحت فرمائی کہ اللہ والی  
مخلوق پر مت ہنسنا کرو، اور فرمایا

خاکسارانِ جہاں را بخت است منگر

تو چہ دانی کہ ویدیں گرو سوار سے باشد

پشاور شہر اور لاہور میں آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہر طبقہ کے افراد  
آپ سے عقیدت رکھتے اور آپ سے اصلاح پذیر ہوتے۔ جہاں پر آپ فقرا اور  
متوسط طبقہ کی اصلاح فرماتے۔ وہاں پر آپ اُمراء اور حکام کی بھی اصلاح فرماتے  
چنانچہ صوبہ سرحد کے اعلیٰ حاکم جناب کرنیل محمد اسلم خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا  
اپنی سعادت سمجھتے اور خان بہادر غلام محمدانی خان صاحب تو آپ کے اتنے معتقد  
تھے کہ انھوں نے اپنی دو صاحبزادیاں آپ کے ہر دو صاحبزادگان کے حوالہ عقد  
میں دیں۔ اسی طرح پشاور کے سرور خیل، اور قاضی خیل اور دوسرے کئی خانداں آپ  
کے حلقہ مریدین میں داخل ہوئے۔ آپ کے وجود سے سلسلہ عالیہ حشمتیہ کو صوبہ سرحد

میں اس دور میں کافی ترقی ہوئی۔ اس وقت اس علاقہ میں اس مبارک سلسلہ کا کوئی شیخ نہیں تھا جو طریقہ چشتیہ کی تبلیغ و ترویج کرتا، اور اس سلسلہ کی اشاعت اس علاقہ میں ایک بہت ہی مشکل اور دشمن کام تھا۔ اس علاقہ پر طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ کا انتہائی اثر و نفوذ تھا خصوصاً سلسلہ سوات صاحب جو اپنے آپ کو ”قادریہ نقشبندیہ زاہدیہ“ سے نسبت کرتے تھے۔ سماع کا سننا انتہائی گراہی اور بے دینی سمجھتے تھے۔ آپ نے اس ماحول میں (بیکہ پائے تو تھے ہی، دشمن اپنوں سے بھی بحث مباحث اور بسا اوقات مناظرہ تک نوبت آتی) ہمت و استقلال اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ اس سلسلہ کو گھر گھر پہنچایا اور وجود و حال کی مجالس کو قائم رکھا۔

آپ کرامات کے اظہار کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، اور اگر آپ سے کوئی کرامت صادر ہو جاتی تو بھی اس کی نسبت اپنی طرف نہ فرماتے۔ اور اولیاء اللہ کا یہی طریقہ کار رہا ہے۔ ہزاروں مکشوفات اور کرامات آپ کے مشہور ہیں۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی صورت بن جاتی ہے۔ آپ کی اکثر کرامات اصلاح حال پر مبنی تھیں۔

آپ کے تصرفات کا یہ عالم تھا کہ ادھر آپ نے توجہ فرمائی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وہ کام پورا فرما دیا۔ آپ کے روحانی کمالات کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہو۔ آپ کے ایک فرید بیان فرماتے ہیں کہ مجلس سماع میں جس وقت آپ توجہ فرماتے تھے تو سالک سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ میں مصروف ہو جاتے اور یہ تمام آپ کی نظرِ کرم اور توجہ کا ملہ کی طفیل ہوتا۔

آپ نے بہت سفر کئے۔ حج کا سفر اپنے شیخ گرامی حضرت آغا سید پیر جان صاحب

بمراہ کیا، اور جس جگہ اور جس شہر میں بھی سُنا کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے آپ وہاں پر جاتے اور اُس شخص کی ملاقات کرتے۔ آپ نے سُنا کہ گوالیار میں ایک فقیر ہے۔

آپ نے رخصت سفر باندھ کر گوالیار کی راہ لی اور اس حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب آپ اُس کو ملے تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ حکیم حسن محمد چونیوی کہتے ہیں

”چنانچہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نحو فرماتے ہیں کہ بس دُنیا میں صرف ایک شخص یعنی فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ جو بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے قدم مبارک پر قدم رکھ کر چل رہے ہیں۔“

اور فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا کہ

”سید صاحب آپ کی ہستی کا کوئی بزرگ ہندوستان میں نہیں ہے۔

اور نہ ہی کوئی آپ کی تسلی کر سکتا ہے۔“

آپ نے ان سے خوب فیض باطنی حاصل کیا۔ حضرت شیخ المشائخ میاں نیر محمد شرقپوری

بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ بلکہ آپ کو ایک بار شرقپور شریف آنے کی دعوت

دی اور آپ تشریف بھی لے گئے۔ جلال پور شریف میں آپ حضرت سید جیدر شاہ

صاحب سجاوہ نشین سے ملے۔ یہ آپ کے پیر بھائی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے مُرید تھے۔ حضرت قبلہ عالم پیر مر علی شاہ صاحب گولڑوی

رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کی اکثر ملاقات رہتی۔ لاہور میں حضرت مولانا مولوی غلام قادر

صاحب بھیروی خطیب مسجد یگانہ شاہی (یہ بھی حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے)

حکیم صاحب موصوف نے ایک کتاب انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ آپ کے حالات میں لکھی ہے غیر مطبوعہ

اور جناب مولینا مولوی سراج الدین صاحب چشتی جو کہ لاہور کے اکابر علماء سے تھے۔ آپ کے پاس آیا کرتے اور فیض و برکات حاصل کرتے۔ موہڑہ شریف میں اس وقت جناب پیر قاسم صاحب نقشبندی زندہ تھے۔ آپ ان کی ملاقات کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ ٹران کی گفتگو سے آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ کشمیر کی سیاحت کی۔ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے اور بزرگ شخصیتوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ حکیم حسن محمد صاحب لکھتے ہیں۔

”قاضی فضل حق صاحب چونیوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قاضی صاحب آدمی کو ایسا ہونا چاہیے کہ اگر ستر صوفیوں کے درمیان بیٹھا ہو تو ہر ایک کے باطن پر نظر ہو، اور ہر ایک کے دل کی گرائی کو دیکھ رہا ہو، اور اس کے دل کو وہ ستر صوفی نہ دیکھ سکیں چنانچہ اس بات کے ثبوت میں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی تمہارے دل کو میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے پتھیلی۔ لیکن حضرت قبلہ عالم کے قلب کی طرف جب خیال کرتا ہوں تو میرے دل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے کہ میری نظر باطنی وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔“

”قاضی فضل حق صاحب چونیوی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں پشاور میں حاضر ہوا تھا کہ ایک مولوی یا صوفی صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے اور انھوں

۱۔ انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ (دہلی) ص ۱۶۹ قاضی فضل حق صاحب آپ کے صاحبِ ماجد خلیفہ تھے اور نہایت ہی مؤدب، متواضع صاحبِ اخلاقِ حمیدہ بزرگ تھے۔ اپنے شیخ کے عشق میں ہر وقت مستغرق رہتے۔

نے توحید کے بارے میں عرض کیا کہ اولیاء اللہ کے اندر جب اللہ تعالیٰ کا نور روشن ہو جاتا ہے۔ تو بندہ بندہ نہیں رہتا بلکہ خدا ہو جاتا ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے ذرا تھوڑی دیر خاموشی اختیار کر کے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب ذرا سوچ کر کلام کرو، یہ مقام توحید ہے۔ آپ اس کی کیفیت نہیں سمجھ سکتے اور آپ نے فرمایا غور کرو کہ جب بندہ بندہ ہے تو خدا کیسے ہو گیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور جب کسی مکان میں پھر رخ روشن کرو یا جائے تو روشنی ہو جاتی ہے۔ یہی حالت اولیاء اللہ کی ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا مولینا جب چراغ بجھا دیا جاتا ہے تو پھر اندھیرا کہاں سے آجاتا ہے۔ گویا اندھیرا اندھری موجود تھا کہیں نکل نہیں جاتا۔ مطلب یہ ہوا کہ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے۔ اگر نور انیت پیدا ہو جائے تو پھر بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔“

چھوہ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ بروز پیر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال پر تمام پشاور کے با دار بند کئے گئے۔ ہر شخص اشک بار نظر آتا تھا۔ جنازہ پھا تبا بڑا ہجوم تھا کہ بہت مشکل سے کندھا دینے کا موقع ملا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک کا اسم گرامی سید محمد سعید جان صاحب المعروف آغا جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کا نام نامی واہم گرامی سید محمد حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

آغا سید محمد سعید جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ہی خوبصورت، بارعجب اور انتہائی صاحب عقل سلیم تھے۔ نہایت ہی پاکیزہ اور مستحکم لباس زیب تن کرتے۔ علمی لحاظ سے ایک بلند پایہ محقق عالم تھے۔ علوم متداولہ کی تکمیل کی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگرہی سے حدیث و ادب پڑھا تھا۔ بے نظیر نقیہ تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار، پابند رسوم و سلاقت تھے۔ شاہانہ زندگی بسر کی۔ راہ طریقت میں نیز کام، حقیقت و معرفت

کے روز و حقائق کے عالم اور شعرائے متصوفین کے کلام پر کافی عبور تھا۔ ۵۶ برس کی عمر میں ۱۹۳۵ء کو انتقال کیا۔

جناب آغا سید شریف حسین صاحب صاحب سجادہ ہوئے جو آپ کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند سید حسن سعید صاحب بی۔ ایس۔ سی ہیں اور وہ جنگلات میں ڈسٹرکٹ فارسٹ آفیسر ہیں۔

جناب آقا سید سکندر شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے آغا سید تاج حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، فقیہ اور معقولی تھے۔ بڑے بڑے اکابر علماء سے تکمیل علوم کیا۔ مگر آپ کی طبیعت مبارک پرسوز و گداز اور عشق الہی کا جذبہ غالب تھا۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ کی زندگی کا اکثر حصہ استغراق اور محویت میں گذرا۔ جب آپ پر یہ عالم طاری ہوتا تو آپ دنیا و مافیہا سے بالکل بے فکر ہو جاتے۔ بیوی صاحبہ، بچوں، احباب اور مُردین سے قطع تعلق ہو جاتا، اور بے خبری کے عالم میں کئی کئی مہینے بلکہ سال تک گذر جاتے۔ آخری مرتبہ ۱۹۳۶ء میں جب یہ عالم وارد ہوا تو پھر ماہ تک نہ کھانے کی خبر نہ پینے کا علم۔ بلکہ آپ نے نہ چھوٹا پیشاب کیا اور نہ بڑا۔ اسی عالم میں حضرت نور المشائخ ملا صاحب شوربانہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھنے کے لئے پونیاں (قصور پنجاب) تشریف لے گئے، مگر آپ نے کوئی بات وغیرہ نہیں کی۔ حضرت نور المشائخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لئے دعا کی اور واپس ہوئے۔ اسی استغراقی کیفیت میں ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا۔ حضرت شاہ محمد عوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پہلو کے قریب دفن کئے گئے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں ایک کا نام سید احمد شاہ صاحب بی۔ ایس۔ سی اور دوسرے کا نام علی جواد صاحب ہے۔

۱۔ ان کا حال الگ لکھا گیا ہے ۲

# فخر المجاہدین شیخ المشایخ حضرت فضل احمد صاحب و صاحبہ ترکمنی

۱۲۶۸ھ تا ۱۳۵۶ھ

آنجناب کا نام نامی واسم گرامی فضل واحد لقب فخر المجاہدین شیخ الافغانہ اور مشہور  
 حاجی ترکمنی ہے۔ آپ پیر پولہ کی نسل سے اور خاندان پیران ترکمنی سے ہیں۔  
 آپ کی پیدائش اسی گاؤں میں ۱۲۶۸ھ میں ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے  
 بعد علاقہ آزاد قبائل کے مشہور و معروف مجاہد کبیر عالم اجل، صاحب استقامت و کرامت  
 حضرت نجم الدین صاحب المعروف ”ہڈہ ملا صاحب“ کی خدمت میں بمقام پیر کونڈ  
 حاضر ہوئے اور مرید ہوئے۔ کافی عرصہ مرشد عالی مقام کی خدمت میں رہ کر مجاہدات و  
 ریاضات کئے۔ ذکر و فکر، مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف رہے۔ نیز اپنے مرشد گرامی تربت  
 کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی مصروف رہے۔ جناب مجاہد اعظم  
 ”ہڈہ ملا صاحب“ کی وفات کے بعد سلسلہ مبارک کے باقی اسباق اپنے پیر و مرشد کے

۱۔ موضع ترکمنی، تحصیل پارستہ میں چار سده سے تقریباً اڑھائی تین میل پر ایک گاؤں ہے۔  
 ۲۔ آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین اعظم حضرت انحن سوات صاحب کے خلیفہ تھے۔



خلیفہ مجاز جناب حضرت صفوی صاحب نور اللہ مرقدہ سے کلمہ کر کے صاحب مجاز اور معنعن ہوئے۔

صاحب مجاز ہونے کے بعد ارشاد و تبلیغ شروع کر دی، اور اپنے گاؤں تڑگڑی میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا ”منکر“ جاری کر دیا۔ آپ اپنے گاؤں میں بیٹھے نہیں بلکہ اصلاح اعمال اور تہذیب نفوس کے لئے گاؤں گاؤں پھرے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر داخل بیعت ہوئے اور ذرا الہی میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے اپنے مشائخ کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے طریقہ پر چلتے ہوئے ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غیر اسلامی مراسم اور بدعات کے خلاف عملاً جہاد کیا۔ عقد بیوگان کرواتے، ایک ایک دن میں بخیر کسی قسم کی خوشیاں منانے کے چالیس چالیس حقینے کرواتے۔ لوگوں کے جھگڑے اور تنازعات بشریعتِ محمدیہ کے مطابق فیصلے کرتے۔ آپ کے یہ ساتھی جمیلہ دیکھ کر علماء کا ایک خاصہ گروہ آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ جن کو آپ نے مختلف مرکزی مقامات پر مدارس بنا کر مدرس کر کے مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لئے مامور فرما دیا۔ نیز آپ نے ان تمام علماء اور فقہاء کو ایک منظم صورت دے کر فہمی بیداری کی ایک تحریک شروع کر دی۔ آپ نے ایک تعلیمی بورڈ بنا یا جو کہ پچاس مدارس اور ایک مرکزی دارالعلوم (جو گندہ کے مقام پر تھا) کی کلمہ لکھائی کرتا۔ اس مجلس میں چیدہ چیدہ علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات تھے۔ وہ مجلس ان حضرات پر مشتمل تھی۔

۱۰ موضع گندہ، تحصیل صوابی ضلع مردان میں ہے۔

- ۱۔ تاج الدین صاحب بی۔ اے ، سکند بخداوہ مروان۔
- ۲۔ مولانا مولوی شاکر اللہ صاحب ، سکند اتمانزئی۔
- ۳۔ مولانا مولوی قاضی سمیع الحق صاحب کڑوی۔
- ۴۔ مولانا مولوی قاری عبدالستعان صاحب ، اکبر پورہ۔
- ۵۔ مولانا مولوی سید زمان شاہ صاحب ساکن لاہور ، تحصیل صوابی۔
- ۶۔ مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ، اتخان زئی۔

ان میں سے کچھ تو آپ کے ساتھ بعد میں ہجرت کر گئے اور کچھ انگریزوں کی جیلوں میں فوت ہو گئے۔ ان مدارس میں نصابِ تعلیم عربی ، اردو ، فارسی ، حساب ، جغرافیہ ، تاریخ ، دینیات ، طبیعیات اور انگریزی تھا۔ مذہبی تعلیم لازمی مضمون تھا۔ ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۱۳ء تک یہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ جب آپ نے ۱۹۱۳ء میں ہجرت کی تو یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

آپ کی ان سرگرمیوں کو فرنگیوں نے بہت ہی مشکوک نظروں سے دیکھا اور ۱۹۱۰ء میں آپ کو بمعہ رفقا کے گرفتار کر لیا۔ پھر آپ کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ مگر آپ کے رفقا کو تین تین سال قید کر دیا۔ اس عرصہ میں آپ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

۱۹۱۳ء میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب نے صوبہ سرحد میں ایک کالج کھولنے کا انتظام و انصرام کیا۔ چند مقتدر اور معتد حضرات بمقام حاجی آباد یعنی آپ کی خانقاہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”ہم صوبہ سرحد میں ایک اسلامی دارالعلوم بنانا چاہتے ہیں اس لئے آپ بنفس نفیس اس دارالعلوم کی سنگ بنیاد رکھیں“ اس وفد میں

پشاور شہر کے مشہور و معروف تاجری سیٹھی کریم بخش صاحب مرحوم بھی تھے جنہوں نے اسلامیہ کالج کی جامع مسجد کی تعمیر کا ذمہ لیا تھا۔ انہوں نے آپ کو بہت مجبور کیا کہ اس مسجد کا سنگ بنیاد آپ ہی رکھیں گے۔ آپ نے منظور کر لیا۔ تاریخ مقررہ پر آپ ہمہ اپنے رفقاء کے پہنچ گئے۔ مگر انگریزی تعلیم کے مقابلہ میں دینی تعلیم کے نہ ہونے پر آپ نے سنگ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا، اور بھرے اجتماع سے ہر متعلقین کے اٹھ کر چلے گئے۔ اسی روز آپ کافر ڈھیری سے براستہ ممتھرا، میاں گجر، بانڈہ ملا خان تشریف لے گئے۔ رات وہاں قیام کیا اور صبح کو براستہ نستہ، ترنگڑی پہنچے، آپ اس وقت سفید گھوڑی پر سوار تھے۔ اب ارباب حکومت نے آپ کے خلاف ایک انتظامی صورت اختیار کر لی، اور آپ کی تبلیغ، اصلاح اور ارشاد پر کڑی نگرانی رکھ کر آپ کو بہت زیادہ پریشان کیا گیا یہاں تک کہ پھر آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے آپ کو جب اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ جمعہ اپنے بیٹوں فرزندوں اور بعض بھائیوں کے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے علاقہ آزاد کے مہند قبائل کی بے آب و گیاہ پہاڑیوں کی طرف کوچ کر گئے۔ انگریزوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے اس مردِ مومن کی مسجد کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ اس پیکرِ صداقت و استقامت کی زمین کوڑیوں کے مولِ نیرام کر دئی گئی۔ آپ کا تعاقب کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے آپ برطانیہ کی عملداری سے بچریت نکل گئے۔

۱۰ پھر غالباً خواجہ عبدالرحمن صاحب چھوڑی (ہری پور) نے سنگ بنیاد رکھا۔

۱۱ بانڈہ ملا خان میں الحاج ملک محمد زین صاحب مرحوم کے ہاں وہاں تھے ۱۲

حضرت حاجی صاحب نے علاقہ آزادھند میں اپنا مرکز قائم کر کے سلسلہ رشد و ہدایت شروع کر دیا۔ لنگر بھی جاری کیا۔ جس طرح نونگزی میں اڑوہام تھا اب اس سے بڑھ چڑھ کر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ آپ ارشاد و تبلیغ کے لئے بنیر، باجوڑ اور دیگر قبائل میں بھی تشریف لے جاتے۔ انگریزوں کے لئے آپ کا ان پہاڑوں میں نکل جانا بہت بڑے خطرے کا باعث سمجھا جانے لگا۔ اور فرنگی کا طریقہ ہے کہ ایک چیز کا سرا دوسری چیز سے ملتا رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے سازشی و مبالغہ سے حاجی صاحب کو بھی ایک چالباز سیاسی آدمی سمجھ رکھا تھا (استغفر اللہ) اور وہ آپ کو ہندوستانی ہندوؤں کا ایجنٹ سمجھ کر آپ کو پریشان کرتے تھے۔ حالانکہ آپ غریب، نادار، مفلس، مفلوک الحال، اور دین اسلام سے غافل مسلمان کی اصلاح کر کے اُس کو اپنے پاؤں پر خود کھڑا کرنے چاہتے تھے۔ اور مصلح اور لیڈر ان کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے تھے۔ آپ کا اپنا طریق تبلیغ تھا، اپنا سلسلہ طریقت تھا اپنا طریق جہاد تھا۔ اور انسانی دوستی کا اپنا طریق درس تھا۔ آپ اپنے مشائخ حضرت امام المجاہدین انون صاحب سوات، حضرت مجاہد عظیم ہڈہ ملا صاحب وغیرہ وغیرہ کے طریق ہدایت کے پیرو تھے۔ ان کا اپنا معرفت الہی کے حصول کا نبوی طریقہ تھا۔ ان کے اپنے وطن کا اپنا ماحول تھا جس کو سمجھ کر وہ خود اپنے مسائل کو حل کرتے تھے۔ کسی ہندوستانی کے پیرو یا مقلد نہیں تھے۔ بلکہ افغان قوم کو اسلام کی برادری کی بنا پر متحد و متفق کرنا آپ کا کام تھا۔ اسی لئے آپ ”شیخ الافغاندا“ کہلائے۔

آپ نے ہجرت کے بعد تمام آزاد قبائل میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیض عام کیا۔ بڑے بڑے علماء، ملک خوانین اور امرا آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

آپ کے اس اثر و نفوذ سے انگریزوں کی خارجہ پالیسی جو آزاد قبائل کے پاسے میں تھی، کو مستقل خطرہ لاحق ہو گیا، آپ کے بنیر کے قیام میں انگریزوں نے بھاری فوج کے ساتھ بنیر پر حملہ کر دیا۔ حضرت شیخ الانامغزہ رحمۃ اللہ علیہ بمعہ مریدین مخلصین اور محققین کے بمقام ”سرکامی“ انگریزی فوج کے مقابل ہوئے۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا سپہ سالار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا صاحبزادہ جناب فضل اکبر المعروف بادشاہ گل صاحب مدظلہ، العالی تھے۔ اس لڑائی میں پشاور شہر کے مشہور سیاسی کارکن اور مجاہد حکیم محمد اسلم سنجری اکبر پورہ کے مشہور عالم قاری محمد ادریس صاحب مرحوم، ٹیارہ کے قاضی شہیر رحمان اور سید توران شاہ وغیرہ وغیرہ کافی اصحاب شریک تھے۔ اس لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور انگریزوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس شکست کے بعد انگریزوں نے دولت کے خزانے کھول دیئے۔ علاقہ بنیر کے خواتین اور ملکوں نے چھ ماہ تک تو آپ کا ساتھ دیا، مگر پھر دولت کے لالچ نے ان کو اندھا کر دیا، اور انھوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ آپ بنیر سے نکل کر سوات تشریف لائے۔ سوات کے لوگوں نے آپ کی آؤ بھگت بہت کی۔ مگر جہاد کی فضا سازگار نہ دیکھ کر آپ ریاست ویر تشریف لے گئے۔ نواب ویر نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کر کے نہایت ہی مایوسانہ جواب دیا۔ آپ نواب کے ہاں نہ ٹھیرے اور قافلہ آزاد قبائل مہمند کی سینکڑوں میل باپیاہ سفر طے کرتے ہوئے مجاہد آباد چمکنڈ میں آکر رکھا۔ آپ نے مجاہد آباد میں بیٹھ کر قبائل کی طرف دُف و دُبیجے، اور جہاد کے لئے ایک تنظیم تحریک چلانے کے وسائل پر غور کیا۔ آپ نے حضرت مجاہد کبیر نجم الدین صاحب المعروف ہڈہ ملا صاحب کے بزرگ اور مقدس خلفار کو دعوت نامے لکھے۔ ان مجاہدین

کے اسباب یہ ہیں۔

ملا صاحب چکنور، ملا صاحب تنگاؤ، ملا صاحب ماگرہ، ملا صاحب سرکائی،  
 پوشتا صاحب اسلام پور اور امتا صاحب ہڈہ شریف، ان تمام حضرات نے آپ  
 کی دعوت کو قبول کیا۔ سروران قبائل مہمند، موسیٰ خیل، صافی، کوڈخیل، قندھارمی،  
 عظیم زئی اور ترک زئی بھی آپ کی دعوت پر مجاہد آباد پہنچ گئے۔ ان تمام مشائخ اور مرزاؤں  
 نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مہندوں میں مستقل سکونت اختیار کریں۔ حاجی صاحب نے  
 فرمایا کہ "میر انصب العین جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور مخالفتِ برطانیہ، انگریزوں نے  
 علاقہ خیبر میں میری تحریک کو ناکام بنانے کے لئے دولت کے ڈھیر لگا دیئے اور لوگوں نے  
 دولت کے لالچ میں آکر مجھے اور میرے رفقاء کو تکلیف پہنچائی۔ مجبوراً مجھے خیبر، سوات  
 اور وید کو چھوڑنا پڑا، اگر آپ لوگ دولت کی لالچ میں آکر میدانِ جہاد سے فرار اختیار  
 کر لیں تو اسی صورت میں یہی بہتر ہوگا کہ آپ مجھے اسی جگہ یعنی مجاہد آباد میں آرام سے  
 رہنے دیں اور واپس چلے جائیں۔"

تمام قبائل کے سرداروں نے آپ کو یقین دلایا اور ایک تحریری معاہدہ پر تمام علماء  
 مشائخ اور سروران قبائل نے دستخط کر دیئے۔ اسی وعدہ کے مطابق حضرت حاجی صاحب  
 اس جگہ پر جہاں کہ اب اپنی آخری آرام گاہ ہے یعنی "غازی آباد" میں مستقل سکونت اختیار  
 کر لی۔ اس جگہ آپ کو بہت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مگر ایک تکلیف

۱۔ "غازی آباد" کا اصل نام "سرخ کر" ہے۔ سرخ کر ایک خشک پہاڑی ہے جس کے ارد گرد

تینوں طرف بلند بلند فلک بوس پہاڑ ہیں۔ زمین بہت سخت پتھریلی ہے۔

بہت ہی پریشان کن تھی اور وہ یہ کہ اس مقام پر پانی نہیں تھا صرف ایک معمولی سا چشمہ تھا جس کے گرد جناب گڈ ملا صاحب نے ایک چھوٹا سا تالاب بنا رکھا تھا اس میں پانی جمع ہوتا تھا تو کل بارہ آدمی اس سے وضو بناتے تھے۔ آپ کا یہ قافلہ ایک سو تیس افراد پر مشتمل تھا اور پانی مشکیزوں میں بہت دُور سے لایا جاتا جو کہ ایک جانکاہ مسئلہ تھا۔ جناب حضرت حاجی صاحب ایک دن صبح کی نماز کے بعد ان ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس چشمہ آب پر تشریف لائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور اپنے دست مبارک کو اس چشمہ کے مُنڈ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی یا مُفْتِحِ الْاَبْوَابِ افْتَحْ لَنَا الْبَوَابَ الْخَيْرِ وَالْحَمْدُ لَكَ اَبُو بَكْرٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ اَعْلَمُ الْغُیُوبِ آپ نے جب دست مبارک اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس چشمہ کے سوتے کھول دیئے وہ چشمہ جس سے تمام دن میں پانی جمع کرنے کے بعد صرف بارہ آدمی وضو کرتے تھے۔ اب اسی چشمہ سے آپ کی کرامت سے ۴۰ پن چکیاں چل رہی ہیں اور اس کے گرد و لُح کی زمین تقریباً ۴۰ میل تک اس چشمہ سے سیراب ہو رہی ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتہہ من یشاء۔

۱۔ گڈ ملا صاحب کی شخصیت بھی عجیب و غریب شخصیت تھی۔ یہ صاحب اس سُرخ کمر میں کافی عرصہ سے مُقیم تھے۔ تقریباً حاجی صاحب کی اس جگہ کے آمد سے پہلے یہ صوفی فقیر منس بزرگ ۲۰ برس پہلے یہاں پر ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کر رہا تھا۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو کہا کہ حضرت یہاں پر عید اور جمعہ کو بھی دس بارہ آدمی ہوتے ہیں تو اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت، آپ نے فرمایا! کہ اس مسجد کو اللہ تعالیٰ ایک عظیم المرتبہ انسان عطا فرمائے گا، جس کی وجہ سے یہاں اس قدر ہجوم ہو گا کہ یہ مسجد بھی اس کو ناکافی ہوگی۔ آپ کا یہ کشف حاجی صاحب کی تشریف آوری پر سچا ثابِت ہو گیا کہ اس مسجد میں تیل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

آپ نے تبلیغ شروع کر دی۔ وہی ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ ہو رہا ہے۔ وہ پہاڑ  
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گونج رہے ہیں، مجاہدات و ریاضت ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے  
یا و الہی کی مقناطیسی قوت لوگوں کو کشاں کشاں کھینچ رہی ہے۔ انگریز اسی طرح اپنی  
سازشوں اور چالوں سے باز نہیں آتا۔ اگر رحمانی طاقت انسان کی اصلاح و فلاح کے  
لئے جدوجہد میں مصروف ہے تو دوسری طرف شیطانی طاقت تباہی و بربادی پر کمر بستہ  
ہے۔ یہ دستور جہاں ہے۔

موسىٰ و سرعون ، شبیر و بنید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

انگریزوں نے قبائل میں تشقت و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہی قبائل میں  
سے ایک قبیلہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ آپ یہ تمام سازش جانتے تھے۔ آپ نے  
جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے راستہ ”حافظ کور“ قلعہ شیب قلعہ پر (جہاں  
انگریز اس قبیلہ کے ساتھ مل کر ان مجاہدین کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے) حملہ کر دیا۔ علم زنی  
قبیلہ کے چند افراد آپ کے مقابلہ پر آئے، آپ نے اعلان عام کر دیا۔

”چونکہ ہم جہاد کر رہے ہیں اس لئے جو مسلمان قبیلہ بھی انگریزوں کے ساتھ

مل کر ہمارے مقابلہ میں آئے گا وہ مسلمانوں کا اور اسلام کا دشمن متصور ہوگا۔

اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہوگا۔“

جب اس قبیلہ کے ان افراد نے یہ اعلان سنا تو وہ فوراً انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر میدان

سے لوٹ آئے۔ حضرت حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے لڑائی میں فتح و ظفر عطا فرمایا۔

دشمن ہزیمت اٹھا کر واپس ہوا۔ یہ لڑائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ اس ہزیمت کا اثر حکومت



سرحد پر بہت بڑا پڑا، حکومت کے حواس باختہ ہو گئے۔ اگر اس وقت صوبہ سرحد میں ظہورِ عوام کا کوئی بھی خواہ لیڈر ہوتا تو ایک مکمل انقلاب برپا ہو سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے صوبہ سرحد سے انگریزی حکومت کا جنازہ نکل جاتا۔

جب انگریزوں کی اور افغانستان کی تیسری جنگ شروع ہوئی تو یہ مجاہد فی سبیل اللہ اللہ پر توکل کر کے افغانستان کی حمایت میں میدان میں نکل آیا۔ اور حکومتِ برطانیہ کے علاقہ میں بمقام ”گنبد“ داخل ہو گیا۔ مگر انگریزوں نے جن قبائل کو اپنی مدد کے لئے حاصل کیا تھا وہ اڑے آئے۔ اور آپ کو ان قبائل کی لجنہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور آپ واپس لوٹ آئے۔

۱۹۲۶ء میں حکومتِ برطانیہ نے ان تمام خطرات پر قابو پانے کے لئے جو اس کو شمال مغرب کی طرف سے ہو سکتے تھے، ہمنندوں کے علاقہ میں سڑکیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ ادھر یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، آپ نے تمام قبائل کو جمع کیا اور ان سڑکوں کی تعمیر کا پس منظر بتایا اور سمجھایا۔ قبائل بھی یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان پر انگریزوں کا کوئی سیاسی یا اقتصادی اقتدار ہو۔ ان تمام قبائل نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کا عہد و پیمانہ باندھا، اور فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ انگریزوں پر حملہ کیا جائے ان قبائلوں کے خلاف قدم اٹھایا جائے جنہوں نے انگریزوں کی حمایت میں دولتِ ایمان کو فروخت کر رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ان قبائل پر ہلہ بول دیا۔ وہ قبائل مقابلہ کی تاب نہ لا کر انگریزوں کے پاس پناہ گزیں ہو گئے۔ انگریزوں نے وفادار قبائل کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس قبائلی جھڑپوں پر تقریباً چار برس مسلسل گزر گئے، ادھر صوبہ سرحد کے اندر تحریکِ آزادی پورے عروج پر تھی۔ ۱۹۳۰ء کی سیاسی زندگی ایک

نکلنے سے بھڑکی ہوئی داستان ہے جس پر صوبہ سرحد کا چپہ چپہ گواہ ہے۔ غریب حوام پوچھو،  
 استبداد، قید و بند، ظلم و جور، کا ایک الم ناک دور تھا جو گزر رہا تھا۔ اور علاقہ آڑو پر  
 خاصانہ قبضہ برٹکوں کی تعمیر کے بہانے پر، یہ تمام واقعات حضرت حاجی صاحب  
 رحمۃ اللہ علیہ کی موثرانہ فراست کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے۔ علی الاعلان انگریزوں کا ان  
 قبائل کی حمایت پر آجنا حضرت شیخ الافغانہ نے اعلان جنگ تصور کر کے اس کو قبول  
 کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے ایک لشکر حیرت تیار کیا۔ اور اس مجاہدین کے لشکر کی قیادت  
 حضرت بادشاہ گل صاحب مظلمہ کو سونپی گئی۔ ایک طرف جہاز، توپیں، مشین گنیں،  
 اور مسلح افواج۔ دوسری طرف پختے پلے پلے، ناکافی اسلحہ اور کھانے کے لئے  
 ستو۔ مگر ان تمام طاقتوں پر غالب طاقت جس کا نام اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ ان  
 رعبہ دار، ذکر الہی کرنے والوں کے ساتھ تھی۔ اس شرط پر معاہدہ ہو گیا کہ حکومت برطانیہ  
 کوئی ایسا کام نہ کرے گی جس سے یہ شک پیدا ہو کہ برطانیہ اس علاقہ پر اپنا کسی قسم کا  
 اقتدار پیدا کرنا چاہتی ہے، اور حاجی صاحب کے پیرو حکومت انگلیشیہ کے حمایتیوں  
 سے تعرض نہ کریں گے۔ مگر انگریزوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور علیم زئی قبیلہ کے  
 زیر نگرانی ۱۹۳۳ء میں پھر برٹک کی تعمیر کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرت حاجی صاحب نے  
 حضرت بادشاہ گل صاحب کے زیر قیادت پندرہ سو مجاہدین کا لشکر بھیجا۔ علیم زئی کے  
 گھروں کو نذر آتش کیا، اور موسیٰ خیل کی طرف سے جو برٹکیں بنائی جا رہی تھیں، انھیں  
 عملیے کا کر دیا۔ انگریزوں نے فوراً توپ خانہ اور مسلح دستے روانہ کر دیئے۔ خوب  
 گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مجاہدین نے شجاعت و ہمت کا ثبوت دیا اور حضرت بادشاہ گل  
 صاحب نے شجاعت و دلیری کے وہ گارہائے نمایاں کئے کہ انگریزوں کو صلح پر مجبور ہو گئے۔

چنانچہ اس شرط پر صلح ہو گئی کہ ”سڑک تعمیر نہیں ہوگی“ مگر حکومت برطانیہ نے حسب سابق اپنی طاقت و قوت پر اترنے ہوئے صلح کی اس شرط کو پورا نہ کیا اور تعمیر سڑک کا منصوبہ پھر تیار کیا۔ چنانچہ مرکزی اسمبلی کے سال ۱۹۳۵ء کے بجٹ میں یہ منصوبہ رکھ دیا گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب مرحوم نے انتہائی شدت کے ساتھ اس سکیم کی مخالفت کی، اور کافی اکثریت کے ساتھ یہ سکیم نامنظور ہوئی۔ مگر وائسرائے نے اپنے خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سکیم کو منظور کر لیا۔ جب اس امد کے مقبول عمدے نے انگریزوں کی وعدہ خلافی کا یہ عالم دیکھا تو اعلان کر دیا کہ برطانیہ کو اپنے کسی بھی عہد و پیمانے کا پاس نہیں۔ اس لئے آزادی کی جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمام قبائل جو کہ بہت ہی غریب، نادار اور مفلوک الحال تھے مگر اپنی آزادی کو برقرار رکھنے پر اپنی کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی آواز پر لیبیک کہہ کر میدان میں آگئے۔ حضرت بادشاہ گل صاحب کو پھر سپہ سالار بنا دیا گیا۔ آپ لشکر لے کر دریائے سوات کو عبور کر کے آگرہ تک پہنچ گئے۔ انگریز اپنے منصوبہ یعنی ”کھڑپہ“ کی سڑک کو تعمیر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس مجاہدین کے لشکر نے انگریزوں کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا۔

آج کھڑپہ کی سڑک شہدائے اسلام کی شہادت پر گواہی دے رہی ہے اور انگریزوں کی وعدہ خلافی ہو س ملک گیری اور مفلوک الحال، نادار، غریب لوگوں پر بے پناہ ظلم کی یاد تازہ کرواتی ہے۔

جب بھی کوئی ستیاج اس سڑک پر سے گزرے گا تو شہداء کی بہت و استقامت استقلال و صبر کو سنہری حروف سے لکھے گا۔ اور انگریزوں کی سازشوں، چال بازیوں اور ہیشہ و دانیوں پر فرین و ملامت کریگا۔ آخر کار یہ افلاک کی کوسختوں میں مسلسل تکبیریں بلند کرنے والا مجاہد اعظم، غوثِ وقت، شیخ المشائخ، شیخ الافغانہ، ارشوال ۱۳۵۶ھ بمطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء بروز منگل ظہر اور عصر کے درمیان بمقام غازی آباد واصل بحق ہوئے۔

# خواجہ عبدالرحمن صاحب نقشبندی بہادر کلی پشاور

۱۳۲۰ھ

آپ کا اسم شریف عبدالرحمن والد کا اسم گرامی فیض محمد صاحب اور "بحر و خارا" کے خطاب سے ملقب تھے۔

آپ کے والد کابل (افغانستان) سے پشاور تشریف لائے۔ اور پشاور کے محلہ گل بادشاہ جی علاقہ جہانگیر پورہ میں قیام کیا۔ آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جناب پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنیری کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد پشاور شہر کے مشہور و معروف محدث جلیل حضرت مولانا مولوی محمد الوب صاحب حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے حضرت علامہ سے سند حدیث حاصل کی۔

یہاں سے تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ لاہور، سہارنپور، دہلی، کانپور ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ میں حضرت مولانا مولوی لطائف گل صاحب

۱۔ مولانا لطائف گل صاحب بھی ضلع پشاور تحصیل نوشہرہ، موضع پیر پائی کے رہنے والے تھے۔

(جو کہ مدد سے تھے) کے درس میں شامل ہو گئے۔ دو برس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی میں تدریس کے فرائض انجام دینے پر مامور ہوئے اور چار برس تک علوم متداولہ کی کتابیں پڑھانے لگے۔ آپ کے علم کا شہرہ تمام بنگال میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ علماء نے آپ کو ”بکر و خاں“ سے مخاطب کیا۔

چونکہ آبائی طور پر زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اس لئے آپ کی طبیعت میں سلوک و تصوف کو باقاعدہ طور پر حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ آپ کلکتہ سے پشاور تشریف لائے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ ”بیٹا تم نے علم دین بھلا اللہ حاصل کر لیا ہے۔ اب روحانیت اور سلوک و تصوف حاصل کرنے کسی شیخ کامل کی بیعت کرو“۔ نیز فرمایا۔ ”بیٹا! پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر حاضر ہو جاؤ اور جو کچھ وہاں سے ارشاد ہو تعمیل کرو“۔ آپ والدہ کے حکم کے مطابق حضرت شیخ الاسلام و المسلمین پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار اقدس پر حاضر ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے آپ کو خواب میں ارشاد فرمایا۔ ”فرزند عبد الرحمن! پشاور میں مسجد شیخان جاؤ وہاں پر ایک شخص سید محمد اصغر شاہ تمہیں ملے گا وہ تمہارا پیر طریقت ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو“۔ آپ پشاور مسجد شیخان پہنچے تو حضرت سید اصغر شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا، ”بیٹا آؤ“

سید اصغر شاہ صاحب پیشین علاقہ قندھار کے رہنے والے تھے۔ موسیٰ زئی شریف کے حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر ولایت صغریٰ تک پہنچے، صاحب تصرف تھے اور کرامات سے موصوف تھے۔

پیر بابا صاحب نے بھیجا ہے اور مجھے پیر بابا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو بیعت کرو۔ چنانچہ آپ اسی وقت سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے۔ آپ کے پیر و مرشد موضع ویر بہادر میں ایک برس تک آپ کے پاس رہے۔ ظاہری علم سے بہت کم واقف تھے۔ اسی لئے مثنوی مولانا روم آپ سے پڑھی، اور آپ ان کے فیوضات و برکات سے مستفید ہونے لگے۔

آپ کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ زئی تشریف لے گئے تاکہ اپنے شیخ کے مرشد کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کریں۔ جب آپ موسیٰ زئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ جناب خواجہ محمد عثمان صاحب حج کے ارادہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی وہاں سے حج کا ارادہ کیا اور عازم کراچی ہو گئے۔ آپ کی ملاقات جناب خواجہ محمد عثمان صاحب سے بہانہ میں ہو گئی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کے دادا پیر نے تجدید بیعت کر کے طریقہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت عطا فرما کر صاحب مجاز و معتمد فرمایا۔ واپسی پر اپنے نہال کے گاؤں موضع ”بہادر کلی“ میں اقامت کر کے سلسلہ رشد و ہدایت شروع کی اور خانقاہ قائم کر دی۔

ہزاروں لوگ آ کر سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے لگے اور ذکر الہی، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے صوبہ بہار اور صوبہ سرحد کی ریاستوں میں سلسلہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت کی اور قرآن و سنت کی اتباع کی دعوت دی، دُور دراز کے سفر کئے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ پیدا کیا۔

۱۹۲۳ء میں نواب شجاع الملک، نواب چترال پشاوڑ آئے۔ آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر بہت ہی متاثر ہوا۔ اور بقول مصنف ”نئی تاریخ چترال (اردو)“  
 ”اعلیٰ حضرت مرحوم سر شجاع الملک کو آپ کے والد (یعنی خواجہ عبدالرحمن صاحب) حضرت  
 مغفور سے ۱۹۲۲ء میں پشاور کے سفر کے موقع پر ملاقات کے دوران میں روحانی  
 اخلاص و محبت کا واسطہ پیدا ہوا تھا جس کی تکمیل کے لئے اعلیٰ حضرت مرحوم نے ان کی  
 خدمت میں ایک خط لکھا کہ پشاور میں آپ کا نیاز خاطر خواہ میسر نہ ہوا تھا۔ اس کمی کو کسی  
 دوسرے موقع پر پورا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں“ چنانچہ نواب صاحب آپ کے فریضہ  
 ہوئے۔ مصنف نئی تاریخ چترال لکھتے ہیں۔ ”ستمبر ۱۹۳۲ء میں حقائق و معارف نگاہ  
 الحاج حضرت محمد عبدالرحمن صاحب نقشبند یہ خانقاہ بہادر کلی پشاور بادشاہ کی بابا  
 دعوت پر اپنے مرشد زادہ حافظ محمد ابراہیم صاحب خانقاہ موسیٰ زئی اور متحدہ ہیراپور  
 کے چترال تشریف لائے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت علماء مشائخ کے بے حد قدردان اور اخلاص و  
 عقیدت کے رازدان ہیں، دونوں مشائخ کا مناسب احترام کیا اور ان کے تعارف و  
 تالیف سے نہایت محظوظ ہوئے“

لاڈ برون سٹی جلال الدین ایک انگریز تھا اور وہ مسلمان ہوا تھا۔ اس کی ملاقات  
 بھی آپ سے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں چترال میں ہوئی۔ وہ بھی اس ملاقات میں آپ سے  
 اس درجہ متاثر ہوا کہ فوراً آپ سے بیعت کر لی۔ مصنف نئی تاریخ چترال رقمطراز ہے  
 مشائخ کرام میں سلسلہ نقشبندیہ سے حضرت عبدالرحمن صاحب بہادر کلی پشاور ان دنوں

۱۔ نئی تاریخ چترال اردو مصنف مرزا محمد غفران مرحوم مؤلف نقیثت مرزا غلام مرتضیٰ (فرزند مصنف) ص ۲۰۶

۲۔ ایضاً ص ۲۱۲

۳۔ ص ۲۱۲

چترال میں موجود تھے۔ محترم نوسلم لارڈ سہر جلال الدین ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ ملاقات کے لئے پھر ہاتھ آگے بڑھایا، اور ان سے بیعت بھی کی۔ غرضیکہ اگر آپ کے دست مبارک پر عام لوگ بیعت ہو کر نیک بنے تو علماء، اُمراء اور صاحبان فہم و فراست بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اصلاح و ارشاد کے حامل ہوتے۔ تقریباً دو ماہ چترال میں قیام کر کے واپس پشاور تشریف لائے اور دوبارہ حج کو گئے۔ پھر تیسری بار ۱۹۳۵ء آپ حج کو تشریف لے گئے، اور اس بار پشاور شہر سے (آپ نے بنیعت حج) احرام باندھا۔

آپ نہایت ہی کریم النفس، مہذب المزاج، متواضع، مہنسا، تشریف النفس صاحب اور بوجہ تھے، ایک بار آپ نے اپنے مریدین کو فرمایا کہ لوگ مجھے کافر بھی کہیں تو تم میری طرف سے جواب نہ دو۔ آپ علم لدنی سے نوازے ہوئے تھے۔ اور جس وقت بھی کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ بلا توقف اس کو حل فرماتے۔ آپ سہارنپور تشریف لے گئے تو علماء کرام کی ایک مجلس میں آپ نے بیان کیا کہ اے علماء کرام اگر آپ کو کسی مسئلہ میں کوئی علمی اشکال ہوں تو اس وقت بیان کریں یہ فقیر انشاء اللہ اس مسئلہ کو حل کر دے گا۔ مولانا مولوی محمد تشریف صاحب محدث فرماتے ہیں کہ یہی وجہ تھی کہ علماء نے آپ کو ”بھڑو خاں“ کا خطاب دیا تھا۔

آپ کے زہد و تقویٰ، نجابت و شرافت کی وجہ سے پشاور شہر کے علماء و علماء، اور عوام آپ کی بہت ہی عزت و توقیر کرتے۔ آپ جس وقت بھی سفید گھوڑی پر سوار چادر سر پر ڈالے پشاور کے بازاروں سے گزرتے تو لوگ ادباً احتراماً اپنی دکالوں پر کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کرتے اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ دعائیں کرتے ہوتے



مسجد مہابت خاں نماز کے لئے چلے جاتے۔

آپ کا وصال ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ بروز جمعرات عشاء کی نماز کے بعد ہوا اور یہ آفتاب سلسلہ نقشبندیہ جمعہ کے دن سپر و خاک کر دیتے گئے۔

آپ نے اپنے بعد کافی خلفاء چھوڑے جو اب تک اصلاح، رشد و ہدایت میں مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں :-

مولانا مولوی عبدالمنان صاحب پلوسی، مولانا مولوی سعید الرحمن صاحب مرحوم ساکن محلہ مروی ہا پشاور۔ مولانا مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم پنڈ سلطانہ۔ مولانا مولوی صوفی محمد یعقوب صاحب مدرس ڈھاکہ۔ مولانا مولوی پائندہ گل صاحب (سوات میں زندہ ہیں) مولانا مولوی رحمان الدین (پڑانگ چارسدہ میں زندہ ہیں) سید نذیر شاہ صاحب (گلگت میں تھے) مشہور و معروف حاجی عمران صاحب جو تقریباً تمام عمر ہر سال حج پر جاتے تھے آپ کے ہی مرید تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ اپنے دوسرے صاحبزادہ جناب حضرت مولانا مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب کو مرید کر کے خلافت سے نوازا اور خلافت نامہ تحریر کر کے بھی دیا۔ آپ کے سلسلہ کی اشاعت میں آپ بہت ہی جانفشانی کے ساتھ کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے جب علوم متداولہ کی تکمیل مکمل کر لی تو پھر آپ کو سند خلافت مل گئی صاحبزادہ محمد عزیز الرحمن صاحب والد کی وفات کے بعد پشاور سے کراچی چلے گئے۔ وہاں سے پلوسی سون سیکس ہونے ہوئے چترال میں مقیم ہو گئے۔ صاحب نئی تاریخ چترال (اردو) لکھتے ہیں :-

” موصوف زبدة العارفين الحاج محمد عبدالرحمن صاحب مرحوم سجادہ نشین خاتقاہ  
 بہاولپور کے صاحبزادہ ہیں اور ان کا اسم گرامی محمد عزیز الرحمن صاحب ہے دو تین سال  
 سے پتھراں میں بعد خاندان قیام پذیر ہیں۔ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے مستدرثاً  
 سنبھالا، اور ان کے خلیفہ و مجاز مطلق جانشین ہیں، کتب تصوف و سلوک کے باوصف  
 متعدد علماء سے علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور سرکردہ فضلاء سے ہیں، اور اپنے والد  
 بزرگوار کے فیوضات و توجہات عالیہ سے ہر مقام پر مستفید ہیں۔“

باوجود اس کے کہ آپ کے تعلقات بہت ہی وسیع ہیں۔ علماء اُمرار اور حکام  
 ریاست سب کے سب آپ کے معتقد اور مخلصین تھے، حتیٰ کہ والی ریاست بھی آپ  
 کا انتہائی معتقد اور آپ کی ارادت میں منسلک تھا۔ مگر آپ نے کبھی بھی ان سے کوئی  
 طمع یا لالچ نہیں رکھا، اور نہ ہی کوئی وظیفہ لیا۔ صاحب نئی تاریخ پتھراں لکھتے ہیں: ”  
 آپ کے نفقہ کا کوئی انتظام ریاست سے جاری نہیں، لیکن پھر بھی آپ کسی کے  
 محتاج نہیں۔ نفقہ الغیب سے روزی کا سامان موجود ہے۔“

آپ کا یہی توکل اور استغنا ہے جس سے معتقدین صوفیاء کرام کے اخلاق ہوید ہیں  
 تمام علماء اور فضلاء آپ کے اخلاق حمید اور علمی کمالات و فضائل کے معترف ہیں۔ صاحب تاریخ  
 پتھراں لکھتے ہیں: ”پتھراں کے علماء جب آپ سے ملتے ہیں تو علمی فضائل کے مباحث سے اوجھڑ  
 کرتے ہیں کہ آپ کے علمی کمالات بلند وسیع ہیں اور آپ کا سلسلہ کلام نہایت ثرو باؤب و تاب ہے۔“  
 آپ نے ایک تاریخ بھی لکھی ہے جو علمی ہے اور شاہی کتب خانہ پتھراں میں موجود ہے۔ فقینٹ  
 در غلام مرنی رقمطراز ہیں: ”حضرت صاحب کا ایک مینظیر مجموعہ روزگار تحفہ کتاب تاریخ باسم حبیب  
 شاہی کتب خانہ میں موجود ہے جو نہایت خوش خط و زلفشاں قلمی نسخہ ہے۔“

# حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب مشننگی ساکن کوٹلہ محسن خان پشاور

۱۲۶۴ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم، والد کا نام حاجی گل نواز، مورخ کوٹلہ محسن خان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۶۴ھ بتائی جاتی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کونے بیت اللہ شریف لے گئے۔ ابتداً وہی سے زاہدانہ زندگی اپنائے ہوئے تھے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھے رہتے۔ بنگان کرام کی مزارات پر بھی حاضر ہوتے اور استفادہ کیا۔ صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت تھے اور اسی مساک کی تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ بزرگان کرام کی توہین کرنے والوں کی صحبت سے منع فرماتے، اور کہتے کہ ان کے دل پر ایک ایسا داغ پیدا ہو جاتا ہے جو ان کے تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ یہی آپ کی نیک سیرتی تھی جو آپ کو نہایت ہی عقیدت، محبت اور اوق و احترام کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئی۔ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

کہ کوٹلہ محسن خان پشاور سے مغرب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فقیر کو پیر کی تلاش اور ضرورت ہے آپ ہی المصلین  
 ہیں رہنمائی فرمائیے۔“ بارگاہ مقدسہ و معطرہ معلیٰ سے ارشاد ہوا کہ ”سرہند شریف جاؤ  
 تمہیں وہاں پیر مل جائے گا“ چنانچہ آپ مدینہ منورہ سے سیدھے سرہند شریف پہنچے  
 حضرت امام ربانی محبوب سبحانی کا شرفِ علومِ حروفِ مقطعات قرآنی مجدد و الف  
 ثانی احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا کہ ”جاؤ تمہیں اسٹیشن پر پیر مل جائیگا“  
 جناب حاجی صاحب جب اسٹیشن پر پہنچے تو آپ کو ایک بزرگ صورت آدمی ملا۔  
 اور حاجی صاحب کو کہا کہ رامپور کا ٹکٹ لو۔ اور وہاں پہنچ کر محلہ چاہ شور پر حافظ  
 عنایت اللہ صاحب رامپوری رہتے ہیں ان سے بیعت کر لو۔ فرماتے ہیں کہ ”سیدھا  
 ان کے پاس رامپور پہنچا۔ جب ان کے سامنے ہوا تو آپ وہی شخص تھے جو کہ سرہند کے  
 اسٹیشن پر مجھے ملے تھے، اور وہ خود حافظ عنایت اللہ صاحب تھے“ ۱۸۹۵ء  
 میں آپ حافظ صاحب کے بیعت ہوئے۔

آپ پر اپنے شیخ کی خاص نظر اور توجہ تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ حاجی صاحب خاص  
 طور پر مدینہ پاک کی بارگاہ عالیہ سے بھیجے گئے تھے۔ تہجرت بہت ہی قلیل عرصہ میں یعنی صرف  
 تین ماہ میں سلوک کی تکمیل کر لی، آپ اس عرصہ میں لطائف ستہ سے سرفراز کئے گئے۔  
 اور شیخ نے آپ کو خلافت سے نواز کر معنعن و صاحبِ مجاز کر دیا۔ اور ساتھ ہی حکم  
 دیا کہ اپنے وطن جا کر سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و تبلیغ شروع کرو۔ خوب فتوحات  
 ہوئے لوگ جوق در جوق آنے لگے، اور فیض حاصل کر کے بامراد لوٹتے۔ مریدین کو تعلیم  
 سلوک و تزکیہ نفوس کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھاتے۔ اور مکتوبات  
 حضرت مجدد و الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشکل مقامات کو آسان پیرایہ پر بیان فرماتے

اور نہایت ہی سہل طریقہ پر ذہن نشین کروا دیتے۔ ہر قسم کے سیاسی جھگڑوں اور کشمکش سے کنارہ کش رہے۔ بلکہ ایسے تمام جھگیلوں سے نفرت کرتے، اور اپنے مریدین کو بھی منع فرماتے۔ آپ مریدین پر عموماً مغرب کی نماز کے بعد تو بہتر فرماتے۔

آپ نے بہت سفر کئے، اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے تھے کہ ”روحانی طور پر حضرت خواجہ بزرگ عطلائے رسول خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے کافی فیض ہوا ہے“ افغانستان میں ”حضرت صاحب چار باغ“ سے آپ کی اکثر ملاقات رہتی۔ آپ ان کی بہت تعریف کرتے، یہاں تک فرمایا کہ ”آپ یعنی حضرت صاحب چار باغ“ مجھ سے اپنے گھر میں یعنی پشاور میں جسمانی طور پر ملاقات کرتے ہیں حالانکہ وہ افغانستان میں ہوتے تھے“ جناب حاجی صاحب فرماتے تھے کہ مسلسل آٹھ برس تک بیداری کے عالم میں جسمانی طور پر حضور خردو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے“

آپ کے مریدین صوبہ سرحد، آزاد قبائل، اور مغربی و مشرقی پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ منبع سنت اور صاحب حال ہیں۔ اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت اور عشق رکھتے ہیں۔ آپ اپنے مریدین کی تکمیل سال کے عرصے میں کر دیتے تھے۔ آپ کے ایک خلیفہ جناب ملک ابرار حسین صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں دوسری بار رامپور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو شیخ نے فرمایا کہ حاجی عبدالرحیم قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میری عینکیں پشاور میں رہ گئی ہیں۔ میرے پیر و مرشد نے مجھے فرمایا ”حاجی میں نے عینکوں کا نہیں کہا بلکہ قرآن پاک کی تلاوت کا کہا ہے“ حاجی صاحب نے کہا کہ آپ کے اس ارشادِ گرامی

کے بعد یہ ہوا کہ ”سنہ ۱۹۵۰ء تک ۱۰۸ برس کی عمر میں بھی بغیر عینک کے روزانہ دس پارہ قرآن مجید پڑھتا ہوں۔“ آپ کو ملنے کے لئے تہ کمال بالا پشاور کے ایک بزرگ جناب ارباب صاحب ملنے کے لئے آئے۔ ارباب صاحب بھی جناب حاجی صاحب سے ایک مسئلہ پر الجھ گئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ارباب صاحب ابھی آپ کو نماز پڑھنی نہیں آتی اور آپ فقیروں سے الجھ رہے ہیں، ارباب صاحب نے کہا آپ ہی نماز پڑھا دیجئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا اٹھ اور دو رکعت نفل کے لئے کھڑا ہو جا، ارباب صاحب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب نماز پڑھ کرے ہوئے اور ادھر حاجی صاحب منہ بچیب مراقبہ ہو گئے۔ ارباب صاحب کی نماز کے دوران ہی کیفیت بدل گئی اور گریہ طاری ہو گیا۔ بیعت کر کے حاجی صاحب کے ہو رہے۔ یہ رونا اُس وقت سے آپ پر اتنا غالب ہوا کہ عشق رسولؐ میں مرتے وقت تک روتے رہے اور بقول ملک ابرار حسین صاحب ارباب صاحب فرماتے کہ حاجی صاحب کی توجیہ کاملہ اور نظر عنایت سے روزانہ صبح نماز سے پہلے حضورؐ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضورؐ غوثِ انجم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔“

آپ کے مریدین صوبہ سرحد، آزاد قبائل، مغربی اور مشرقی پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ رتبہ مسنت اور صاحبِ حال ہیں۔ اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت اور عشق رکھتے ہیں۔ آپ اپنے مریدین کی تکمیل ایک برس میں کرتے تھے۔ آپ کے ۲۵ کے قریب خلفاء ہوں گے۔ ان میں سے اکثر نے سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت ترویج کی۔ اُس وقت آپ کا اپنا بیٹا جناب عبداللہ خان صاحب جو کہ آپ سے بیعت ہوا

اور خلیفہ تیسرا ملا صاحب سے خلافت حاصل کر کے اپنے آبائی سلسلہ کو فروغ دے رہا ہے  
 مالک ابراہیم حسین، ملا صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کی خدمت میں  
 حاضر ہوا تو میں علمی طور پر توجید باری اور دیگر مسائل عظم کلام میں بہت الجھا ہوا تھا۔ میں نے  
 عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی توجید پر کوئی دلیل ہو تو فرماویں۔ آپ نے نہایت ہی سادگی سے  
 فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ماننا چاہیے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میں ذہنی اور علمی  
 طور پر ان مسائل میں الجھا ہوا ہوں، اور یہ عقیدہ مدلل طور پر حل کیجئے۔ میری طرف نظر  
 اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اچھا تمہیں دلیل مل جائے گی۔ اس گفتگو کے بعد ایسا ہوا کہ جس وقت  
 بھی کوئی ایسا سوال میرے ذہن و قلب میں پیدا ہوتا تو میں محسوس کرتا کہ ایک شخص  
 میرے شانے کے قریب کھڑا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور میری اس  
 تقریر سے تسلی ہو جاتی، تمام شکوک زائل ہو جاتے اور میں مطمئن ہو جاتا۔ اور یہ معاملہ چھ ماہ  
 تک ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اب بالکل مطمئن ہوں۔

وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۹۴۹ء میں ہوئی۔

۱۔ تیسرا ملا صاحب، حاجی صاحب کا خلیفہ ہے اور لاہور میں امام مسجد ہے۔ بہت ہی برگزیدہ صاحب

اور صاف حمیدہ اور صلاحیت کا مالک ہے۔

# جناب فقیر خدام بخش صاحب شاہی

۱۲۷۵ھ تا ۱۳۶۵ھ

آپ کا اسم شریف خدام بخش صاحب، والد کا نام میاں عبدالغفار صاحب اور فقیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ آنکھوں سے معذور تھے۔

آپ کے والد میاں عبدالغفور صاحب کو چنگل بادشاہ جی صاحب علاقہ بہانگیر پورہ پشاور کے رہنے والے تھے، اور مشہور و معروف چہرہ کے سوداگر تھے۔

بقول جناب پیر بخش خان صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ابتدائی عمر سے ہی عشق

۱۔ مصباح التالکین ص ۲۵، مصباح التالکین آنجناب نے چھوٹے سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک سالہ فقیر صاحب کے حالات میں قلمبند کیا ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ چار اجزا پر مشتمل ہے۔ جز اول میں پیغام اسلام تعریف، آسمانی حقیقت نوح، نظریہ توحید اور مقام انسانیت، روح انسانی کے مدارج یعنی نفس مارہ، لواہ اور مطہنہ پر بحث کی گئی ہے۔

جز دوم میں فقیر صاحب کی مختصر سوانح عمری ہے۔

جز سوم میں ختم شریف احوال، دعائیں اور شجرہ شریف ہے۔



الہی کا جذبہ آپ کو ودیعت ہو چکا تھا، جس کے آثار بچپن ہی میں نمودار تھے۔

آپ تلاش معرفت الہی میں خوب پھرے اور جس جگہ بھی کسی فقیر و ریش اور اللہ والے کا پتہ چلا وہاں پہنچے، اور کسب فیض کیا۔ بالآخر کامیاب و کامگار ہوئے۔

صاحب مصباح السائلین لکھتے ہیں ”عہد شباب میں وہ فقر اور اسباب اللہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ دیوبند کا روبرو سے رغبت قطعاً نہ تھی۔ چنانچہ انھوں نے ہر جگہ سے قلبی فیض حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔“

آپ سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں جناب حضرت عباس علی شاہ صاحب نوشاہی کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور صاحب مجاز ہو کر سلسلہ کی اشاعت ترویج میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے مُرشد نے آپ کا نام غلام علی شاہ رکھا تھا۔

ساری زندگی زہد و ریاضت، عبادت خداوندی اور ذکر الہی میں بسر کی۔ اپنے طریقہ کے معمولات اور وظائف کے انتہائی پابند تھے، اور جو کچھ خود کرتے اسی کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کے مُریبین اور عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ دُور دُور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے اور اور آپ کی توجہ کاملہ سے استفادہ حاصل کرتے۔ جناب پیر بخش خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈوکیٹ لکھتے ہیں۔

”شب و روز ذکر الہی میں مصروف رہتے۔ آپ کے ارد گرد ہمیشہ طالبان حق کا مجمع جمع رہتا تھا اور ان کو احکام خداوندی کی پابندی کی تلقین کرتے ہوئے قلوب کو آلائش سے پاک رکھنے کی ہدایت کرتے۔ آپ کے مُریبان خاص کا حلقہ صرف پشاور شہر یا اس کے مضافات تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ دُور دراز مقامات تک کے لوگ

ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ قرآنی احکام اور سنت کے مطابق توجیہ و نصیحت کی تبلیغ فرماتے تھے۔ سختی کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے اور کرواتے تھے۔ آپ کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔“

رضائے خداوندی، زندگی کے آلام و مصائب پر صبر و استقامت، خوفِ الہی سے قلب پر خشیت کا عالم طاری، بلند خیالی اور عزتِ نفس پر حد درجہ مہذب ہر کام پر انتہائی محنت اور کوشش کرنے والے تھے۔

آپ کی زندگی کا نقشہ صاحبِ مصباح السالکین نے بہت ہی عمدہ الفاظ میں کھینچا ہے۔ منہ پر لکھتے ہیں: ”صاحبِ حال تھے، قلب جاری رکھتے تھے، اور صاحبِ توجہ تھے۔ ہمیشہ یہ افسوس کرتے تھے، کہ کاش صرف نوجوان جواں پاکیزہ سیرت میسر ہو جائیں جو مجھ سے صرف ذاتِ خداوندی کے طالب ہوں تاکہ میں ان کو پوری روحانی توجہ سے صاحبِ حال بنا دوں، اپنی تمام عمر انتہائی صبر، استقلال اور پامروئی کے ساتھ گزری۔ غایت درجہ خوددار اور غمخور تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت ان کا نصب العین تھا۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ تمام زندگی یاوہ الہی میں گزری اور عشقِ الہی میں تڑپ تڑپ کر آخر اپنی جان اس جہانِ آفریں کے حوالے کر دی۔“

آپ کا انتقال بروز شنبہ بتاریخ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ اگست

۱۹۴۶ء بوقت قریب ظہر ہوا، دوسرے روز انھیں میرے باغ نزد وزیر باغ میں

دفن کیا گیا۔“

مفتی سرحد حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب پوپلزی علیہ السلام

۱۲۸۴ھ تا ۱۳۲۸ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالحکیم لقب مفتی سرحد اور تیس العلماء تھا۔ پوپلزی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد محترم میاں حافظ محمد امین صاحب حافظ قرآن ہونے کے علاوہ صاحب علم بھی تھے۔ جناب مفتی سرحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ”بسم اللہ شریف“ آپ کے والد صاحب نے خود فرمائی، انہی سے قرآن مجید حفظ کیا، اور تمام ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں علوم متداولہ کو مکمل کر کے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اپنے علم کی بیاس کو لکھنؤ میں خوب سیراب کیا۔ وہاں سے رامپور کے علماء سے استفادہ کرتے ہوئے اجمیر تشریف دارالعلوم معینیہ میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ (آج تک اجمیر تشریف اور وہلی میں آپ مفتی پشاور کے نام سے مشہور ہیں) ہندوستان کے مشہور و معروف پیراؤد بندگان حضرت بہاگیر شاہ صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند جناب اقبال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری آپ ہی کے شاگرد تھے۔ سینکڑوں کی تعداد میں علاقہ غیر پنجاب، ہندوستان اور صوبہ کے علماء آپ کے شاگرد تھے۔

ہندوستان سے واپس تشریف لاکر پشاور شہر میں مدرسہ جٹان دارالعلوم تعلقہ پشاور میں صدر مدرس مقرر کئے گئے۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز تک پھیل گیا۔ اور قرآن حدیث فقہ اور معقول کے امام تسلیم کئے گئے۔ فارغ التحصیل علماء آ کر آپ سے دوبارہ علوم پڑھتے۔ سنت نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا مکمل نمونہ تھے۔ اخلاق حمیدہ و کریمانہ کو آپ کی فات پر ناز تھا۔

اگرچہ آپ کسی سلسلہ میں بیعت نہیں تھے مگر مشائخ کے ساتھ انتہائی اوسب رکھتے۔ اور مشائخ آپ کو انتہائی عزت و تعظیم کے ساتھ پیش آتے۔ شیخ المشائخ حضرت آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری پشاوری اور آپ کے صاحبزادے جناب سیاہ تپاہ آقا سید سعید احمد شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ آپ کی والہانہ محبت و عقیدت تھی اور آقا سید پیر جان صاحب کی تاریخ وفات آپ ہی نے لکھی ہے ہر بکس گیا رھویں شریف کا ابتدائی فاتحہ آقا صاحب مرحوم کے گھر آپ ہی فرمایا کرتے اور یہی طریقہ حضرت مفتی اعظم سرحد مولانا عبدالرحیم صاحب پولپڑی رحمۃ اللہ علیہ تک جاری رہا۔ حضرت محبوب اولیا حضرت فقیر احمد صاحب میٹری سے بھی بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ غرضیکہ اولیا کرام کی محبت و مودت آپ کی طبیعت مبارکہ میں موجزن تھی۔ اور اسی محبت اولیا کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے فرزند غور احمد مفتی اعظم سرحد حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم صاحب پولپڑی کی "بسم اللہ خوانی" حضرت فقیر صاحب میروی رحمۃ اللہ علیہ سے میرہ شریف حاضر ہو کر کروائی۔

جس طرح آپ کی شخصیت علماء فقراء اور مشائخ کے ہاں قابل احترام و قابل عزت تھی۔ اسی طرح صاحبان سیاست میں بھی آپ ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ تحریک خلافت

میں آپ نے عملی طور پر حصہ لیا اور آپ کو صوبہ سرحد کی خلافت کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ جب آپ صدر منتخب ہو گئے تو صوبہ سرحد اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور مشائخ نے آپ کو مفتی اعظم سرحد کا عظیم اعزاز دیا۔ پشاور کی مرکزی جامع مسجد، مسجد قاسم علی خان کی امامت اور خطابت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ آپ نے اپنی عزیز زندگی دین اسلام کی سر بلندی، اشاعتِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اعلاۃ کلمۃ اللہ کے لئے وقف کر دی تھی۔ پشاور شہر کے معتز ترین فرد اور ٹھیکیدار جناب غلام صدیقی صاحب (جو جامع مسجد قاسم علی خان مرحوم کے متولی تھے) کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کشتی لے گئے اور حرمین الشریفین کی زیارت سے مُشرف ہوئے۔

آپ مسائلِ دینیہ کے بیان کرنے کے وقت کسی جابر سے جابرِ حاکم کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، اور جو شخص بھی شریعتِ اسلامیہ کی مخالفت کرتا۔ اسی وقت اُس کو روکتے اور منع فرماتے۔ ایک بار انگریز ڈپٹی کمشنر کے سامنے آپ نے مسئلہ جہادِ انتہائی دلیری اور شجاعت کے ساتھ بیان کیا جس پر وہ سبخ پا کا باب ہو گیا، مگر تمام عوام نے آپ کا ساتھ دیا تو وہ اپنی سازشوں اور چالوں میں جو وہ آپ کے خلاف کرتا تھا ناکام و نامراد ہوا۔ چونکہ آپ مفتی اعظم تھے اس لئے روزہ آپ کے ارشاد پر رکھا جاتا۔ عید آپ کے حکم پر کی جاتی، اور ہر شرعی مسئلہ پر آپ کا ارشاد و حکم نافذ سمجھا جاتا۔

جناب مولانا صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی کوہاٹ میں مولوی عبدالمحکم صاحب کی ہمیشہ سے کی۔ یہ شادی ہندوستان جانے سے پہلے کی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام میاں عبدالرشید رکھا گیا۔ یہ صاحبِ جزا و اپنے ماموں صاحب کے ہاں رہا۔ اس کی پرورش وہیں ہوئی اور جوانی کے عالم میں ہی انتقال کر گیا۔

آپ کی دوسری شادی جس وقت آپ دیوبند سے لکھنؤ پہنچے تو آپ کے اخلاق  
کریماۃ اور اعلیٰ علم کی قابلیت سے متاثر ہو کر مولینا عبد الحمید صاحب کابلی نے اپنی لڑکی  
آپ کے حوالہ عقید میں دی۔

یہ بیوی صاحبہ نہایت متقیہ، پابندِ صوم و صلاۃ اور قرآنِ خوان تھیں۔ یہ بیوی صاحبہ  
گاؤ پخانہ میں اپنے گھر قرآن مجید کا درس فرماتیں۔ بلکہ حفظ بھی کروائیں۔ ہزاروں عورتوں  
اور بچوں نے آپ سے قرآن مجید حفظ بھی کیا اور ناظرہ بھی پڑھا۔

اس نیک بخت اور بزرگ بیوی رحمتہ اللہ علیہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو  
چار صاحبزادے عطا فرمائے اور تین صاحبزادیاں۔ ایک صاحبزادی حضرت علامہ اجل  
محدثِ اعظم حضرت مولینا مولوی گل فقیر احمد صاحب کے حوالہ عقید میں آئی۔

(۱) حضرت مفتی اعظم علامہ دوران حضرت مولینا عبد الرحیم صاحب پوپلزی مرحوم (۲)  
حضرت مولینا مولوی مفتی سرحد عبد القیوم صاحب پوپلزی مدظلہ (۳) میاں عبد البصیر صاحب  
مرحوم (۴) میاں عبد النصیر صاحب مرحوم۔

میاں عبد البصیر صاحب اور میاں عبد النصیر صاحب اٹھتی جوانی کی عمر قرآن مجید حفظ  
کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ (۵) مولینا عبد الرحیم صاحب کے حالات الگ لکھے گئے ہیں۔  
مولینا مولوی مفتی عبد القیوم صاحب نے ابتدائی تعلیم پشاور میں مکمل کر کے دیوبند تشریف  
لے گئے۔ وہاں سے وہ ملی تشریف لے گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے پشاور  
آئے۔ دس تہذیبیں کا سلسلہ جاری رکھا۔ بڑے بھائی حضرت علامہ مولینا مولوی عبد الرحیم  
صاحب کی وفات پر علماء پشاور نے آپ کو ان کا جانشین بنایا، اور آپ مفتی سرحد  
کہلائے۔ مجلس احرار اسلام کی پوری تاریخ میں آپ کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

علم کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی عمر سیاسیات میں گزاری۔ مجلس احرار کو یہاں پر آپ ہی نے قائم کیا اور اسی جماعت سے وابستہ رہے۔ اگرچہ پشاور شہر میں یہ جماعت کامیاب نہ ہوئی، مگر عوام آپ کے خاندانی وقار کا لحاظ اب بھی کرتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد آپ نے کسی سیاسی جماعت میں عملاً حصہ نہیں لیا۔ مارشل لا میں نظام العلماء دیوبند کی مجلس کے آپ سرپرست رہے۔ پشاور شہر میں اس تنظیم کے قیام پر آپ نے انتہائی محنت و خلوص اور انتھاک کوشش کی۔ مارشل لا کے ختم ہونے کے بعد دوبارہ جمعیتہ العلماء اسلام کا حیا کیا اور اس کی تنظیم میں کوشاں ہیں۔ آپ نے مسلم لیگی سیاست سے کبھی بھی اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے بہت دفعہ انگریزوں کے خلاف قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ہیں، اور پاکستان کے دور میں بھی قادیانوں کے خلاف مردان میں تقریر کی بنا پر ایک سال قید گزاری، اور اس وقت جب کہ ڈاڑھی سفید ہو چکی ہے۔ مگر خطابت اسی طرح دلیرانہ، اور جوان ہے۔ انتہائی مندر عالم ہیں حکومت کو نہایت ہی حق گوئی کے ساتھ ان کی بُرائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ مسلم لیگ والوں نے حکومت کے دوران آپ کو مفتی محمد کے اعزاز سے ہٹانے کی کوشش کی، مگر عوام میں آپ اسی طرح مفتی محمد کے لقب سے موسوم ہیں۔ محکمہ اوقاف نے آپ کو عید گاہ کی خطابت سے الگ کر دیا ہے نیز مسجد قاسم علی خان سے بھی ظلم و ستم کے ساتھ الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کے آگے وہ ناکامیاب ہوئے۔ غرضیکہ مولانا صاحب کی زندگی مسلسل مُصیبتوں، صعوبتوں اور جدوجہد کی زندگی ہے۔

حضرت مولانا مولوی مفتی اعظم عبدالحکیم صاحب نے (۱۳۴۳ھ) وفات پائی

# حضرت میر آغا (آغوں) جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بی

۱۲۸۴ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اصغر صاحب المعروف میر آغا جان، والد کا نام سید میر اکبر صاحب ہے۔ حضورِ نبوت الاعلیٰ سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔

آپ کے جدِ اعلیٰ کا مزار خاص شہر کابل میں گذر شہیدان پر ”شاہ شہید“ کے نام سے مزین عوام و خواص ہے۔ ”شاہ شہید“ بغداد شریف سے کابل تشریف لائے تھے۔

جناب سید میر اکبر شاہ صاحب بلند پایہ عالم اور صاحب اثر و جاہت تھے۔ تمام افغانستان کے لوگ آپ کے زہد و عبادت اور سیادت کی وجہ سے انتہائی احترام کرتے۔ آپ کا سلسلہ مبارک آبائی قادریہ تھا۔ آپ کا خصوصی شعل تہجد کی غاز سے لے کر صبح کی نماز تک ذکرِ جہر کرنا تھا۔

جناب حضرت میر آغا (آغوں) جان صاحب کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جناب میر آغا جان صاحب کی پرورش آپ کے بڑے بھائی جناب سید میر احمد شاہ صاحب اور والدہ ماجدہ نے کی۔ آپ کی پرورش و تربیت بطریق احسن کی گئی۔ چونکہ آپ کے ماموں اور بھائی قالیں اور قرقلی کے پوست کی تجارت کرتے تھے۔



اس لئے انھوں نے آپ کو بھی (جبکہ آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تھی) اپنی تجارت میں شامل کر لیا۔ جس وقت آپ نے تجارت شروع کی تو اس وقت عمر بیس برس کی تھی آپ کی تجارت بہت ہی وسیع پیمانہ پر تھی۔ کابل مرکز تھا۔ پشاور، وہلی، کلکتہ، بمبئی اور کوسٹہ میں شاخیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ اکثر پشاور اور وہلی میں رہتے۔

پشاور میں قالین اور پوست کا ایک مشہور دلال تھا جس کا نام اویس قندھاری تھا۔ یہ دلال آپ کا کام بھی کرتا تھا۔ بزرگان کرام کی باتوں باتوں میں اُس نے آپ سے حافظ عبد الغفور صاحب نقشبندی پشاوری کا تذکرہ کیا۔ آپ اس کے ساتھ حضرت حافظ صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ کا حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق اور رابطہ قائم ہوا کہ وفات تک بلکہ وفات کے بعد تک بھی نہ ٹوٹا آپ نے پہلے تو اس تعلق کا کافی عرصہ تک کسی سے بھی اظہار نہیں کیا۔ خود فرماتے تھے میں دس برس تک روزانہ حضرت حافظ صاحب کے مزار پر حاضر ہوا۔ مگر میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ اور جب اپنے اس تعلق کا اظہار کیا تو وہ بھی ایک خاص واقعہ کی بنا پر۔ آپ فرماتے تھے کہ ”میں سامان تجارت لے کر ہندوستان جا رہا تھا کاشمیر میں میرٹھ کے ریلوے اسٹیشن پر ایک انگریز سے ملاقات ہو گئی۔ اُس انگریز نے کہا کہ اگر کابل کا کوئی ٹکٹ ہو تو مجھے دے دیجئے، اتفاقاً اُس وقت میرے پاس کوئی ایک سو ٹکٹ تھا اور یہ ٹکٹ ہم لوگوں کو کسٹم سے ملا کرتے تھے ہم لوگ ہر ہنڈل پر یہ ٹکٹ لگانے جس سے پتہ چلتا کہ اس مال پر کسٹم ادا ہو چکا ہے، اور یہ ٹکٹ عموماً تاجر لوگ بجائے ہنڈل پر چسپاں کرنے کے اپنے پاس ہی رکھتے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے وہ ٹکٹ اس انگریز کو دے دیئے۔ اُس انگریز نے کہا کہ اس قسم کے دو ہزار ٹکٹ مجھے منگوا دیں۔“ آپ نے

اپنے بھائی کو وہلی پہنچ کر خط لکھا کہ یہ کسٹم والے ۲ ہزار ٹکٹ متیا کر کے ایک لکڑی کے ڈبہ میں مجھے بھیج دو۔ فرماتے تھے کہ ”وہلی میں میں نے رات کو واقعہ میں دیکھا کہ امیر عبدالرحمان والی کابل میرے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو میری حکومت کے ٹکٹ فروخت کرتا ہے، کیا کروں کہ حافظ عبدالغفور صاحب پشاوری نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے ورنہ میں تجھے اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔“ فرماتے تھے کہ جب صبح ہوئی تو میں بہت پریشان اور مشتوش تھا۔ دوسرے دن کابل کے تاجر سامان نجار لے کر پیچھے تو پتہ چلا کہ آپ کے سامان میں ایک لکڑی کے ڈبہ سے ٹکٹ برآمد ہوئے اور کسٹم والوں نے سامان لانے والے کو گرفتار کر لیا ہے۔ چند دن میں آپ کے بھائی کا خط بھی آپ کو ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمہاری وجہ سے والی کابل امیر حبیب خان صاحب کے سامنے ہمیں پیش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے ہمیں تو بڑا بھلا کر کھپوڑ دیا ہے، مگر تم کونہ چھوڑے گا۔“ آپ اسی پریشانی اور تشویش میں پشاور تشریف لائے۔ آپ روزانہ بدستور حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کے مزار پر حاضری دیتے۔ یہاں تک کہ اس فکر مندی میں چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ ”ایک بہت ہی بے صبری اور پریشانی کے عالم میں مزار پر بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت حافظ صاحب نے مجھے فرمایا۔

”پریشان نہ ہو، شیر کی طرح کابل جا، اور شیر کی طرح واپس آ۔ تیرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔“

آپ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس روپے پر ایک گھوڑا خریدا، بیس روپے پر زین خریدی اور دوسرے دن کابل روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنے گھر پہنچا، تو گھر میں ایک کھرام بچہ ہو گیا کہ حکومت آپ کو گرفتار کرے گی اور بہت سخت سزا دے گی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ

”آپ لوگ نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے گا۔“

چنانچہ آپ کابل میں رہے، والی کابل سے کئی بار ملے۔ مگر کسی نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

۱۹۱۱ء میں آپ کا ایک نوجوان عالم و فاضل فرزند سید میر جعفر صاحب و دون بیمارہ کر انتقال کر گئے۔ اُس وقت آپ بڑے تاجر تھے۔ اور تقریباً مین لاکھ روپیہ آپ کے پاس تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے خیال آیا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو میری ساری دولت خرچ ہو جائے۔ مگر میرا یہ پیارا بیٹا دوبارہ زندہ ہو جائے۔ مگر ایسا ناممکن تھا۔ بس اس خیال نے آپ کی زندگی کا ورق اُلٹ دیا۔ آپ نے جس جس شخص کا حساب دینا تھا۔ اُسے بلا کر ادا کر دیا۔ اور جس سے لینا تھا اُسے بخش دیا۔ باقی جتنی دولت تھی راہِ خدا میں بانٹ کر درویشی و قناعت کی راہ اختیار کر لی۔

آپ نے فرمایا کہ ”ایک دن میں حافظ صاحب کے مزار پر مراقب تھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا، کہ جو شخص بھی (یعنی عالم ہو، زاہد ہو، فقیر و درویش ہو) اگرچہ اویسی ہی کیوں نہ ہو، اُس کو ظاہری بیعت ضرور کرنی چاہیے۔ لہذا تم لاہور جا کر حضرت میر جان صاحب نقشبندی کی بیعت کرو۔“ آپ لاہور میں حضرت میر جان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت میر جان صاحب بیعت کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اور قطعاً عام طور پر مزید نہیں کرتے تھے، مگر جب آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنے کے حضرت میر جان صاحب نے آپ کو فرمایا۔ ”اگرچہ میں کسی

لے حضرت میر جان صاحب، میان محمد منظر صاحب مجددی کے بیعت تھے۔ آپ کا ہزار حضرت ایشاں کے مقبرہ لاہور میں واقع ہے۔

کو فرید نہیں کرتا مگر آپ کو حضرت بابا جی صاحب (حافظ عبد الغفور صاحب) نے میرے پاس بھیجا ہے اس لئے مجھے مجال انکار نہیں۔ اور آپ کو بیعت کر لیا۔

آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تین برس تک رہے، اور خدمت شیخ میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ تکمیل سلوک کے بعد آپ کے شیخ نے آپ کو معنعن کر کے صاحب مجاز بنا کر خلافت سے نوازا، آپ جب مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے تو اپنی زندگی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی، نہ بد و عبادت اور ذکر الہی میں اپنے تمام اوقات کو صرف کرتے۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام میں بسر کرتے تمام زندگی اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذاری اور آپ کا یہ اتباع اہل کمال تک پہنچ چکا تھا کہ آپ نے بسکٹ تک نہیں کھایا اس لئے کہ یہ بسکٹ فریگیوں کے تہج میں بنا اور کھایا گیا۔ جو شخص بھی تہج سنت ہوتا وہ آپ کو بہت ہی محبوب اور پسند ہوتا، اور جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند نہ ہوتا اس شخص کو آپ بہت ہی ناپسند فرماتے۔ اگرچہ بڑے سے بڑا حکمران یا بڑے سے بڑا تاجر ہی کیوں نہ ہوتا۔

بچپن سے لے کر وفات تک آپ نے تہجد کی نماز قضا نہیں کی، ختم خواجگان اور اپنے اور باقاعدہ پابندی کے ساتھ روزانہ پڑھتے کرتے۔ صبح کی نماز کے بعد مراقبہ کرتے۔ تہجد کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک ذکر چہر میں مصروف رہتے۔

آپ اپنے حالات و واقعات کو بہت ہی رازداری سے رکھتے، اور کمال رعبے کا ہیکل بننا۔ تواضع تو آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کا اٹھنا اس حد تک تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق سے زیادہ محبت کرنے اور ان

کے ساتھ اخلاص کرتے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کی خدمت کرتے۔ اور اسی کی وصیت کرتے۔ اہل دنیا سے بہت نفرت کرتے۔ سادات، علماء اور علماء کی عزت و احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔

آپ نے بیعت میں بہت تھوڑے افراد کو داخل کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ استعداد اور اہلیت کو دیکھ کر مُرید کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”اس فقیر نے تو اپنے شیخ کے لئے زندگی وقف کی ہے۔ جو مُرید ہوتا ہے کم از کم پانچ برس تو شیخ کی صحبت میں گزارے۔“ بہر حال آپ صاحبِ استعداد اور اہلیت والے افراد کو بیعت فرماتے۔ آپ کی صحبت میں سادات، علماء، صلحا اور عابد حضرات آتے۔ آپ ہر ایک کے ساتھ اس کے منصب اور حیثیت و مقام کے مطابق گفتگو کرتے، اور پوری پوری توجہ کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ پیش آتے۔ طلباء اور علماء کی ہر ممکن خدمت کرتے۔ آپ کا کابل سے ہجرت کر کے پشاور آنا بھی دینی جمیعت پر مبنی تھا۔ امیر امان اللہ خان والی کابل جب یوڈپ سے دورہ کر کے واپس کابل پہنچے تو انھوں نے باغ حنفوی (کابل) میں تمام حکمران، اُمراء، علماء اور سادات کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ دورانِ تقریر میں والی کابل نے کہا۔ ”کہ حضور بھی ایک معلم تھے، انھوں نے بھی قوم کو ایک آئین دیا تھا میں بھی حیثیت بادشاہ کے معلم ہوں۔ میں اب اپنا آئین بنا کر قوم کو دیتا ہوں دین اسلام کی اب ان باتوں کو چھوڑ دو یہ بُرائی ہو گئی ہیں۔“ آپ اس جلسہ سے اٹھ کر چلے آئے۔ یمن دن تک آپ کو آرام نہیں آیا۔ تیسرے دن آپ نے کابل سے ہجرت کی اور پشاور تشریف لے آئے، اور تمام زندگی یک سوره کر عبادتِ اللہ میں حضرت حافظ عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گزار دی۔ اگرچہ امار کابل نے

اکثر اوقات آپ کو کابل آنے کی دعوت دی، یہاں تک کہ سرور ہاشم خاں مرحوم نے خود آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب آپ تشریف لے آویں۔ مگر آپ یہی فرمایا کہ ”حافظ صاحب جب اجازت دیں گے تو کابل جاؤں گا“

پشاور شہر میں بھی آپ نے اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارا، فیاضی اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے صرف کر دیتے۔ اگر کوئی حاجت مندی یا سائل آتا اور آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اوڈھے ہوئے کپڑے اس کو دے دیتے، مگر ضرورت مند کو خالی جانے نہ دیتے۔

آپ روزانہ حضرت حافظ عبد الغفور صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر ختم خواجگان کرتے۔ پشاور میں مختلف علاقوں میں آپ سب سے ہیں اور آخر کار بیرون نیا دروازہ قیام کیا۔ ہر سال ۱۵ شعبان کو حافظ صاحب کا شاندار اہتمام کے ساتھ عرس کرتے۔ آپ کثیر الکرامات تھے۔ مگر اپنا حال کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ نہایت عاجزی کرتے اور عاجزی کرنے کی نصیحت بھی فرماتے۔

آپ کی وفات بجم ۸۵ برس بروز بدھ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ میں ہوئی اور چھاؤنی میں حافظ عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی کے پہلو میں اس آفتاب ولایت کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کے دو فرزند ہیں دونوں صاحبِ خلاق حمیدہ اور اوصاف پاکیزہ ہیں اپنے والد کی طرح کیسوی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ذکر و فکر میں مصروف ہیں۔ بڑے کا اسم گرامی سید غلام محمد المعروف آغا گل صاحب اور چھوٹے کا اسم گرامی سید غلام ستانی المعروف گل آغا جان ہیں۔ دونوں حضرت نور المشائخ صاحب کابلی مرحوم کے مرید ہیں اور تکمیل سلوک کر چکے ہیں۔

# حضرت مولانا سید عیوب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۹۳ھ تا ۱۳۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی سید عیوب شاہ صاحب، والد کا اسم گرامی حضرت مولانا سید اکبر شاہ صاحب، اور لقب مفتی و ڈسٹرکٹ خطیب تھا۔ آپ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ علم و سیاست کا مرکز تھا، آپ کے والد کوہاٹ (جو کہ پشاور ڈویژن کے ایک ضلع کا شہر ہے) کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے والد سید علی شاہ سے اجازت لے کر حصول علم کے لئے گھر سے نکلے، اور ہندوستان تشریف لے گئے۔ مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی اور پھر پشاور تشریف لائے۔

پشاور میں حضرت علامہ شارح صحیح البخاری حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب اور جناب مولانا مولوی مفتی محمد احسن صاحب ساکن کوٹلہ رشید خان سے علوم متداولہ پڑھا، نیز کافی وقت بحر العلوم حضرت حافظ محمد عظیم صاحب المشہور گنج والے حافظ جی صاحب کی خدمت میں رہ کر مستند علم و افتخار پر جلوہ افروز ہوئے۔ تقریباً چالیس برس تک علم و معرفت کا درس پشاور میں دیا۔ آپ کے کتب خانے میں علم معقول و منقول کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس پر آپ کا تحریر کردہ حاشیہ موجود نہ ہو، پشاور شہر

کا ہر فرد علمی مسئلہ کی دریافت کے وقت آپ کی طرف رجوع کرتا اور اسی لئے ہر شخص کے دل میں آپ کی انتہائی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ اپنے وقت کے مفتی اعظم تھے۔ آپ نے علم کی خدمت کے ساتھ تصوف کی خدمت بھی کی۔ تصوف کی کتابوں کا درس دینے، مثنوی، لوائح جامی، کتاب اللعۃ، منطق الطیر، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی، پڑھانے تھے، گویا آپ کی ذات میں علم و معرفت کا اجتماع تھا۔ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ میں صاحبِ مجاز اور معن تھے۔ اور اسی سلسلہ کی اشاعت کی۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ میری نانی صاحبہ فرماتی تھیں کہ پشاور میں ایک بار بہت سخت وبا پھوٹ پڑی سینکڑوں لوگ روزانہ مرنے لگے، اور لوگ میتوں کو دفن کرنے سے عاجز ہونے لگے جن مشائخ کرام کے ساتھ لوگوں کا تعلق تھا وہ ان حضرات کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ ہمیں بھی اپنے والد تمام گھر والوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دُعا ہوئے۔ آپ جس جگہ عبادت کرتے تھے اس جگہ کھڑے ہو گئے اور اپنا کُرتہ مبارک وامن سے پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا تم سب اس کے نیچے سے گزر جاؤ۔ ہم اس وامن کے نیچے سے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہمیں اس وبار سے محفوظ رکھا۔ آپ بہت ہی بابرکت، متواضع، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاق حمیدہ، اور نہایت ہی مہمان نواز تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۱۲ھ میں ہوئی۔

شیخ حبیب شاہ صاحب آپ کے فرزند ارجمند ہیں، آپ علم و حکمت، سیاست و تدبیر کی گود میں پروان چڑھے، اپنے وقت کے قابل ترین علماء کے آگے زالوئے اوب طرکین اور ممتاز اولیاء سے فراغت حاصل کر کے مسندِ درس وافتا پر متمکن ہوئے۔



علاقہ پشاور اُس وقت عالم معقول کا مرکز تھا۔ آپ نے علماء چھپرے سے علم معقول کی تعلیم کو مکمل کیا۔ فقہ کا مرکز سبوتہ سرحد تھا۔ آپ نے علماء صوبہ سرحد سے فقہ شریف کو مکمل کیا۔ اُس وقت کے فقہ کے امام حضرت شیخ الفقہ حقیقی مولانا صاحب آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ حدیث شریف کی تکمیل پشاور کے مشہور و معروف عالم محدث اعظم جناب مولانا محمد ایوب صاحب خطیب و امام جامع مسجد سنگ مرمر پشاور سے کی۔

صاحب اخلاق جمیدہ، مہمان نواز، علماء اور مشائخ کے انتہائی قدر و ان اور صاحب ہمت و استقلال نڈر عالم تھے۔ نہایت کی وجہ تھے۔ علماء کی مجلس میں ہمیشہ آپ ہی صدر الصدور ہوتے۔ آپ کے فتویٰ پر تمام علماء سرحد تصدیق فرماتے، آپ کی ذات شریف عقائد حقہ اہل سنت و الجماعت کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط و مستحکم فولادی دیوار تھی جو بھی آپ کی زندگی میں ان عقائد سے ٹکرایا ایک بہادر اور شجاع جرنیل کی طرح ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر آپ اُس کے مقابلہ میں آئے اور جس وقت بھی گمراہوں کے اجتماع میں آپ کے آنے کی خبر ہوتی اور آپ پہنچ جاتے تو وہ گمراہ میدان سے بھاگ جاتے۔

جس طرح آپ دین اسلام شریعت محمدی اور فقہ حنفی کی اشاعت میں مستعد تھے۔ اسی طرح سیاست میں بھی آپ نے عملی طور پر ہمت و استقلال کے ساتھ کام کیا۔ سیاسی اعتبار سے آپ کانگریس کے بہت سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کی لگاپنی جمعیت اور جماعت کے حامی تھے۔ اسی لئے آپ نے کانگریس کے ساتھ شمولیت اختیار نہیں کی اور ہمیشہ مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اسی وجہ سے ہمیشہ کانگریسی حضرات نے آپ پر قسم قسم کے اتہامات لگائے۔ یہاں تک کہ آپ کو انگریزوں کا ایجنٹ تک کہا گیا۔ مگر آپ

اینگلینڈ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی سر بلندی اور مسلمانوں کی اپنی  
 جمعیت کے لئے اپنی زندگی بسر کر دی۔ یہ دور ایک خالصاً سیاسی دور تھا۔ خدائی عزت کا  
 تحریک، خاکسار تحریک اور احرار تحریک کی مخالفت کرنا آسان کام نہیں تھا تمام علما  
 یا کانگریسی تھے یا احراری، مگر صرف علماء میں ایک آپ تھے کہ اس وقت بھی آپ نے  
 مسلم لیگ کے مقابلہ میں ہر اس تحریک کی علی الاعلان مخالفت کی جس سے مسلمانوں کی  
 سر بلندی مسلمانوں کی جمعیت کو نقصان پہنچتا تھا۔

جب غازی امان اللہ خاں مرحوم یورپ کی سیاحت پر گئے اور کابل میں خلاف  
 شرع امور رونما ہونے لگے تو آپ نے بھی پشاور میں ان کی شدت کے ساتھ مخالفت  
 کی تھی، اس وقت پشاور کے تمام عوام نے آپ کی بڑی مخالفت کی، مگر آپ اپنی  
 رائے پیجے رہے۔

جس وقت جمعیت العلماء ہند سے الگ ہو کر مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی  
 مولانا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی اور مولانا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی  
 نے جمعیت العلماء اسلام کی بنیاد رکھی تو آپ نے یہاں کے علماء کو جمع کیا اور یہاں  
 پر بھی جمعیت العلماء اسلام بنائی گئی، آپ اس جمعیت کے صوبہ ہند میں پہلے صدر  
 تھے۔ اس جمعیت نے بھی مسلم لیگ کی حمایت میں سیاست میں عملی کام کیا۔  
 پشاور شہر کے سادات کی تنظیم میں آپ بہت ہی دلچسپی لیتے اور ہر وقت آپ  
 کی کوشش ہوتی کہ علم اور سیاست میں سادات پشاور، پشاور کے عوام کی رہبری کریں  
 جب تک آپ زندہ رہے انجمن سادات پشاور کے آپ صدر رہے اور انتہائی  
 گرم جوشی کے ساتھ آپ نے اس انجمن کی خدمت کی۔

۱۹۴۸ء میں جب مسلم لیگ صوبہ سرحد میں برسرِ اقتدار آگئی اور تمام حکومت خان  
عبدالقیوم خان کے ہاتھ آیا اور وہ وزیرِ اعلیٰ مقرر کئے گئے تو ان کے مشورہ کے ساتھ  
وزیرِ تعلیم میاں جعفر شاہ صاحب نے محکمہ اوقاف کو سنبھال کر اس میں اصلاحات کیں  
ان اصلاحات میں ایک یہ سکیم بھی تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کئے جائیں  
اور تمام مذہبی امور میں ان کی طرف رجوع کیا جاوے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کے ہر ایک  
ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کیا گیا۔ پشاور کے ضلع کے لئے جناب مولانا  
مولوی سید جمیب شاہ صاحب کو خطیب مقرر کیا گیا۔ جب آپ کو خطیب مقرر  
کیا گیا تو حکومت کے اس اقدام کو پشاور کے لوگوں نے معمولاً اور سادات نے خصوصاً  
بہت سراہا، اور آپ کو اس کے بعد پشاور کی مرکزی جامع مسجد مہابت خان کی  
خطابت اور عید گاہ کی خطابت بھی سپرد کر دی گئی۔ آپ نے تمام زندگی ان  
ذمہ داریوں کو باحسن و جہ پورا کیا۔

اسی وقت سے آپ پشاور کا مفتی اور خطیبِ اعظم بھی سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ  
اس سے پیشتر بھی علاقہ خلیل مہند اور آفریدیوں کے تمام قبائل آپ ہی سے اپنے  
شرعی فیصلے کروانے تھے۔ مگر اب حکومت پاکستان کی طرف سے بھی آپ ضلع پشاور  
کے خطیب اور مفتی ہو گئے۔

آپ بڑے سخی، جواں ہمت، متواضع، انتہائی مہمان نواز، قدروان، بہترین  
اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے۔ پُر و جھبیہ شکل و عورت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ

لے عید گاہ میں مفتی مولانا مولوی عبدالقیوم صاحب پولہ پڑی کو ہٹا کر محکمہ اوقاف نے آپ کو خطیب مقرر  
کیا۔

کا مکمل نمونہ نظر آتی تھی، فقہہ حنفی کو آپ پر ناز تھا۔ پشاور کا ہر فرد آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی جب آپ کا ذکر ہوتا ہے تو ادب و احترام سے ہوتا ہے۔

۱۳۷۳ء میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے بیٹا آپ میں آپ کا انتقال ہوا، اور پشاور میں آپ اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا مولوی سید مبارک شاہ فاضل دیوبند کو آپ کی جگہ مسند افتا سپرو کی گئی اور جناب جعفر شاہ صاحب کا کاخیل وزیر اوقاف نے آپ کی جگہ مولانا نے موصوف کو ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کرویا۔

# مشائخ الحدیث صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمہ اللہ

۱۳۰۶ھ تا ۱۳۶۶ھ

آپ کا اسم گرامی صاحبزادہ علی احمد جان صاحب، والد کا نام صاحبزادہ محمد عبدالقویہ صاحب، لقب شیخ الحدیث، رئیس لوا عظیمین ہے۔ آپ کا گھر حفظ قرآن اور علم و حکمت کا گھر تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر میں عورتیں بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آپ نے ۱۲ برس کی عمر میں جناب حافظ خان محمد صاحب آسیا والے سے قرآن مجید حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہا من یشاء بچپن ہی میں آپ کو تحصیل علم کا شوق تھا حفظ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو، منطق، اصول فقہ، فقہ اور دیگر کتب حضرت مولانا مولوی سید صاحب سے پڑھ لیں۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی تعلیمی کی خدمت میں حاضر

۱۔ بخیر ملا صاحب پشاور شہر کے قریب جہانہ ماٹرنی کے باہر سکونت پذیر تھے۔ بہت ہی بڑے علامہ تھے معقول و منقول میں اپنا جواب خود تھے۔ آپ کی قبر بھی ڈھیری باغبانوں کے راستہ پر واقع ہے۔

ہوتے اور علوم متداولہ کو ان سے تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدث جلیل مولانا مولوی محمد ایوب صاحب صدر المدرسین مدرسہ جہان  
کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کا مکمل دورہ کیا اور ان سے سند حدیث حاصل  
کی، آپ کی سند حدیث نکی تھی اور مسہمی تھی مثبت امیری سے۔

علوم متداولہ کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ نے فنِ تخریر بھی اس وقت کے  
بالکمال اساتذہ سے سیکھا۔ چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔ اس فن میں  
آپ کے استاد سید گوہر علی شاہ صاحب تھے آپ کے یہ استاد اپنے فن میں یگانہ روزگار تھے۔ گرجا  
پشاور میں جو تخریر ہے وہ بھی آپ کے استاد محترم کا شاہکار ہے۔ درس نظامی کو  
پایہ تکمیل تک پہنچا کر آپ نے، اریس کی عمر میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔  
آپ نے ملازمت اختیار کی ہوئی تھی، یعنی آپ محافظ دفتر تھے اور اگر ملازمت  
کے سلسلہ میں کہیں باہر بھی تشریف لے گئے تو باقاعدہ درس تدریس و عطا و نصیحت  
جاری رہتا۔ ایک بار آپ کی تبدیلی شب قدر ہو گئی تو وہاں پر بھی شب قدر کی مسجد  
میں درس قرآن جاری کیا۔ جمعہ کی نماز میں وعظ ارشاد فرماتے اور جب تک پشاور  
میں رہتے تا آخری دم تک ضلع کچہری کے خطیب تھے۔ باوجود ملازمت میں ہونے  
کے کبھی بھی آپ حق گوئی سے باز نہ آئے۔ افسران اور حکومت کو ہمیشہ علی الاعلان  
ٹوکتے۔ بلکہ آپ کی اس سچائی پر آپ کے مکان کی تلاشی بھی لی گئی آپ سے  
جواب طلبیاں بھی کی گئیں، مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

شدھی سنگھٹن تحریک کے خلاف آپ نے حضرت امیر شریعت پیر جماعت علی  
شاہ صاحب کے ہمارے تمام ہندوستان کا سفر کیا، اور ہر مقام پر ہزار ہا مخلوق کو وعظ

نصیحت فرمائی۔ تقریباً پانچ ماہ یہ سفر جاری رہا۔ آپ کی اس انتھک مساعی اور پُراثر  
 مواعظ کو دیکھ کر آپ کو رئیس الواعظین کا لقب حضرت امیر شریعت نے عطا فرمایا۔  
 بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ یعنی امیر شریعت کے ہمراہ تقریباً پچاس کے قریب  
 علماء تھے جو وعظ بیان کرتے۔ مگر جناب صاحبزادہ صاحب کے وعظ کا اتنا اثر  
 ہوتا کہ ہر جگہ آپ ہی ان واعظین کے پیشرو ہوتے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ  
 آپ کے وعظ کے دوران ہر طرف شوق و ذوق میں لوگ نعرہ ہاتے ”اللہ ہو“  
 بلند کرتے اور لوگوں پر اتنی رقت ہوتی کہ بے ہوش ہو جاتے۔ غرضیکہ آپ نے  
 شدھی سنگھٹن تحریک کی نہایت ہی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ اور آپ کا  
 یہ سفر بہت ہی کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین اسلام کے منصوبوں کو  
 خائب و خاسر کیا۔ آپ حقیقی طور پر پشاور شہر میں عقائد اہل سنت و جماعت کے  
 داعی تھے۔ آپ کے مزاج میں ہی نہیں بلکہ آپ کی رگ و پے میں حضور نور محمد سید  
 کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی۔ اور بے احترام  
 کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی داسم گرامی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ  
 حضور کے صفاتی اسماء بیس بیس تک لے کر حضور کا ذکر فرماتے، اور جب سید پاک  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں منہمک ہوتے تو آپ پر ایک وجدانی  
 کیفیت طاری ہوتی اور اس کیفیت کا اثر سامعین پر بھی ہوتا۔

آپ نے اپنے گھر کے سامنے مسجد شریف میں ”مدرسہ تعلیم القرآن و الحدیث حنفیہ“  
 قائم کر رکھا تھا جس سے لے کر عشاء تک آپ بنفس نفیس اس وراہ علوم میں درس دیتے  
 عصر سے لے کر مغرب تک حدیث شریف کا اور مغرب سے عشاء تک قرآن مجید

کا درس ہوتا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر آپ اپنی آبائی مسجد طھیری باغباناں تشریف لے جاتے، صبح کی نماز وہاں ادا کرتے۔

پشاور شہر کا بچہ بچہ آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ آپ متواضع، ملنسار، منکسر المزاج، صاحب اخلاق حمیدہ، اور انتہائی مہمان نواز تھے۔ آپ کے درس میں علماء، صلحاء، اُمراء اور غرباء غرضیکہ ہر قسم کے لوگ آکر فیض حاصل کرتے۔ خلافت کی تحریک میں بھی آپ نے جناب حضرت مولانا مولوی سید مقبول شاہ صاحب کے ہمراہ خوب تن دہی سے حصہ لیا اور پھر ہجرت کی تحریک میں خود غرض لوگوں کی وجہ سے آپ بد دل ہو گئے اور عملی طور پر سیاست سے یکسوئی اختیار کر کے صرف اور صرف دینی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ کے درس میں خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خان صاحب، خان بہادر نقشبند خان صاحب، حضرت آقا سید چمنی بادشاہ صاحب، جناب مولانا مولوی حافظ عبد الحمید صاحب پروفیسر عبید الرحمن صاحب، جناب نصیر الدین صاحب پی۔ اے ڈاکٹر محکمہ تعلیم، جناب عبدالرشید صاحب ارشد، چیف انجینئر ٹیلیفون، جناب مشتاق احمد صاحب صدیقی بی۔ اے۔ حافظ تاج محمد صاحب، جناب غلام سرور صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ کیمپولر، وغیرہ وغیرہ شامل ہوئے اور قرآن و حدیث سے واقفیت حاصل کیا۔ آپ کے درس کی برکت ہے کہ اب تک آپ کے شاگردوں میں تبلیغ دین اور اشاعت قرآن و سنت کا جذبہ اور لگن موجود ہے۔ جو بھی جہاں ہے حسب المقدر دین محمدی کی خدمت کرتا ہے۔

پشاور شہر میں مجلس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کی



ذات ستودہ صفات پیش پیش تھی۔ جب اس مجلس پیراہل حدیث حضرات کا غلبہ ہوا تو آپ نے شاہی مہمان خانہ میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اجتماع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف پر تقریر کر کے اس مجلس سے علیحدگی اختیار کی، اور پھر مجلس میلاد کے اہتمام میلاد شریف کے موقعہ پر جلوس کا اہتمام کروایا۔ پہلا جلوس ۱۳۲۲ھ میں اس فقیر کے زیر اہتمام یکہ توت سے نکلا جو رات کے نو بجے آپ کے دولت کردہ پر ختم ہوا اور پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہوا۔ یہ آپ ہی کے جذبہ عبادت کی برکت ہے کہ آج پشاور میں ہر ایک محلہ اور کوچہ میں میلاد شریف منائی جا رہی ہے۔ اس کی بنیاد آپ ہی رکھنے والے ہیں۔ بلکہ اب تو زیچ الاول شریف کا تمام مہینہ میلاد شریف کے جلسوں میں گزر جاتا ہے۔

آپ نے صرف درس و تدریس مواظب کے ذریعہ ہی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ تحریر کے ذریعہ بھی دین حق کی اشاعت کی۔ آپ نے پشاور شہر میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کے ذریعہ اسلام کے بنیادی احکام عوام تک پہنچائے چنانچہ آپ نے احکام شب بارات، فضیلت رمضان، سراج المشکوٰۃ فی مسائل الزکوٰۃ رسائل لکھ کر شائع کئے۔ سراج المشکوٰۃ کا بنگالی زبان میں آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے ترجمہ کروا کے بھی شائع کیا۔

حدیث شریف کے درس کے دوران میں اصول حدیث پر حضرت شاہ محمد غوث صاحب قادری کا رسالہ اصول حدیث آپ نے شامل درس فرمایا تھا۔ اس کا ترجمہ نہایت ہی اعلیٰ فرمایا۔ انشاء اللہ وہ یہ فقیر بہت جلد شائع کر دے گا۔ آپ نے قرآن پاک کا حاشیہ بھی تحریر کرنا شروع کیا تھا، مگر پورا نہ ہو سکا۔

آپ کو جو بھی استفہار آتا اس پر فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرماتے  
واقعہ یہ ہے کہ آپ کی نقاہت اور استنباط مسائل کا علم اس وقت ہوتا ہے جب  
کہ ان فتوؤں کو مطالعہ کرے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیئے۔

ایک بار آپ کو تپ محرقہ کا حملہ ہوا اور بہت شدید تھا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست  
احباب، شاگرد، آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ آپ پر نیم بیوشی سی طاری  
تھی، ذرا سنبھل گئے اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے نہیں مرتا۔ کیونکہ ابھی حضور صلی  
علیہ وسلم شریف لائے ہیں اور حضور نے فرمایا ہے کہ دس برس تجھے اور زندگی سے  
دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ دس برس تک زندہ رہے۔

ایک بار میں حدیث شریف آپ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک  
وجدانی کیفیت طاری ہو گئی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا یہ حدیث شریف کا  
پڑھنا سن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ ذالک فضل اللہ یوقبہا من یشاء۔  
آخری ایام میں تو آپ بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اپنی ہستی کو فراموش کر  
دیا تھا اور ذات مبارک تیرے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر وقت مراقب رہتے۔  
۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ میں یہ علم و معرفت کا آفتاب غروب ہو گیا، اور  
اپنے آبائی قبرستان میں ۱۲ رمضان المبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

# حضرت مفتی اعظم علامہ ڈورل مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۰ھ تا ۱۳۶۴ھ

”دنیا کی سب قوموں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن انگریز قوم ہرگز قابل اعتماد نہیں“  
 یہ الفاظ ہیں حضرت مفتی اعظم مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزی مرحوم کے جنھوں نے  
 سرزمین بے آئین میں رہ کر استبداد و قسود کے طوفان میں انگریز سامراج کی مخالفت  
 اور عوام مزدور اور ہمتان کی حمایت کی، جنھوں نے آخری سانس بھی قوم و وطن کی  
 محبت پر نثار کر دیئے، جو ایک بہت بڑے انقلابی لیڈر مندر رہنا، فاضل اجل،  
 عالم باعمل، حریت پرور، اور انسان دوست فروختے اور جن کی انتھک مساعی اور  
 بے لوث قربانیوں کی بدولت اب تک فضائے سرحد میں صحیح انقلاب کی گونج  
 باقی ہے۔

آپ کا نام نامی و اسم گرامی عبدالرحیم، مفتی اعظم لقب ہے اور پوپلزی خاندان  
 سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ سنہ ۱۸۹۰ء میں بمقام پشاور حضرت مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم  
 صاحب کے گھر میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مفتی سرحد مولانا عبدالحکیم تھے  
 علمی حلقے میں آپ کا شمار صرف صوبہ سرحد ہی میں نہیں، بلکہ کابل، قندھار، غزنی اور

پر اس تک پھیلا ہوا تھا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جو حق و راجح آپ کے وسیع علم سے مستفیض ہوتے۔ سیاسی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت نہایت اہم تھی آپ خلافت کمیٹی کے صدر تھے مولانا عبدالرحیم صاحب کے دادا حضرت علامہ محمد امین صاحب کا شمار بھی صوبہ سرحد کے ممتاز ترین علماء میں ہوتا تھا۔

حضرت استاذ گرامی مرتبت مفتی اعظم مولانا عبدالرحیم صاحب پولینڈی مرحوم نے ۱۹۰۸ء تک پشاور میں مختلف علماء سے اور بالخصوص اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کی۔ کتب درسیہ سے فراغت حاصل کر کے ۱۹۰۸ء میں رامپور ہوتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب شیخ الدرس تھے۔ ۱۹۱۱ء میں آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شیخ الہند کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں ہوتا تھا آپ اپنے استاذ کا جس وقت بھی درس میں نام لیتے تو نہایت ہی ادب و احترام سے لیتے اور فرماتے۔ "کہ مجھے فخر ہے کہ شیخ الہند جیسے مجاہد میرے استاذ ہیں"

تعلیم سے فراغت حاصل کر کے آپ نے استاذ کے ارشاد پر سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء میں جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی، تو آپ نے نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ اس تحریک میں قوم کی خدمت کی۔ اپنی پورے اور بے لوث خدمات کا سکہ ہر ایک کے دل پر بٹھا دیا۔ حقیقت آپ کی سیاسی زندگی کا زمانہ کھلے طور پر یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی حیثیت اس تحریک میں ایک قائد کی تھی۔

۱۹۲۶ء میں آپ نے ایک ہفت روزہ صحیفہ "سرفروش" کا اجراء کیا جس

میں تقریباً تمام مقالات، شذرات اور مضامین آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔ صوبہ سرحد میں اس وقت جبکہ ظلم و جور کی جاہلانہ قوت نے جمہوریت اور آزادی کو دبا رکھا تھا۔ یہ اپنی قسم کا واحد اخبار تھا جو کہ غریب عوام، محنت کش، مزدور، اور مفلوک الحال لوگوں میں بیداری اور اپنے حقوق کی حفاظت کا جذبہ صاوقہ پیدا کرتا تھا۔ انگریزی سامراج پر جائز اور تعمیری نکتہ چینی کرنا بغیر کسی خوف و خطر کے اس اخبار کا طرہ امتیاز تھا۔ آج اگر ہم یہ کہیں تو بے محل نہ ہوگا، اور بے جا بھی نہ ہوگا کہ صوبہ سرحد کی سیاسی بیداری میں اس اخبار کو بہت دخل رہا ہے۔

مولانا صاحب کی مسلسل کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۲۵ء میں یہاں کانگریس کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ کانگریس میں ایسے افراد ہیں جو سرپرستارانہ خیالات کے مالک ہیں اور غریب عوام کی خدمت نہیں کرتے۔ نیز آپ مکمل اشتراکی خیالات رکھتے تھے۔ لہذا آپ نے چند اشتراکی رفیقوں کے تعاون سے نوجوان بھارت سبھا کے نام سے ایک الگ جماعت کا قیام عمل میں لائے۔ آپ کو اس جماعت کا سرپرست بنایا گیا۔ صوبہ سرحد کا نوجوان اور باعمل طبقہ آپ کے ساتھ مل گیا۔ آپ نے آنے والے انقلاب کو دیکھتے ہوئے صوبہ سرحد کے قریب قریب گاؤں گاؤں، اور شہر شہر کا دورہ کیا، ایک بہادر، شجاع اور نڈر انقلابی کی طرح دنیا کو یہ پیغام دیا۔ ”دنیا چین و اکرام کی زندگی بسر کرے۔ ملک کا نظام حکومت معاشی اور اقتصادی خوش حالی کا کفیل ہو۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، ظلم و استبداد کا استیصال کیا جائے، ظالم کی حمایت نہ ہو اور نہ مظلوم کی حق تلفی ہو۔“

اس کے بعد آپ نے آزاد قبائل کا دورہ کیا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ بڑے

بڑے علماء اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ آپ کے اس سفر کا ایک اہم مقصد (علاوہ دیگر مقاصد کے) یہ بھی تھا کہ انگریزوں کی ان ریشہ ورائیوں کو طشت از بام کیا جائے جو امان اللہ خان مرحوم سابق واپی افغانستان کے متعلق کی جا رہی تھیں۔ چنانچہ آپ آزاد قبائل کے مشاہیر علماء، مشائخ اور خواتین سے ملے اور انھیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اس سفر میں آپ کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ نے ان تمام تکالیف کا مقابلہ کیا۔ اور اواخر ۱۹۲۹ء میں واپس پشاور لوٹے، اور اس تمام رونا و کولم بند کر کے عوام الناس کی معلومات کے لئے شائع کرویا۔ اب آپ کی اہمک کوشش اور سعی پیہم سے تمام لوگ اور خصوصاً غریب عوام جہاد آزادی کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ سول نافرمانی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جلسوں میں آپ کی تقاریر سے غریب اور نادار عوام آزادی کی تڑپ اور ”انقلاب زند و باد“ کے نعروں سے اپنے قلوب گرما رہے تھے۔

گورنمنٹ انگریزی نے ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح آپ کو مع دوسرے رفقاء کے گرفتار کر لیا۔ اسی دن ان لوگوں کی گرفتاری پر عوام میں بے چینی پھیل گئی، مکمل ہڑتال کی گئی، جلوس نکلے، انگریزوں نے فوج طلب کر کے نہتے اور منظلوم عوام پر اندھا دھند مسلسل سارٹے تھے، تین گھنٹہ تک گولی چلائی، قصہ خوانی بازار شہدار کے خون سے لالہ بن گیا۔ قدم قدم پر لاشیں اور زخمیوں کی کراہنے کی آوازیں تھیں۔ کتنے نوجوان نئے جو اس دن شہید ہوئے اور کتنے بچے اس دن قہیم ہوئے۔ ان تمام مصیبتوں اور تکالیف کا برداشت کرنا اور وطن عزیز کی آزادی کے لئے بیش ادبیش قربانیاں کرنا آپ ہی کی بے پناہ کوشش اور حصول آزادی کے لئے تیار کرنے کا نتیجہ تھا۔ پشاور

سے آپ کو گجرات جیل منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاندھی ارون سکیٹ کے تحت آپ رہا ہوئے اور آخر ۱۹۳۱ء میں انگریزی سامراج کے خلاف ”اتمان زنی“ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں صدائے احتجاج بلند کی۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو تین سال قید کر دیا گیا اور ہرمی پور جیل میں رکھا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے رہائی حاصل کی۔ جب آپ گھر پہنچے تو آپ کو میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران میں آپ نے بیتا اللہ شریف کے سفر کا ارادہ کیا۔ گورنمنٹ نے آپ کو سفر کی اجازت نہ دی، تو آپ نے احکام توڑنے کی دھمکی دی۔ نتیجہً گورنمنٹ نے آپ کو اجازت دے دی۔ دو سال تک آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں رہے۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو اسی طرح آپ نے آزادی وطن کی خاطر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ۱۹۳۶ء میں اصلاحات کے تحت کانگریس نے یہاں اپنی حکومت بنائی۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اب کانگریس جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ غریبوں، بھوکے، ناداروں اور مفلوک الحال زمینداروں کے لو اور ہڈیوں پر بی ہے سربراہ حکومت ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کانگریسی حکومت کو نواب آف طور کے ظلم و جور سے آگاہ کیا جو اس نے اپنے کمزور اور بے کس کسانوں پر روا رکھے تھے، مگر وہ حکومت شس سے مس نہ ہوئی۔ آپ نے برابر پراونشل کانگریس کو بھی اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کیا۔ مگر اس طرف سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار آپ کی ”سرپرستی“ میں ”غلو ڈھیر“ تحریک شروع ہو گئی۔ آپ نے ایک بہادر انقلابی کی طرح مفلوک الحال زمینداروں کی حمایت میں ”اپنی حکومت“ کے مقابلہ پر آکر ۱۹۳۶ء میں سزائے پھر ہو گئے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کا لالچ دیا گیا، مگر

آپ کا ارشاد ہے :-

” اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دل فریب کرشمے مضبوط سے مضبوط ارادے کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کامیابی کا راز عزیمت میں ہے اور چشک آرزو کے فریب خوردہ ارادے و نیلئے عزیمت کے حدود سے خارج ہیں۔“

آپ نے اپنا یہ ارشاد سچا کر دکھایا کہ مردانِ عزیمت ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ہمت عزم اور استقلال کے ساتھ اس تحریک کو چلایا۔ آخر اس اپنی حکومت نے ایک سرمایہ دار کی حمایت کرتے ہوئے مولینا صاحب کو گرفتار کر لیا اور ایک سال قید کی سزا دی، نیز جیل میں عام قیدیوں کا سلوک آپ کے ساتھ کیا۔ اس قید کو بھی آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ پورا کیا۔

۱۹۳۸ء میں رہا ہونے کے بعد وہی جذبہ صاوقہ غریبوں کی امداد، بیچاروں اور بیکیوں کی حمایت آپ نے ضلع ہزارہ کے غریب زمینداروں اور کسانوں کی حمایت کے لئے ”ہزارہ کسان کانفرنس“ منعقد کی۔ تمام ہزارہ کا دورہ کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں پہلی ہزارہ کانفرنس منعقد کی جس کی صدارت کے فرائض آپ نے خود انجام دیتے غریب عوام کے مطالبات آپ نے کانگریس کے سامنے پیش کئے۔ آخر پراونشل کانگریس کمیٹی کا اجلاس ایبٹ آباد میں کروا کر مزاعین کے مطالبات منظور کروا دیئے۔

اواخر ۱۹۳۹ء میں جب برطانوی استبدادیت نے غریب اور لاچار وزیرستانوں پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ بمباری، توپوں کے ذریعے آتشیں گولے مشین گنوں اور مسلح موٹروں کے ذریعے گولیوں کی آگ برسائی تو آپ نے اس ظلم و جبر کے خلاف



بتوں میں جلسے منعقد کر کے حکومت کے خلاف اتقاریں لیں، اور عوام الناس کو ان مظالم سے آگاہ کیا چنانچہ اس کلمہ حق کہنے پر آپ کو گرفتار کر کے پانچ سال قید کر دیا گیا۔ اور قید بھی بامشقت تھی۔ ایڈوائزری دور حکومت میں گورنمنٹ نے آپ کو اس بشرط پر کہ آپ صرف بتوں نہیں جائیں گے، رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس پیکر حق و صداقت اور علمبردارِ عمریت نے کمال بے باکی اور جرأت سے جواب دیا کہ جب میں اس حکومت کو ہی عملاً تسلیم نہیں کرتا تو کسی بشرط کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آخر تین سال کی قید کے بعد آپ کو رہا کیا گیا۔ اس قید کے درمیان آپ کو پورسی کی بیماری ہوئی اور اسی سے انتقال ہوا۔ چونکہ آپ کے خیالات غریبوں کی حمایت بیسیوں کی وادری کرنا تھا اس لئے رحمت پسند طبقہ اور وہ کانگریسی طبقہ جو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتا تھا آپ کے خلاف مذہب کی آڑ لے کر لغو اور فحش پراسیگنڈہ کیا کرتا تھا۔ آپ کو طعنوں سے نوازا جاتا تھا۔ بالخصوص آپ پر یہ الزام لگایا جاتا کہ آپ کا طریق کار ملی مفاد کے خلاف ہے اور خطرناک ہے۔ مذہب کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ مگر آپ تمام الزامات کا جواب کمال بروباری اور عمل کے ساتھ دیتے اور معاف فرمادیتے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے جواب دیا۔ ”آخر مجھے کوئی یہ تو بتائے کہ قوم کی بہبودی، ملک کی ترقی و خوش حالی، مظلوم کی ہمدردی، غمزدوں کی تشفی، بیسیوں کی دلجوئی، ظالم سے اعراض، بنی نوع انسان کے ساتھ سلوک و رواداری، کس مذہب میں منع ہے، کس دین میں جرم اور کس تہذیب کے خلاف ہے۔ کیا اسلام نے ان امور کی دعوت نہیں دی، شریعت نے ان کا احساس نہیں دلویا“ فرماتے ہیں ”اگر جواب

اثبات میں ہے تو بتلائیے کہ ۱۹۲۹ء سے لے کر اس وقت تک میری متعدد تحریریں اور تقریریں کس موضوع پر تھیں۔ کیا ان میں اور متذکرہ بالا کے سوا مواد موجود ہیں جن کی وجہ سے مذہبی و ملی مفاد کو خطرہ پہنچتا ہے۔“

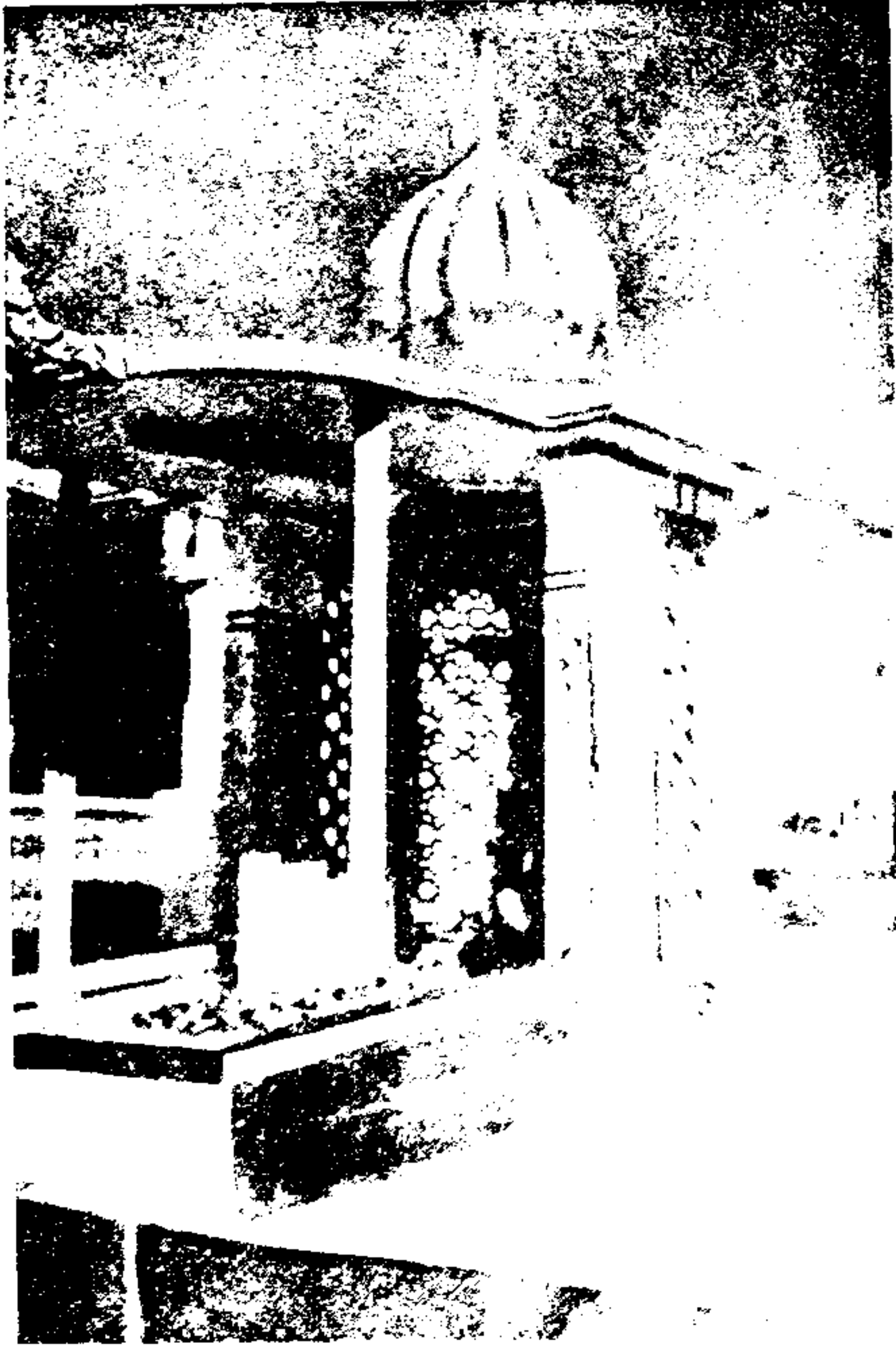
آپ نے کابل کے تین سفر کئے تھے۔ ایک سفر والی کابل غازی امان اللہ خاں کے زمانہ میں، دوسرا سفر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم کی خواہش پر اور تیسرا سفر آپ نے قندھار تک کیا تھا۔

۱۹۳۲ء میں بیت اللہ شریف کا سفر کیا۔ آپ دو سال تک حرمین شریفین میں مقیم رہے۔ بادشاہ ابن سعود نے آپ کو عمان لکھا اور بہت خاطر و مدارات کی۔ حضرت علامہ اگر سیاست کے میدان میں ظلم و جبر کے خلاف ایک بہادر نڈر اور انقلابی مجاہد کی طرح سینہ سپر کھڑے رہے تو اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور عرفان کے دریا بھی بہاتے رہے۔

اپنے مکان (واقعہ محلہ گاڈیخانہ پشاور) پر تمام دن درس جاری رہتا۔ طلبہ کا جگمگا ہوتا۔ کوئی تفسیر پڑھ رہا ہے تو کوئی حدیث شریف، کوئی فقہ پڑھ رہا ہے تو کوئی اصول فقہ، کوئی تصوف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی اخلاق کی۔ کوئی منطق پڑھ رہا ہے تو کوئی فلسفہ۔ غرضیکہ ہر علم و فن کا درس جاری ہے۔ جب بھی کوئی استفہان آتا تو آپ فلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیتے۔ وعظ فرماتے تو حکمت و موعظت کے موتی بکھیرتے آپ کو اسی دینی خدمت پر متفقہ طور پر صوبہ سرحد اور اس کے تمام ملحقہ آزاد قبائل نے مفتی اعظم تسلیم کیا۔ صوبہ سرحد کابل، قندھار، تاشقند اور آزاد قبائل میں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں۔

تصوف میں آپ جناب مجاہد کبیر حضرت نجم الدین صاحب ہڈہ کے پیرو تھے۔ اسی لئے مجاہد جلیل صاحب فقر و غنا جناب حضرت حاجی صاحب ننگرانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے۔

جب یہ پیکر صبر و استقلال آخری بار قید سے رہا ہوئے تو بہت ہی کمزور اور نحیف ہو چکے تھے۔ دورانِ قید ہی میں آپ پر پولیسی اور گروہ ورہ کا مہلک دورہ پڑا تھا۔ مگر اس سے کچھ سنبھل گئے تھے۔ پھر جب دوسری بار دورہ پڑا تو اس دورہ سے جان بڑھ ہو سکے۔ بیماری کے ایام میں جب کبھی حاضری کا موقع ملا، تو فرماتے "امتحان کے پرچے دے رہا ہوں۔ دیکھو کب امتحان ختم ہوتا ہے" تقریباً دس ماہ علیل رہ کر ۵۴ برس کی عمر میں بروز بدھ ۳۱ مئی ۱۹۴۳ء کو یہ آفتابِ علم و عمل غروب ہو گیا۔



مزار حضرت آقا سید شریف حسین صاحب شاکر قادری حشتی بغدادی

# حضرت مولانا سید شاکر حسین صاحب شاکر بغدادی

۱۳۳۵ھ تا ۱۳۷۹ھ

آپ کا اسم شریف سید شریف حسین شاہ شاکر، والد کا اسم گرامی سید محمد سعید صاحب  
 دادا کا اسم مبارک حضرت الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)  
 تھا اور "شاکر بغدادی" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کی  
 عمر صرف تین ماہ کی تھی کہ والدہ صاحبہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جب عمر چار برس کی ہوئی  
 تو حضرت حافظ جی سید ولایت شاہ صاحب مرحوم سے قرآن مجید شروع کرایا گیا۔  
 اور دیگر فارسی اردو کی کتابیں بھی پڑھنی شروع کیں ساتھ ہی پرائمری سکول میں انگریزی  
 تعلیم بھی شروع کر دی گئی۔ آپ نے ایف۔ اے (انگریزی کی) کلاس پاس کی اور فارسی  
 میں منشی فاضل کیا۔ عربی کی تعلیم حضرت علامہ وقت صدر المدین دارالعلوم  
 رفیع الاسلام بھانڈا ماسٹر مولانا مولوی سید محمد ایوب شاہ صاحب سے تکمیل کی۔

۱۔ چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ بغدادی محبوب سبحانی قطب ربانی شہباز لامکانی سید شیخ عبدالقادر  
 جیلانی بغدادی سے ملتا ہے۔ اس لئے اس نسبت سے آپ اپنے آپ کو بغدادی لکھتے تھے۔

کچھ مدت مشن ہائی سکول اور خالصہ ہائی سکول میں فارسی پڑھاتے رہے براہِ مہر  
 مسعود اور صاحبِ شفقتی ایڈیٹر روزنامہ انجام نے آپ کے سکول کی زندگی کے متعلق  
 لکھا: ” آغا صاحب (مرحوم) سکول کے ماحول میں بہت بلند کردار اور حدودِ جہ کے  
 خود وار تھے، وہ فارغِ اوقات میں ہمیشہ سکول کی لائبریری میں مطالعے میں مشغول  
 دیکھے گئے۔ میں نے کبھی بھی ان کو دوسرے استادوں سے بے تکلف ہوتے نہیں  
 دیکھا اور نہ ہی وہ کبھی کسی سے مرعوب نظر آئے ہمیشہ انھوں نے اپنے آپ کو عام  
 ماحول سے بلند رکھا، اور دوسرے کو اپنے اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی سے  
 مجبور کیا کہ وہ ان کی ضرورت ہر قدم اور ہر مرحلہ پر محسوس کریں۔“

جناب خلیفہ عبدالرشید صاحب تحریر کرتے ہیں: ” آپ بچپن ہی سے بڑے فیاض  
 اور سخی تھے کسی سائل کا سوال روز نہیں نہ مانے تھے بچپن ہی سے اولیاء اللہ اور  
 مزارات سے بڑا انس تھا۔ جب کسی بزرگ یا مزار کا پتہ ملتا تھا۔ فوراً وہاں تشریف  
 لے جاتے تھے اور فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔“

آپ کے والد کا ۱۹۳۵ء میں جب انتقال ہوا تو قلعہ کے دن سردار عبدالرب  
 صاحب نشتر مرحوم سابق گورنر پنجاب کی ایک مختصر سی تقریر کے بعد آپ کے چچا  
 جناب حضرت آغا سید نجم حسین صاحب نے آپ کو اپنے والد کی جگہ صاحب  
 سہاؤ مقرر کر دیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ میں بیعت کر کے صاحبِ مجاز و معنی  
 بھی کر دیا اور جب تک زندہ رہے آپ کی تربیت کرتے رہے۔

۱۰ روزنامہ ”انجم“ ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء

صاحب سجاوہ ہونے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی طرح اپنے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی محبت بھری شخصیت اور اخلاق کریمانہ تمام مریدین اور مخلصین کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کے اکثر سجاوہ نشین آپ سے بڑی محبت کرتے، اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ذکر اذکار کی محفلیں منعقد کرتے اور مریدین کو ہمیشہ ذکرِ بالہجر کرنے کی تلقین کرتے۔ آپ کے علقہ ذکر میں ہمیشہ ایسی گرمی اور نمن و برکت ہوتی تھی کہ لوگ بیتاب ہو کر وجد و حال میں تڑپتے تھے۔ نماز، روزہ، اور شریعت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ اور باقاعدہ نماز تہجد ادا کر کے اپنے اور واشغال میں مصروف ہو جاتے سلسلہ چشتیہ میں لاہور، پونیا، قصور کے اکثر اصحاب کو مرید کیا۔ سماع کی محفل میں انتہائی آداب کی پابندی کرتے اور آپ کی توجہ اور نظرِ کرم سے اہل محفل ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ آپ پر خود بھی وجد و حال کی کیفیت رہتی۔ باوجود ان سب باتوں کے ہمیشہ اپنی ذات کی نفی فرماتے۔

آپ نے معرفتِ الہی کے حصول کے لئے دور و رات کے سفر کئے۔ مزار شریف، کابل، بخدا و شریف، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ اور ہندوستان کی تمام مزارات (بالخصوص اجیر شریف) نوہر سال شریفی لے جاتے تھے، پر حاضر ہوتے۔ اثنائے سفر میں خدا رسیدہ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، فیوض و برکات حاصل کئے۔

آپ کو ادبِ اردو، اور شعر و شاعری میں بڑا درجہ اور مقام حاصل تھا۔ آپ حضرت علامہ سید وحید الدین صاحب بے خود و بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ جناب بیجو صاحب کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی۔ جب کبھی بھی وہ ملی شریفی لے

گئے تو جناب بچھو صاحب خاص طور پر آپ کی خاطر مشاعرہ کی مجلس، آپ کی صدارت میں منعقد کرواتے۔ ایک بار لاکھپور میں عظیم الشان مشاعرہ ہوا۔ جس میں بہارستان کے چیدہ چیدہ شعرا مدعو تھے۔ ان میں آپ کے اُستاد بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کو اس مشاعرہ میں خاص طور پر دعوت دی گئی تھی اور ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی۔ ملک کے بلند پایہ ادبی رسائل میں آپ کے مضامین اور اشعار اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنا کافی کلام چھوڑا ہے۔ جس میں توجید، نعت اور غزل ہے۔ کلام پر طبیعت کے مطابق تصوف کا رنگ غالب تھا۔

آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ ایک بار آپ مری تشریف لے گئے۔ مری میں آپ پر ”وجح القلب“ کا دورہ پڑا، اس تکلیف میں آپ نے چند دن گزارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آرام عطا فرمایا۔ ایک برس کے بعد لاہور سے پشاور آتے ہوئے ریل گاڑی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ پر شدید قسم کا دورہ پڑا۔ اب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی۔ پشاور شہر کے معروف ڈاکٹر سید علی رضا صاحب آپ کے معالج تھے۔ نماز عید حسب سابق حضرت سلطان العارفین سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے و و دن کے بعد رات کے دو بجے تیسری بار آپ نے قلب کا انتہائی شدید قسم کا دورہ پڑا۔ جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی اور آپ ایڈمی ریڈنگ اسپتال میں داخل کراویئے گئے۔ تیسرے دن یعنی ۷ شوال ۱۳۹۷ھ کو اچانک آپ نے ایک نثر ”اللہ“ کا لگایا اور آپ کی روح قفسِ عنبری سے پرواز کر گئی۔ انگریزی کی ۲۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو پیر کا دن تھا۔

آپ کی وفات کی خبر تمام پشاور میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ پشاور کے بڑے بڑے



یا زار بند ہو گئے۔ دوسرے دن آپ کا جنازہ صبح دس بجے اٹھایا گیا۔ ہزار ہا لوگ  
پشاور، مضافات، راولپنڈی، لاہور، قصور اور چینیاں اور ہزارہ سے آئے  
اور جنازہ میں شامل ہوئے۔ محترمی سلطان محمد صاحب زار نے اس قطعہ سے  
آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

زار محسن مرے مرے مشفق  
فکر تاریخ پر یہ آئی ندا!  
پہل دینے چھوڑ کے مجھے مغموم  
وائے داغ شریف جان مغموم

۱ ۹ ۶ ۴۰

آپ کا صرف ایک ہی سات سالہ فرزند سید محی الدین عابد فوزی الگیلانی  
ہے، سلمہ الرحمن۔

# حضرت مولانا سید فضل محمدانی صاحب بنوری رضی اللہ عنہما

سلسلہ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سید فضل محمدانی صاحب، والد کا اسم گرامی سید فضل ربیانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں حضرت غوثِ زماناں میاں محمد عمر صاحب المعروف پچکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اجداد کو لوتے بابا احمد شاہ ابدالی ڈرانی کے دورِ حکومت میں بنور سے بلا کر یہاں پر مقیم کیا۔ آپ اپنے آبائی سلسلہ طریقت میں جو نقشبندیہ مجددیہ اومیہ سے منسوب ہیں۔ آپ کا خاندان نسلاً بعد نسل علماء و فضلاء اور مشائخ کا گھرانہ چلا آتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا مولوی شاہ رسول صاحب پالا گھڑوی مدرسہ مدرسہ حافظہ جی صاحب گنج، مولانا مولوی غازی الدین صاحب اعجاز گھڑوی، اور دیگر کئی اکابر علماء و فضلاء سے درس نظامی کی تکمیل کر کے علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

حضرت قاری ولاد صاحب گھڑوی باغباناں سے قرأت و تفسیر کو پورا کیا

حضرت قاری ولاور صاحب جس وقت تلاوت قرآن مجید کرتے تو اگر مشرک بھی آپ کی تلاوت سنتا تو زار زار روتا۔

تعلیم علوم اسلامیہ سے فارغ ہو کر آپ نے سال ۱۳۱۱ھ میں اپنے مکان کے ساتھ ہی ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی، جس کے ساتھ پرائمیری تک مروجہ تعلیم کا بندوبست کیا۔ اس دارالعلوم کا نام ”رفیع الاسلام رکھا۔ اس دارالعلوم میں درس نظامی پڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔ ”استاذ العلماء“ جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد اویس

شاہ صاحب مدظلہ مدرس بنائے گئے۔ پانچ مدرسین دیگر علوم و فنون پڑھانے پر مقرر کئے گئے۔ چار مدرس و جتہ پرائمیری میں مقرر کئے گئے۔ اس دارالعلوم میں بیگم تین سو طلباء تعلیم حاصل کرتے۔ اس دارالعلوم کے فضلاء اس وقت ”شیخ الحدیث“

کے ممتاز عہدوں پر مختلف مدارس میں مامور ہیں اور بعض کالجوں میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر ہیں، اس دارالعلوم میں طلباء کا لباس ایک ہی قسم کا تھا۔ یعنی سفید لباس، سیاہ شبروانی، اور ترقی شرح لٹری۔

آپ نے اس دارالعلوم کے لئے کبھی بھی سرکار انگریزی سے کوئی رعایت اور مدد طلب نہیں کی۔ اور اگر برطانوی حکومت نے کبھی امداد وغیرہ کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اس کو قطعاً قبول نہیں کیا۔ یہ دارالعلوم ۳۵ برس یعنی سال ۱۳۱۱ھ تک جاری رہا۔

آپ کے پاس ایک انتہائی نایاب اور نادر کتب خانہ ہے، جس میں تقریباً ۸۱۸ ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں تقریباً چار ہزار قلمی نوادرات تھیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے عظیم مؤرخ اور ماہر علماء ان کتابوں کو دیکھنے اور مطالعہ

کرنے کے لئے دُور دراز سفر کر کے آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ تقریباً نصف کتابیں پشاور یونیورسٹی نے تو اپنی لائبریری کے لئے خرید لی ہیں اور چند کتابیں نیشنل لائبریری کراچی نے خریدی ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت ہی نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

آپ نے دو بار حرمین الشریفین کا سفر کیا۔ اور ایک بار باقاعدہ طور پر ہندوستان کا سفر کیا۔ جس میں مشائخ اور علماء سے ملے، اور ان کی صحبتوں میں رہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ ”اگر میں شریعت اسلامیہ کی اتباع میں مطمئن ہوں تو ان تمام مشائخ اور علماء میں صرف حضرت خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ہڈہ ملا صاحب سے مطمئن ہوا ہوں۔“

سیاسیات میں آپ نے جمعیتہ العلماء ہند کے ساتھ تعلق رکھا اور آپ اپنے سرحد کے علاقہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جمعیتہ العلماء ہند نے جنگ آزادی کے لئے جو جو پروگرام بنائے۔ آپ نے اس علاقہ میں اس کو عملی جامہ پہناتے ہیں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ بڑی گرم جوشی سے اس پر عمل پیرا ہوئے۔ جمعیتہ العلماء ہند کا امر وہہ شہر (یوپی) میں جب سالانہ اجتماع ہوا تو وہاں پر جمعیتہ کے اکابرین نے ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا لائحہ عمل مرتب کیا تو آپ ہی ایک فرد واحد تھے جنہوں نے مخالفت کی کہ مسلمان مشرک کا ہمنوا نہیں بن سکتا۔ آپ نے جمعیتہ العلماء سے استعفیٰ دے دیا اور تمام سیاسی کشمکش سے انگ نکل گیا ہو کر دارالعلوم رفیع الاسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

آپ نہایت ہی متواضع، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ شریفیہ

دل خوفِ الہی سے بھر لو پڑھتے ہیں۔ نڈر دسحق گو، اور صاحبِ عزیمت ہیں اگر کسی مجلس یا جلسہ میں اتفاق ہو جاسا۔ اگرچہ وہ جلسہ یا مجلس مذہبی ہو یا سیاسی، اور آپ نے کوئی امر غیر شرعی اس میں دیکھا چاہے بڑے سے بڑا حاکم بھی اس جگہ موجود ہوتا آپ فوراً اس پر گرفت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام اسی وقت صاف صاف سننا دیتے ہیں۔ آپ کے قلب میں اسلام کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ دین الہی سے مخلوقِ خدا اور حکومت کی غفلت پر ہر وقت آنسو بہاتے رہتے ہیں اور اسی غم میں گھلے جا رہے ہیں۔ اسلام فروش مشائخ اور علماء کے سخت مخالف ہیں۔ سنتِ نبوی کے انتہائی پابند ہیں۔

اس وقت آپ کی عمر ۸۳ برس ہے۔

# الحاج شہر حافظ گل فقیر احمد صاحب فادوی پوشتی (لعالم)

سالہ (اس وقت بقیہ حیات ہیں)

آپ کا نام نامی و اسم گرامی حضرت الحاج حافظ گل فقیر احمد القاب شیخ التفسیر والحدیث، خطیب السلام ہے۔ آپ سالہ میں حضرت علامہ مولانا مولوی الحاج میاں نصیر احمد صاحب کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید کے پہلا پارہ کا تین پاؤ اپنے والد محترم سے حفظ کیا۔ آپ کو والد نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر خود ار کو عالم بنائے گا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور آپ محدث جلیل، فقیہ بے نظیر، اور مفسر علوم باطنی ہوئے۔

حافظ فضل احمد صاحب، حافظ غلام رسول صاحب اور حافظ محمد صادق صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن پاک یاد کرنے کے بعد اپنے وقت کے علماء کرام سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی، آپ نے ہر ایک فن جاننے والے عالم سے اسی فن کی کتابیں پڑھیں۔

مولانا مولوی عبدالحکیم صاحب سے فارسی کی تکمیل کی اور انشاء بھی سیکھی، صرفاً

کے لئے اور مشہور صوفی، شیخی علماء برجناب مولانا مولوی اللہ دین صاحب

اور جناب مولانا مولوی قاضی سراج دین صاحب سے مکمل پڑھی۔ حضرت مولانا مولوی قاضی صاحب پڑھنی سے معقول، معانی اور اصول فقہ کو مکمل کیا تفسیر، حدیث اور فقہ فقہ عصر حضرت مولانا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلبندی سے پڑھا اور پھر حدیث شریف کی سند استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب محدث سے حاصل کی (آپ کی یہ سند، "سند کی" کہلاتی ہے جو مسہمی ہے "ثبت امیری" سے) فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی حضرت مولانا نے روم اور دیگر رسائل تصوف، حضرت قبلہ عالم پیر علی شاہ صاحب گولڑوی (جو کہ تصوف کے علوم میں مجدد تھے) سے سبقاً سبقاً پڑھے۔ نیز اعلیٰ حضرت قبلہ سید پیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ ایک عرب محدث گولڑہ شریف لائے تھے۔ آپ کو انھوں نے بھی سند حدیث مرحمت فرمائی تھی، گویا استاذ گرامی قدر کے پاس حدیث مبارک کی تین مستند سندیں ہیں۔

آپ نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت قبلہ عالم پیر علی شاہ صاحب گولڑوی سے بیعت کی، منا دل سلوک طے کر کے قبلہ پیر صاحب نے آپ کو معنعن اور صاحب مجاز کیا۔ آپ پر قبلہ پیر صاحب کی توجہات و عنایات سب سے زیادہ تھیں۔ اسی لئے آپ کا سینہ مبارک عرفان الہی کا مرکز انوار و تجلیات بن گیا۔ جس وقت آپ جمعہ کا وعظ ارشاد فرماتے تو عوام اور خواص سب حسب مراتب آپ کے مواظب حسنہ سے سیراب ہوتے۔ وعظ شریف کے دوران ایک عجیب روحانی کیفیت ہوتی، کوئی تو اللہ ہو کے نعرے بلند کرتے، کسی کے آنسو نہ ٹھمتے

اور کوئی مخیرت واستغراق ہوتا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد حلقہ ذکر الہی فرماتے۔  
 آپ نے چالیس برس تک اپنے والد عالی مرتبت کی مسجد یعنی درگاہ میں  
 قرآن مجید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ کا مکمل و اکمل درس دیا۔  
 شہنوی شریف اور تصوف کی دیگر بڑھائیں۔

آپ کی وسعت علمی کا وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ کے درس میں یا آپ  
 کے مواعظ میں مستقل طور پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ نیز جنھوں نے آپ کے اس مقدمہ کو  
 پڑھا ہو جو آپ نے قبلہ عالم حضرت گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان فارسی تقاریر کے  
 مجموعہ پر لکھا ہے، جو حضرت قبلہ پیر صاحب فصوص الحکم پر فرمایا کرتے تھے۔ وہی  
 جان سکتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے آپ کو کتنے بحیرے کراں حکم سے نوازا ہے اور  
 اپنے شیخ محترم کا عشق آپ پر اتنا مستولی اور غالب ہے کہ ہر وقت اپنے شیخ کا  
 ہی تذکرہ آپ کی زبان فیض ترجمان پر رہتا ہے اور انہی کے ارشاد عالیہ سے مجلس  
 کو منور کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت اور اس دور میں مسئلہ "وحدت الوجود" کے  
 علم اور سمجھانے میں آپ مجتہد اور امام ہیں، اتنے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آپ کا  
 علم نہایت ہی آسان اور مختصر الفاظ میں حل فرما دیتا ہے خلائق فضل اللہ یوقیہ  
 ہوتی بیشک۔ اس وقت اگرچہ آپ کی عمر اتنی برس سے بڑھ چکی ہے مگر آپ کا علم  
 اسی طرح پختہ اور جوان ہے۔ فتوحات فصوص الحکم اور صوفیاء کی عبارات ثبانی  
 پڑھاتے ہیں اور اولیائے کرام کے اشعار بھی منقطعہ مسئلہ پر پیش فرماتے ہیں۔

آپ کے شاگرد اس وقت بھی صاحب افتار اور صاحب درس ہیں اور  
 ہزار ہا لوگوں نے آپ کے درس سے فیض پایا ہے۔ آپ نہایت ہی خلق محمدی علیہ السلام



علیہ وسلم کا نمونہ ہیں۔ متواضع، منکسر المزاج، حسان توازن، کریم النفس اور کمال درجے کے شفیق و مہربان ہیں۔ آپ کے اسی علم و فضل اور اخلاق حمیدہ کی وجہ سے پشاور کا ہر فرد آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم سب پر قائم رکھے آمین۔ آپ کے دوست زندگی ہیں۔

جناب "بشیر احمد صاحب" آج کل آپ اپنے والد محترم کے جانشین ہیں۔ درس کا کام آپ خود کرتے ہیں ہفتہ میں تین دن ترجمہ و تفسیر پڑھاتے ہیں اور تین دن حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے خطبات وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ بہت ہی بلند اوصاف اور اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ علوم کی تکمیل اپنے والد گرامی سے کی ہے اور منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ برس ہے۔

دوسرے فرزند مولانا مولوی غلام احمد صاحب ہیں، پشاور میں آپ "بشیر احمد" اور "ڈپٹی صاحب" کے القاب سے مشہور ہیں۔ شاعر بھی ہیں، کامل تخلص کرتے ہیں۔ دینی تعلیم والد صاحب کے زیر سایہ کی۔ انہوں نے بھی منشی فاضل کیا ہے۔ بہترین واعظ ہیں، تین تین گھنٹہ مسلسل فرق باطلہ کا مدلل رد کرتے ہیں۔ اللہم زد فرجہ۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۸ برس ہوگی۔

گویا پشاور شہر میں میاں صاحب کا گھرانہ مسلسل نوے برس سے قرآن و حدیث کی خدمت کر رہا ہے۔

# حضرت استاذ الاساتذہ سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری

۱۳۱۶ھ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری بن سید عمر قدس سرہ بن محمد حسن بن محمد اکرم بن محمد امان بن میر محمد صاحبان ہے۔ آپ کا لقب صدر المدین اور استاذ الاساتذہ ہے۔ جناب حضرت سید محمد امان صاحب علاقہ کابل (افغانستاں) موضع چار دیہی کے رہنے والے تھے، وہاں سے چل کر موضع تہکال بالاطین قیام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کھیلپور تشریف لے گئے۔ سرداران موضع موسیٰ نے آپ کو دو سو چھریب زمین بطور ہدیہ کے نذرانہ پیش کی، آپ نے قبول کر لی اور مستقل سکونت موضع موسیٰ میں اختیار کر لی۔

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب نے اپنی علوم حاصل کئے اور اپنے لڑکے محمد حسن صاحب کو بھی بہت اچھی طرح تعلیم و تربیت سے پروران چڑھایا جن صاحب نے کافیہ پر کابلی اور باسولی شریں لکھیں وہ جناب مولانا سید محمد اکرم صاحب کے شاگرد تھے۔

جناب مولانا سید محمد الیوب شاہ صاحب جعفری کے والد جناب سید عمر صاحب

قدس سرور بہت بلند پایہ عالم اور محدث تھے۔ یوسف زئی کے علماء سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ پشاور و شہر کے علاقہ جہانہ ماڑی کے مشہور و معروف عالم جناب سید اکبر شاہ صاحب مرحوم سے منطق پڑھی۔ جناب سید عمر صاحب مرحوم اپنے وقت کے صدر المدرسین تھے۔ پنجاب و سرحد کے بڑے بڑے اکابر و اعظم علماء آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت استاذی مولانا مولوی سید محمد اویس شاہ صاحب جعفری نے اپنے والد سے علوم اسلامیہ پڑھے۔ حضرت مولانا مولوی علامہ وقت قطب الدین صاحب بن شہاب الدین صاحب ساکن غز غشتی۔ حضرت فقیہ اعظم مولانا مولوی محمد صدیق صاحب بن عبدالرحیم صاحب ساکن ڈاگی یا حسین، حضرت مولانا صاحب ڈھیری میاں گان نزو صوابی، حضرت مولانا میاں صاحب مولوی محمد شریف صاحب ساکن نزوی، حضرت علامہ فقیہ عصر ملا صاحب شاہ منصور اور اسی طرح آپ نے کئی اور استاذانِ کاملین سے علم تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، فقہ، منطق، فلسفہ، الہیات، فصاحت و بلاغت، ہنیت، نجوم کا علم حاصل کیا۔ علم حدیث اور اصول حدیث حضرت محدث جلیل علامہ اجل مولانا مولوی شاہ رسول صاحب ساکن بالا گھڑی نزو مروان سے مکمل پڑھ کر سند حاصل کی جب

۱۔ سید اکبر شاہ صاحب مرحوم کے صاحبزادہ حضرت علامہ سید حبیب شاہ صاحب مرحوم پھر جناب مولانا مولوی سید عمر صاحب کے شاگرد تھے۔

۲۔ حضرت محدث جلیل علامہ اجل شاہ رسول صاحب نے سند حدیث حضرت محدث اعظم مولانا مولوی سید صاحب گنگوہی سے حاصل کی تھی، آپ مدرسہ اسلامیہ خواجہ معروف صاحب گنج میں مدرس تھے اس مدرسہ کے بانی بیوی زکریا صاحبہ حکیم عبداللطیف صاحب امد سید مقبول شاہ صاحب کلاہ فروش تھے +

آپ نے سند فراغت حاصل کر لی تو اسی مدرسہ میں جس میں کہ آپ کے اُستاد و مدرسین  
مدرس تھے (یعنی مدرسہ اسلامیہ خواجہ معروف صاحب گنج پشاور) مبلغ ۱۵ روپیہ  
ماہوار پر مدرس مقرر کئے گئے۔

۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک یعنی پورے چھوہ برس دارالعلوم رفیع الاسلام  
بھانہ ماڑی پشاور میں بحیثیت صدر المدد سبب ورس نظامی کا مکمل درس دیتے رہے۔  
استفطار کا کام آپ ہی سمرانجام دیتے، اور دیگر مقدمات اور جھگڑے جو آتے وہ  
آپ ہی فقہ حنفی کی روشنی میں فیصلہ کرتے۔

۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک گورنمنٹ ٹریننگ سکول میں الیس وی  
کی کلاسوں کو پڑھانے رہے۔ پھر ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک یعنی دس  
برس اسلامیہ ہائی سکول (گورنمنٹ ہائی سکول ۳) میں عربی مدرس رہے ۱۹۵۰ء  
سے لے کر ۱۹۶۲ء تک آپ مروان کی اکبر موریل کالج کی جامع مسجد المعروف مسجد  
زیبہ، میں خطیب رہے۔ اور دوس بھی پڑھاتے۔

سلم، میرزاہد، قطبی، کندی اور قاضی مبارک وغیرہ منطق کی کتابیں زبانی یاد ہیں۔  
مناظرہ سے آپ ہمیشہ کیسور ہتے ہیں۔ مگر تحقیق حق آپ کا شعار ہے مجتہدانہ خیالات  
کے حامل ہیں۔ حافظ الفقہ اور حافظ الحدیث ہیں۔

اعتقاداً حنفی سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "کہ میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کی تحقیق  
کو حق سمجھتا ہوں اور اولیاء کرام کی کرامات زندگی اور موت کے بعد حق جانتا ہوں"  
نیز آپ آج کل کے بد مذہبوں کا رو بڑی شدت سے کرتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی سے فلسفی فاضل اور مولوی فاضل کی سند بھی لی ہے۔

آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ صوبہ سرحد اور افغانستان کے علاقہ میں ہر جگہ آپ کے شاگرد صاحب درس و افتخار ہیں، اور علم کے مدارج علیا پر فائز ہیں۔ صرف آپ کے شاگرد صاحب علم و فضل ہی نہیں، بلکہ صاحب سلوک اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات علم اور تصوف کی جامع ہے۔ برصوات میں پیرے بابا صاحب، پشاور شہر میں جناب آقا سید شریف حسین صاحب قادی چشتی، علاقہ لیلونڑے صوات میں حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب صاحبان سجادہ تھے اور موصوف الذکر اپنے علاقہ کے قاضی کے عہد پر فائز ہیں۔ جناب مولانا مولوی سید محمد الیوب جان صاحب بنوری، آپ نے بھی ریاضی اور مطول تک کتابیں آپ سے پڑھیں۔ آج کل دارالعلوم سرحد کے مہتمم ہیں اور حدیث شریف (صحاح ستہ) پڑھاتے ہیں۔ جناب مولانا مولوی عبداللطیف صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم سرحد، جناب مولانا مولوی عبدالودود صاحب قریشی مہتمم دارالعلوم اشرفیہ پشاور، جناب مولانا مولوی حاجی غلام سرور صاحب ساکن بکٹ گنج مروان۔ آپ مروان میں خطیب ہیں۔ جناب حضرت مولانا مولوی سید مبارک شاہ صاحب ڈسٹرکٹ خطیب بھانڈ ماڑی پشاور، جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب اور جناب مولانا مولوی محمد صاحب ساکنان کٹخت، علاقہ مروان اور جناب سلیمانی محمد اسماعیل صاحب ایم۔ اے پرنسپل گورنمنٹ کالج پشاور اور اس فقیر کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

اگرچہ اس وقت آپ پر طبعاً سافاج کا حملہ ہوا ہے جس کا اثر بیانی پر بھی ہوا۔ مگر پھر بھی آپ کا ذہن اور علم اسی طرح جوان ہے۔ حافظہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ آپ کی عمر ۶۷

بسن ہے۔

مکتبہ

# حضرت شیخ جنید پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۶۹ھ تا ۱۱۹۶ھ

آپ کا مشہور اسم گرامی شیخ جنید پشاوری ہے اور القاب شیخ المشائخ، بحر معانی اور جنید ثانی ہیں۔

آپ جیدر آباد (سندھ) میں ۲۷ رجب المرجب ۱۰۶۹ھ بروز پنجشنبہ (جمعرات) پیدا ہوئے۔ جیدر آباد میں ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بزرگ ولی اللہ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب سندھی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مرید ہو کر خرقہ و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب

۱۔ مندرجہ بالا معلومات خادم درگاہ حضرت شیخ جنید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب عبدالقیوم صاحب سے ایسے وقت میں فراہم ہوئیں جبکہ کتاب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی۔ اس لئے مجبوراً آخر میں تکملہ کے طور پر یہ مضمون شامل کر دیا گیا۔

۲۔ حضرت میاں عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۹۶ھ القعدہ ۱۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۳۰ھ شوال ۱۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

نقشبندی سندھی نے ۱۶ شوال ۱۰۴۹ھ میں حضرت گرامی منزلت شیخ سعد اللہ صاحب  
وزیر آبادی سے بیعت ہو کر سند خلافت حاصل کی تھی۔

حضرت شیخ جنید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سلسلہ نقشبندیہ میں سلوک و معرفت  
کے منازل طے کر چکے تو سیاحت کے لئے رخصت سفر باندھا۔ حیدرآباد سے روانہ  
ہو کر آپ ملتان پہنچے۔ اس وقت ملتان میں حضرت قطب الاقطاب شیخ احمد ملتان  
قاوری کا سلسلہ عالیہ قاوریہ میں علم مشیخت بلند تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر  
ہو کر سلسلہ عالیہ قاوریہ میں مرید ہو گئے اور زہد و ریاضت و جدہ کشی شروع کر دی۔  
آپ زاہد متراض تھے۔ قائم اللیل، اور صائم الدھر تھے، زہد و ریاضت آپ کا  
شعار تھا۔ سلسلہ ہائے طریقت کی اشاعت و ترویج آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔  
اور شریعت محمدیہ و اتباع سنت کا آپ منظر اقم تھے۔

ملتان سے روانہ ہو کر مختلف ممالک میں تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
کرتے ہوئے پشاور پہنچے۔ پشاور کے مشرقی جانب گنج دروازہ کے باہر آپ نے  
ایک جھونپڑی بنا کر باوالہی کی تعلیم شروع کر دی۔ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا  
حسب توفیق سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کرتا۔

ہندوستان میں آپ نے طریقہ نقشبندیہ کو خوب پھیلایا۔ اور جناب حضرت  
شاہ عبدالکریم رامپوری کو سند خلافت عطا فرمائی۔ ویسے تو اس سلسلہ میں آپ کے  
بہت خلفاء تھے مگر حضرت شاہ عبدالکریم رامپوری آپ کے خلیفہ اکبر تھے۔

۱۰۔ جناب حضرت سعد اللہ صاحب وزیر آبادی نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا۔



صوبہ سرحد، آزاد قبائل، افغانستان کا تمام علاقہ، بہارت، غزنی تک آپ سے  
 سلسلہ عالیہ قادریہ پھیلا، اس تمام علاقہ میں آپ کا سلسلہ ”قادریہ زاہدین“ کے نام سے  
 مشہور ہے۔ آپ کے خلیفہ اکبر جناب حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بشوہنیؒ  
 تھے۔ آپ کے سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر مشائخ گذرے ہیں جو کہ زہد اور مجاہد  
 بھی تھے۔ حضرت مجاہد جلیل و عظیم جناب انور صاحب صوات، حضرت مجاہد اعظم  
 جناب خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ”ہڈہ ملا صاحب اور جناب مجاہد کبیر  
 حضرت حاجی صاحب ترنگزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ ہی کے سلسلہ کے بزرگ ترین  
 شیخ تھے۔

آپ کی تربیت روحانی بطریق اویسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی  
 تھی، اسی لئے آپ کے سلسلہ میں اویسی نسبت غالب ہے۔  
 آپ مصدر کرامات تھے۔ پشاور شہر کا ہر فرد آپ کے فیوضات باطنی و ظاہری  
 کا معترف ہے اور ہر وقت آپ کے مزار پر زائرین کا اثر و حام ہوتا ہے۔  
 آپ کی وفات ۲۸ شوال ۱۱۹۸ھ میں بروز جمعہ ہوئی۔ آپ کا مزار گنج و زو  
 کے باہر مرجح عوام و خواص ہے۔

۱۷ آپ کی وفات ۱۷ ماہ صفر المنظر ۱۱۹۸ھ میں ہوئی

# حضرت حاجی اُمید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۷ھ تا ۱۳۷۷ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اکبر شاہ صاحب بخاری والد کا نام شریف سید میر حیدر شاہ صاحب بخاری تھا اور لقب "پیر بخاری" تھا۔ پشاور شہر کے محلہ ریتی میں سکونت پذیر تھے۔ پشاور کے علماء سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ بچپن ہی سے زہد و عبادت کی طرف مائل تھے۔ اسی فکر کے تحت آپ موہڑہ شریف (کوہ مری) حضرت خواجہ قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندی میں داخل کیا۔ سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کو خلافت سے نوازا۔ انھوں نے آپ کو صوفی نقشبندیہ سلسلہ کی اجازت ہی مرحمت نہیں فرمائی بلکہ دیگر نعمتوں سلاسل یعنی چشتی سرورومی اور قادری سلسلہ کی بھی اجازت دے کر معنوں فرمایا۔ آپ نے پشاور شہر میں سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی۔ چونکہ آپ صاحب علم و عمل تھے اس لئے آپ کی صحبت بابرکت کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے مشائخانہ طریقہ کو قائم کر کے حلقہ۔ ذکر قائم کیا، اور نہایت ہی احسن طریقہ پر اس حلقہ کو تادم حیات قائم رکھا۔

آپ نہایت ہی محبت، پیار اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق سے پیش آتے  
 انتہائی سادہ وضع بااخلاق اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ صاحب کرامات  
 اور بابرکت تھے۔ ۲۱ رمضان المبارک کو ہمیشہ اپنے گھر پر حضرت اسد اللہ  
 مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک بڑے اہتمام سے  
 منعقد کرتے۔ تمام رات ذکر الہی کے حلقہ میں گزار دیتے۔ آپ پر اپنے شیخ کی  
 خاص توجہ تھی، جس کی برکت سے آپ فتوحات، کشف اور کرامات کے دروازے  
 کھل گئے تھے۔ آپ کے کشف و کرامات کے دو واقعات نقل کرتا ہوں۔  
 جب آپ کا وصال ہونے لگا تو اُس دن آپ نے فرمایا۔ کہ ”آج تقریباً  
 ۹ بجے عشاء میری رُوح پرواز کر جائے گی۔ (چونکہ رمضان شریف کی اکیسویں  
 رات تھی اور آپ ہمیشہ حضرت اسد اللہ الغالب مولائے کائنات علی المرتضیٰ  
 کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک اسی رات کرتے تھے) لہذا میری وفات پر  
 رونا نہیں بلکہ میرے وجود کو نیچے کرے میں رکھ دینا اور باقاعدہ ختم شریف پڑھنا  
 عرس سے فارغ ہو کر میری فوتیگی کا اعلان کرنا۔ نیز فرمایا کہ میرا جنازہ پڑھانے  
 کے لئے خود بخود وہاں یعنی جنازہ گاہ میں ایک مولانا آ موجود ہوگا وہ میری نماز جنازہ  
 کی امامت کرانے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب جنازہ پڑھنے کے لئے چارپائی  
 رکھی گئی تو ایک بزرگ عمورت مولانا صاحب بغل میں جائے نماز لئے ہوئے

۱۔ بروایت خلیفہ کالاخان۔ یہ صاحب آپ کے خلیفہ ہیں اور اس وقت زندہ ہیں۔ ان

کی عمر ۸۰ برس کے قریب ہوگی۔

آموجود ہوتے اور پوچھ لیا اور پتہ آپ نے بتایا تھا یہ وہی صاحب تھے انہوں نے  
نماز جنازہ پڑھا وی۔“

یہی خلیفہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ”ایک ہندو کی چوری ہو گئی اور اس کا  
کافی مال چوری ہو گیا تھا۔ آپ اپنے گھر کے اندر تشریف فرما تھے اور میں بھی خدمت  
میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ ”خلیفہ دروازہ پر ایک ہندو کھڑا ہے اس  
کو اندر بلا لاؤ“ جب میں دروازہ پر گیا تو واقعی ایک ہندو کھڑا تھا۔ میں نے  
اُس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس نے اپنی چوری کا ذکر کیا اور طالب  
وُعا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ”گھبراؤ نہیں تمہارا مال تمہیں جائے گا“ وہ چلا گیا۔  
چار دن کے بعد وہ ہندو مٹھانی وغیرہ لے کے حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میرا مال  
آپ کی وُعا اور برکت سے برآمد ہو گیا ہے، اور یہ شیرینی حاضر ہے آپ نے فرمایا  
”یہ شیرینی واپس لے جاؤ اور اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کر دو“  
آپ کی وفات ۲۱ رمضان ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔

آپ کے دو فرزند تھے سید یعقوب شاہ صاحب بخاری اور سید فرمان شاہ  
صاحب، ہر دو حضرات صاحب سلسلہ تھے اور والد صاحب کی طرح ذکر و فکر  
میں مشغول رہے۔ سید یعقوب شاہ صاحب بخاری ۱۹۳۱ء میں فوت ہوئے۔  
آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ سید محسن شاہ صاحب ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں۔  
سید پھول بادشاہ صاحب پاکستان کے بڑے تاجروں سے ایک تاجر ہیں اور  
پاکستان کی ایوان ہائے تجارت کی انجمن کے صدر ہیں۔ سید الحاج تاج میر شاہ صاحب  
اور سید جماعت علی شاہ صاحب بھی لوہے کی تجارت کرتے ہیں۔ جناب الحاج

سید ظفر علی شاہ صاحب اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر مذہبی اور قومی "قابلِ قتلہ" خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے پشاور شہر میں ایک مذہبی ادارہ "ادارہ تبلیغ الاسلام" کے نام سے تشکیل دیا۔ اس ادارہ کے زیر اہتمام محرم شریف کے دس دن اور ربیع الاول شریف کے بارہ دن معرکہ الآراء تاریخی اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان جلسوں میں پاکستان بھر کے جید اور چوٹی کے علماء کرام تشریف لاکر قوم کو خطاب کرتے ہیں۔ یہ اجتماعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی بابرکت اور سعادت کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ اس ادارہ کے صدر ہیں۔

۱۹۶۲ء میں پشاور شہر کے مقتدر اصحاب نے مل کر "ادارہ اصلاح معاش" بنایا جس کا مقصد جاہلی رسم و رواج اور بدعات کے خلاف عملی کام کرنا تھا۔ اس ادارہ کا صدر بھی آپ کو منتخب کیا گیا۔

مسلم لیگ کی تحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عملی طور پر لیگی سیاست میں نمایاں کارکردگی سرانجام دی۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے عربین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۳۷ برس ہوگی۔

تذکرہ

# علماء و مشائخ سمرقند

فقیر محمد امیر شاہ قادری

(سجادہ نشین)

یکہ توت پشاور